# پنجابی لوک داستانیں

شفیع عقیل

BOOKS GIVE US WINGS
NATIONAL BOOK FOUNDATION

# پنجابی لوک داستانیں

نیشنل بک فاؤنڈیشن
اسلام آباد

© 2016 نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد
جملہ حقوق محفوظ ہیں۔ یہ کتاب یا اس کا کوئی بھی حصہ کسی بھی شکل میں
نیشنل بک فاؤنڈیشن کی باقاعدہ تحریری اجازت کے بغیر شائع نہیں کیا جا سکتا۔

نگران : ڈاکٹر انعام الحق جاوید
مصنف : شفیع عقیل

سرورق : آغا نثار
اشاعت اوّل : 1975ء (دو ہزار)
اشاعت دوم : 1984ء (ایک ہزار)
اشاعت سوم : 2002ء (ایک ہزار)
اشاعت چہارم : فروری 2015ء (ایک ہزار)
اشاعت پنجم : جنوری 2016ء (دو ہزار)
کوڈ نمبر : GNU-482
آئی ایس بی این : 978-969-37-0726-7
طابع : ایم پی ایس پرنٹرز، راولپنڈی
قیمت : -/150 روپے
پاران ایم ایچ پنہور انسٹیٹیوٹ آف سنڌ اسٽڊيز، ڄامشورو.
Digitized by M. H. Panhwar Institute of Sindh Studies, Jamshoro.

# انتساب

اپنے دوست

جمیل الدین عالی

کے نام

| | | |
|---|---|---|
| پیش لفظ | ڈاکٹر انعام الحق جاوید | 07 |
| لوک داستانیں | شفیع عقیل | 09 |

| نمبر شمار | عنوان | | صفحہ نمبر |
|---|---|---|---|
| | سورج مکھی کا پھول | (سورج مکھی دا پھل) | 33 |
| | حقیقی ماں | (سچی ماں) | 55 |
| | تین سوال | (جٹ تے قسمت) | 73 |
| | بارہ سال بعد | (کوکلاں بادشاہزادی) | 82 |
| | گیدڑ کا وعدہ | (جولاہیا تے گدڑ) | 107 |
| | عقلمند عورت | (ست رنگا جانور) | 118 |
| | سگھڑ سیانی | (چار رناں چوں اک سیانی) | 145 |
| | دو بھائی | (دو بھرا تے پنج جانور) | 158 |
| | نہ گھر کے نہ گھاٹ کے | (ناں ایدھر ناں اودھر) | 181 |
| | انسان اور جانور | (باہمن تے جنگلی شیر) | 192 |
| | بہن کا پیار | (رکشالو) | 204 |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ❁ | دوستی کا پھل | (کبوتر تے شکاری) | 215 |
| ❁ | چغل خور | (چغل خور) | 225 |
| ❁ | دو دوست | (گدڑ تے تتر) | 234 |
| ❁ | مایا ناگن | (مایا ناگنی) | 242 |
| ❁ | بے وقوف | (بے وقوف جٹ) | 255 |
| ❁ | چڑیا اور کوا | (چڑی کاں دی کہانی) | 261 |
| ❁ | گائے اور کسان | (ڈب کھڑبی گاں تے زمیندار) | 274 |
| ❁ | چالاک بندر | (باندر دی چالاکی) | 286 |
| ❁ | مچھلی کی ہنسی | (مچھی دے ہاسے دا راز) | 296 |


.....o.....

# پیش لفظ

(۱)

یہ کتاب پہلی مرتبہ میں نے تب پڑھی تھی جب میں ایم اے اُردو اور پھر ایم اے پنجابی کر رہا تھا۔ دوسری مرتبہ پی ایچ ڈی کے مقالے کے دوران اس کی خواندگی کا موقع ملا اور اب تیسری بار نیشنل بک فاؤنڈیشن میں آ کر اس کے پروف پڑھے۔ تینوں بار ہر داستان نے نیا لطف دیا کیونکہ یہ وہ داستانیں ہیں جو ہمارے خون خمیر میں رچی ہوئی ہیں۔ ہر چند کہ انہیں ہم بچپن سے سنتے اور پڑھتے چلے آ رہے ہیں مگر جناب شفیع عقیل نے تدقیقی تحقیق کے بعد جس طرح اجمالی تفصیل سے ان داستانوں کو اپنے مخصوص اور منفرد انداز میں رقم کیا ہے اس سے ان کی حیثیت اور اہمیت میں کئی گنا اضافہ ہو گیا ہے۔

مثال کے طور پر ''چڑی کاں دی کہانی'' (چڑیا اور کوا) آپ نے بھی اپنے بڑوں سے سُنی ہو گی مگر شاید اس مکمل انداز سے نہیں جس ترتیب اور تفصیل کے ساتھ اس کتاب میں پیش کی گئی ہے۔ لوک کہانیوں کے حوالے سے جناب شفیع عقیل کی اب تک اُردو میں کئی کتب شائع ہو چکی ہیں اور دنیا بھر کی لوک کتھاؤں کے اُردو مترجم ہونے کی حیثیت سے اور لوک کہانیوں پر ہونے والی تحقیق کے حوالے سے آپ ایک اتھارٹی کا درجہ رکھتے ہیں جس کا اندازہ ان کے دلجمعی سے لکھے ہوئے اس کتاب کے مبسوط دیباچے بعنوان ''لوک داستانیں'' سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

لوک ادب اور لوک داستانیں اجتماعی ذہن کی نمائندہ ہونے کے ناتے دنیا بھر میں ایک خاص اہمیت کی حامل تصور کی جاتی ہیں کیوں کہ ان کے ذریعے نہ صرف کسی قوم، ملک اور معاشرے کی تہذیبی اقدار اور رسوم و رواج کا پتہ چلتا ہے بلکہ یہ اس علاقے کی ارتقائی ثقافتی تاریخ کی بھی عکاس ہوتی ہیں۔ زیرِ نظر کتاب میں پنجابی کی جو داستانیں پیش کی گئی ہیں ان میں پورا پنجاب

سانس لیتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور یہ پورے پاکستان کے مشترکہ ورثے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ تمثیلی انداز کی ان کہانیوں کی ایک علامتی حیثیت بھی ہے جو سبق آموز اور حیات آمیز ہونے کے ساتھ ساتھ فکر انگیز بھی ہے اور ان میں سے ہر کہانی میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے مقابلتاً کمزور کردار کی جانب سے کوشش اور جدوجہد جاری رکھنے کا پہلو نمایاں نظر آتا ہے۔ پتہ نہیں یہ کہانیاں کس قدر قدیم ہیں مگر آج اکیسویں صدی میں بھی ان کی اہمیت وافادیت مسلمہ ہے۔

نیشنل بک فاؤنڈیشن کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ 1975ء میں اس کتاب کا پہلا ایڈیشن اسی ادارے کی طرف سے شائع ہوا۔ اس کے بعد دوسرا اور تیسرا ایڈیشن بھی جناب شفیع عقیل کی زندگی میں شائع ہوا اور اب اس کا چوتھا ایڈیشن شائع ہو رہا ہے جب محترم شفیع عقیل اس دنیا میں نہیں رہے، لیکن ان کا یہ کام اس قدر اہم ہے کہ رہتی دنیا تک اس کتاب کی اشاعت سے اُن کا نام زندہ رہے گا۔

زیرِ نظر منصوبے کے تحت ہم پاکستان کے دیگر علاقوں کی لوک داستانوں اور لوک کہانیوں کو بھی قومی زبان اُردو میں پیش کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اس سلسلے میں کچھ مسودے ہمارے پاس آ چکے ہیں جب کہ کچھ پر تیزی سے کام جاری ہے۔

(۲)

میری توقع کے عین مطابق قارئین کی دلچسپی کے باعث اس کتاب کا چوتھا ایڈیشن کمپوز شدہ صورت میں نئی تزئین کے ساتھ صرف 10 ماہ کی مدت میں ختم ہو گیا اور اب اس کا پانچواں ایڈیشن 2 ہزار کی تعداد میں شائع کیا جا رہا ہے اور قیمت بھی 180 روپے سے کم کر کے 150 روپے کر دی گئی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے استفادہ کر سکیں۔

ڈاکٹر انعام الحق جاوید

(پرائڈ آف پرفارمنس)

منیجنگ ڈائریکٹر

پنجاب کی لوک کہانیوں کے سلسلے میں یہ میری دوسری کتاب ہے۔ ۱۹۶۳ء میں پنجابی لوک کہانیاں کے نام سے میری ایک کتاب شائع ہوئی تھی جس کا یونیسکو کی طرف سے دنیا کی سات زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے اور یہ جرمن زبان میں بھی منتقل ہو چکی ہے۔ اب پنجابی لوک داستانیں پیش خدمت ہے جس میں سرزمین پنجاب کے مختلف علاقوں میں سنی سنائی جانے والی بیس کہانیاں شامل ہیں۔ میں نے کتاب کے نام میں کہانی کی بجائے داستان کا لفظ اس لیے استعمال کیا ہے کہ میری ذاتی رائے میں داستان اور کتھا کے لفظ میں جو سننے اور سنانے کے معنی پوشیدہ ہیں وہ کہانی میں نہیں ہیں' اسی لیے میں نے اس مجموعے کا نام پنجابی لوک داستانیں رکھا ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ پنجابی لوک کہانیاں کے نام سے پہلے ہی میری اپنی کتاب موجود تھی' اس وجہ سے بھی اس کا نام بدلنا ضروری تھا تاکہ دونوں کتابوں میں امتیاز کیا جا سکے۔ یہ کتاب بھی کئی برس پہلے شائع ہو چکی ہوتی لیکن جو کاتب صاحب اس کی کاپیاں تصحیح کے لیے مجھ سے لے گئے تھے وہ آج تک واپس نہیں آئے۔ اگر میرے پاس اتفاق سے اس کا مسودہ نہ رہ جاتا تو شاید یہ اب بھی طباعت و اشاعت تک نہ پہنچ پاتی۔ بہرصورت اس سے ایک فائدہ ضرور ہوا اور وہ یہ کہ مجھے انہیں ازسرنو لکھنے کا موقع مل گیا اور اسی موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اب میں لوک کہانیوں یا داستانوں کے بارے میں ذرا تفصیل سے لکھنا چاہتا ہوں۔ کچھ اس لیے بھی کہ ہمارے ہاں اس موضوع پر بہت کم توجہ دی گئی ہے بلکہ میں تو یہ کہوں گا اس اہم موضوع کو بالکل ہی نظرانداز کیا گیا ہے۔

پہلی بات تو یہی ہے کہ ہمارے اکثر لکھنے والے لوک کہانی کا لفظ غلط معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ اس کی وجہ اس لفظ کے مفہوم سے ناواقفیت ہو یا روشِ عام' سبب کچھ بھی ہو

اسے عام طور پر غلط مفہوم دیا جا رہا ہے اور اس میں پڑھے لکھے لوگ بھی شامل ہیں۔ دراصل ایسے لوگ یا لکھنے والے پاپولر ٹیل (مقبول کہانی یا عوامی کہانی)' لیجنڈ (نیم تاریخی قصہ یا نیم تاریخی روایت) اور فوک ٹیل (لوک کہانی) کے مفہوم و معنی میں جو فرق ہے' اس امتیاز کو ملحوظ نہیں رکھتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوک کہانی کا مفہوم غلط ملط ہو کر رہ گیا ہے۔ بعض بڑے بڑے جگادری نقاد اور محقق اس ضمن میں اسی روش عام کا شکار نظر آتے ہیں۔ یہ بات اپنی جگہ جس قدر حیرت ناک ہے' اس سے کہیں زیادہ افسوس ناک کہی جا سکتی ہے۔

قصے کہانیاں کہنا اور سننا ابتدا ہی سے انسانی طبیعت کا خاصہ رہا ہے۔ آج سے ہزاروں سال پہلے جب وہ گھنے جنگلوں' اندھیرے غاروں اور پہاڑوں کی کھوہوں میں رہتا تھا' اس وقت بھی یہ ان کا اسی طرح دلدادہ رہا ہوگا جیسے موجودہ ترقی یافتہ دور میں نظر آتا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ اس دور میں وہ ان داستانوں کو اس طرح بیان نہ کر سکتا ہو' ان میں اس طرح کے موڑ نہ آتے ہوں کہانیوں میں یہ پھیلاؤ نہ ہوتا ہو مگر یہ باور کر لینے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیے کہ انسان کا داستان گوئی سے اس وقت سے تعلق پیدا ہو گیا تھا جب اس نے پہل پہل ایک دوسرے سے بات چیت شروع کی تھی۔ وہ زبان چاہے الفاظ کی قیود سے آزاد رہی ہو اور خواہ وہ صرف اشاروں اور کتابوں پر مشتمل ہو لیکن ایک دوسرے کو اپنے کارنامے سنانا اور قصے کہانیاں کہنا ابتدا ہی سے انسان کے ساتھ ساتھ چلا آ رہا ہے۔ جب ایک قبیلہ کسی دوسرے قبیلے پر حملہ آور ہوتا ہوگا یقیناً رزمیہ داستانوں نے اسی وقت جنم لیا ہوگا۔ جب کوئی تہذیب و تمدن سے ناآشنا انسان اپنی بہادری اور شکار کے حالات بیان کرتا ہوگا یا اپنے سفر کے واقعات سناتا ہوگا' تو اسی سے قصہ گوئی کی جڑیں پھوٹی ہوں گی۔ بقول ڈاکٹر گیبن چند قصہ گوئی کا فن اتنا ہی قدیم ہے جتنا نطق انسانی۔ گو آج ہم ان لوک داستانوں کی قدامت کے بارے میں کوئی بات حتمی طور پر نہیں کہہ سکتے' کیوں کہ ہمارا علم ماضی میں وہاں جا کر رک جاتا ہے جہاں سے تحریر کی ابتدا ہوتی ہے۔ ہم وہیں سے تاریخ اور ادوار کے ڈانڈے ملاتے ہیں مگر وہ قدیم لوک داستانیں جو پہلے پہل ضبط تحریر میں لائی گئیں' اگر ہم ان کا

بغور مطالعہ کریں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ جس رُوپ میں تحریر ہوئی ہیں یا جس شکل میں سنائی گئیں، وہ صورت اختیار کرنے کے لیے انہیں صدیوں کا سفر طے کرنا پڑا ہوگا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ تو یہی ہے کہ یہ کہانیاں کسی ایک ذہن کی تخلیق نہیں ہوتیں بلکہ ان کی تصنیف اور تالیف وترتیب میں مختلف ادوار اور زمانوں کے لوگوں کے ذہنوں نے اجتماعی طور پر حصہ لیا ہے۔ یہ بات دنیا کی ہر زبان اور ہر خطے کے لوک ادب کے بارے میں کلیہ کے طور پر کہی جا سکتی ہے کہ اسے مختلف عہد کی روایات جنم دیتی ہیں، ان کی تخلیق میں لوگوں کے مشترک جذبات واحساسات حصہ لیتے ہیں اور یہ صدیوں کا طویل سفر طے کر کے کوئی ایک رُوپ اختیار کرتی ہیں اور پھر ایک نسل دوسری نسل کو سینہ بہ سینہ یہ امانت سپرد کرتی چلی جاتی ہے۔ اس طرح تحریر کی منزل تک پہنچنے کے لیے انہیں ان گنت زمانوں میں سے گذرنا پڑتا ہے۔ اس سلسلے میں سنتوکھ دھیر لکھتے ہیں:

"ہزاروں سال سے دھرتی کے ہر گوشے میں انسان زندگی کے لیے فطرت یا غیر مرئی قوتوں کے مقابلے میں جدوجہد کرتا آ رہا ہے۔ ہزاروں سال کی انسان کی یہ مسلسل جدوجہد کرتا آ رہا ہے۔ ہزاروں سال کی انسان کی یہ مسلسل جدوجہد ترقی کی شاہراہ پر رواں دواں زندگی کی ایک کہانی ہے۔ اس طویل اور عظیم کہانی میں لاکھوں کروڑوں واقعات پروئے گئے ہیں۔ دراصل یہ واقعات ومشکلات ہی زندگی کی روح ہیں۔ ان کا سلسلہ ماضی میں دور تک چلا جاتا ہے۔ شروع ہی سے زندگی کا رواں قافلہ آپ بیتیاں بیان کرتا رہا ہے۔ زندگی کے ساتھ پیش آنے والی ان مشکلات وواقعات کا بیان ہی لوک کہانیاں ہیں۔"

لوک کہانیوں کا مصنف آج کل کی طرح کوئی ایک شخص نہیں ہے، ادب کی کوئی تاریخ کسی ایک لوک کہانی کے کسی ایک مصنف کا نہیں بتا سکتی۔ اگر کوئی نام کسی لوک ادب کی کتاب پر آتا ہے تو اس کا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ اس نے لوک کہانیوں کو تلاش کیا، محفوظ کیا اور خوب صورت زبان اور دلچسپ رُوپ کا پیرھن دے کر جمع کر دیا، اگرچہ اپنی جگہ یہ بھی کوئی چھوٹا اور آسان کام نہیں ہے۔ سچی بات یہی ہے کہ ہر لوک کہانی ہزاروں لوگوں کی مشترک تصنیف ہے۔

اسی ضمن میں انسائیکلو پیڈیا برٹنیکا (Encyclopedia Britannica) میں تحریر ہے:

''یہ فرض کیا جائے گا کہ ان کا رشتہ یکساں طور پر قدیم زمانے سے ہے اور چوں کہ ان مقبول لوک گیتوں یا لوک کہانیوں کا مصنف کوئی فرد واحد ایسا نہیں ہے جس کا پتہ چلایا جا سکے یا جس کا نام لیا جا سکے' اس لیے یہی کہا جائے گا کہ لوک گیت' لوک کہانیاں اور رزمیے تمام عوام کی مشترک تخلیق ہیں۔''

لوک کہانیوں یا لوک داستانوں کے بارے میں ایک عام خیال یہ پایا جاتا ہے کہ یہ محض خیالی' بے مقصد اور ناقابل یقین قصے ہوتے ہیں جن کا انسان کی حقیقی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ایسے لوگ یہ بات کہتے وقت اس حقیقت کو نظر انداز کر جاتے ہیں کہ وہ ایک صداقت سے چشم پوشی کر رہے ہیں۔ انہیں یہ جاننا چاہیے کہ لوک کہانیاں آج کے باشعور' صاحب ادراک اور ترقی یافتہ انسان کا وہ ادبی اور تہذیبی ورثہ ہے جسے اب سے ہزاروں سال پہلے کے ان انسانوں نے تخلیق کیا جو فکری اور ذہنی طور پر ابھی ابتدائی مراحل میں تھے۔ ان کے پاس نہ شعور کی یہ گہرائی تھی اور نہ خیال کی یہ بلند پروازی۔ یہ لوک کہانیاں تاریخ کے اس دور کی نشان دہی کرتی ہیں جب علم و ادب' تہذیب و ثقافت اور انسانی تمدن کی بنیاد پڑ رہی تھی۔ اس دور کے انسان نے اپنی محدود عقل و فراست اور چھوٹے ہوئے شعور و ادراک سے کام لے کر فکر کی ایک ایسی شاہراہ کے لیے راستہ ہموار کر دیا تھا جس پر ہزاروں سال بعد علم و ادب کے قافلوں کو سفر کرنا تھا۔ جو لوگ لوک کہانیوں کو غیر عقلی اور ناقابل فہم کہہ کر ان سے صرف نظر کر جاتے ہیں ان کا طرز عمل بالکل ایسے ہی ہے جیسے ایک رنگ و روغن سے مزین شاندار اور عظیم عمارت کی تکمیل کے بعد اس کے گارے چونے کی حیثیت سے انکار کر دیا جائے جو اس کی تخلیق اور عظمت کا باعث بنا۔ اردو زبان کے مشہور محقق ڈاکٹر گیان چند ایک جگہ لکھتے ہیں:

'' ان لوک کہانیوں کو محض [illegible]

ابتدائی فکر کی تاریخ میں اولین تہذیب کا رنگ و غازہ ہے۔کون جانے ہماری بعض لوک کہانیاں دس پانچ ہزار سال پیشتر وجود میں آ چکی ہوں۔''

یہ بات بھی اپنی جگہ درست ہے کہ ان لوک کہانیوں میں تاریخ یا سماج کے عوامل اس صورت میں نہیں ملتے جس طرح ہم توقع کرتے ہیں لیکن جیسا کہ میں نے تحریر کیا ہے' یہ کہانیاں اس عہد کے انسانوں کی اجتماعی تخلیق ہیں جو تاریخ اور سماج کا وہ شعور نہ رکھتے تھے جو آج کے انسان کو حاصل ہے۔ یہی نہیں بلکہ خود تاریخ اور سماجی شعور بھی اس وقت اپنی ابتدائی سطح پر تھا۔اس موقع پر یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیے کہ اس دور کا انسان کئی قسم کے توہمات میں گرفتار تھا۔ بہت سی حقیقتوں کی تاویلات کر لیتا تھا اور بہت سے عوامل کے ردعمل سے نا آشنا تھا۔لہٰذا یہ مطالبہ کرنا کہ لوک کہانیوں میں خالص تاریخی یا سماجی رویہ ہو' مناسب معلوم نہیں ہوتا۔اس قسم کا مطالبہ کرتے وقت ہمیں انسانی تہذیب وتمدن کو پیش نظر رکھنا پڑے گا اور یہ بھی سوچنا پڑے گا کہ انسانی ذہن وفکر' شعور اور ادراک کی کن کن ارتقائی منزلوں سے گزر کر ہم تک پہنچا ہے۔اس بارے میں پنجابی کے مشہور ادیب سنتو کھ سنگھ دھیر کی رائے ہے:

''لوک کہانیوں میں بھی لوک گیتوں کی طرح تاریخ کی جھلک ہوتی ہے بلکہ کہانیوں میں تو تاریخ زیادہ نکھر کے سامنے آتی ہے۔صرف تاریخ ہی نہیں بلکہ سماج کے بارے میں بھی لوک کہانیاں اشارات سے بھری پڑی ہیں۔ پرانے زمانے کے ہاتھوں پر پہاڑ اٹھا لینے والے بہادر' پاؤں مار کر دھرتی سے چشمے بہا دینے والے' موت کو پائے کے ساتھ باندھ دینے والے' سورج کو دانتوں تلے دبا لینے والے' سب لوک کہانیوں کے کردار ہیں۔

نیک اور ظالم راجے' حسیناؤں کے پیچھے مارے مارے پھرنے والے شہزادے' جنگلوں میں مشکلات میں گرفتار سورمے' آسمان پر اڑنے والی بہشت کی پریاں' دیووں کے قبضے میں سات دروازوں والے سونے چاندی کے محل' دودھ کے تالاب' پل بھر میں ایک دیس سے دوسرے دیس میں پہنچا دینے والے مہا دیو اور طویل عرصہ تک دکھ اٹھا کے پھر سے مل جانے والی

دودھ جیسی شہزادیاں' ان لوک کہانیوں کے کردار ہیں جو قدیم زمانوں سے ہماری تاریخ اور سماج میں بس رہے ہیں۔''

پنجابی زبان کے لوک ادب میں قابل قدر کام کرنے والے پنجابی ادیب پروفیسر ونجارا بیدی ان کہانیوں کے سماجی پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

لوک کہانیوں میں صرف ان ہونی' افسانوی اور خوابوں کی دنیا کی باتیں نہیں ہوتیں بلکہ ان کے سینے میں بہت سا ایسا مواد بھرا ہوتا ہے جو ہمیں ان کی حفاظت کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ یہ کہانیاں پڑھ کے جہاں ہم قدیم زمانے کے لوگوں کی سوچ اور ادبی رجحانات کا صحیح صحیح پتہ چلا سکتے ہیں وہاں ان کے خیالات' روایات' رسم ورواج' رہن سہن' ارادے' توہمات' خواہشات اور خوف وغیرہ کے بارے میں بھی جان سکتے ہیں۔

ان کہانیوں میں اپنے وقت کے بھائی چارے اور سماج کی بھی پوری پوری جھلک ملتی ہے۔ اور ان لوک کہانیوں میں ہماری رستی بستی دنیا کو بھی پیش کیا گیا ہے۔

پنجابی زبان کے مشہور محقق اور نقاد ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ نے تحریر کیا ہے:

''یہ کہانیاں زندگی سے انتہائی قریب ہیں۔ زندگی کی بنیادی اہمیتوں اور رہن سہن کو اجاگر کرنے والی ہیں۔ اور ان میں عقل ودانش کا درس الفاظ اور باتوں میں نہیں بلکہ عمل سے بیان کیا گیا ہے۔''

چیمبرز ٹوئنیتھ سنچری ڈکشنری (Chambers Twentieth Century Dictionary) میں لوک کہانی کی جو تعریف کی گئی ہے وہ اس طرح ہے:

''ایک مقبول کہانی جو ماضی کی کم یا زیادہ قدیم روایات سے زبانی طور پر منتقل ہوتی رہی ہو۔''

گویا یہاں بھی اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ لوک کہانیوں میں صرف عقلی اور نا قابل فہم فرضی واقعات ہی نہیں ہوتے بلکہ ماضی کی قدیم روایات کسی نہ کسی رنگ میں ان میں موجود ہوتی

ہیں۔فرق صرف اتنا ہے کہ لوک کہانیوں میں یہ روایات اکثر جگہ استعارات اور تشبیہات کا رُوپ اختیار کر لیتی ہیں مگر ناپید نہیں ہوتیں۔اس سلسلے میں انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا کا حوالہ دینا غیر ضروری نہ ہوگا۔اگر چہ یہ اقتباس قدرے طویل ہے لیکن اس سے لوک کہانیوں کے بہت سے پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے اور یہ بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ لوک ادب کی اہمیت اور حیثیت کیا ہوتی ہے؟ انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا میں Folk tales and Popular stories کے ذیلی عنوان کے تحت جو وضاحت کی گئی ہے' وہ اس طرح ہے:

مقبول لوک کہانیاں تین حصوں میں تقسیم کی جاسکتی ہیں۔دیو مالائی کہانیاں' نیم تاریخی روایتی کہانیاں اور تفریحی کہانیاں۔ان میں دیو مالائی کہانیاں ایک مقصد رکھتی ہیں۔ان کا مقصد عموماً یہ بتانا ہوتا ہے کہ (۱) زمین اور آسمان کس طرح الگ الگ ہوئے (۲) قدرتی طور پر پیش آنے والے واقعات کی خصوصیات کیا ہیں (مثلاً آدو بکا کے بعد بارش کیوں ہوتی ہے؟ یا پرندوں کے خصائص کیا ہیں؟) (۳) تہذیب انسانی کی اصل کیا ہے؟ (مثلاً کسی ثقافتی ہیرو نے تہذیب پر کیا اثر ڈالا ہے؟) (۴) سماجی اور مذہبی رسوم کی اصل کیا ہے؟ یا جن چیزوں کی پوجا پاٹ کی جاتی ہے ان کی اصل کیا ہے؟

ظاہر ہے' دیو مالائی کہانیاں مذکورہ بالا چار اقسام میں سے تین کے ذیل میں آتی ہیں اور ان میں یکسانیت کا سبب یہ ہے کہ ذہن میں یکساں قسم کے ابھرنے والے خیالات کے جوابات بھی یہاں ہوا کرتے ہیں لیکن چوتھی قسم کے ذیل میں آنے والی دیو مالائی کہانیاں اس لیے زیادہ سے زیادہ مختلف ہوتی ہیں کہ وہ جن مقامی دیوتاؤں کے بارے میں ہوتی ہیں' ان کی بابت مختلف رسوم اور رواج کی عکاسی کرتی ہیں۔

نیم تاریخی کہانیوں کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ تاریخ کی مسخ شدہ شکل ہے۔ان کی اصل تو ضرور کوئی تاریخی حقیقت ہوتی ہے لیکن دیو مالائی استفادے سے ان میں حالات کی مناسبت سے کمی بیشی کر دی جاتی ہے۔جہاں تک مختلف قوموں کی نیم تاریخی قصوں (یا روایات)

میں یکسانیت کا تعلق ہے اس کا سبب ضرور یہی ہوتا ہے کہ وہ اتفاق سے ایک ہی طرح کے حالات سے گزرتی ہیں۔ جہاں تک ان میں ادبیت کا تعلق ہے اس میں بھی اسی حد تک یکسانیت ملے گی جس حد تک کہ پریوں کی وہ کہانیاں یکساں ہوں گی جن سے انہیں اخذ کیا گیا ہے۔

پس ماندہ اقوام کی مرتب شدہ کہانیوں میں سے جانوروں سے متعلق کہانیوں کے سوا جن کے افریقی لوگ بہت شائق ہیں' بیشتر کہانیاں ایسی ہیں کہ انہیں دیو مالائی کہانیوں اور نیم تاریخی قصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ پس ماندہ اقوام کے لوگوں کے لیے فکری پرواز کی عکاسی کرنے والی لوک کہانیاں نسبتاً ترقی یافتہ قوموں کے ہاں ملتی ہیں۔ لیکن ایسی کہانیاں جو دیو مالا یا نیم تاریخی روایات کے ذیل میں نہ آتی ہوں' ان کا مسئلہ محض یورپ ہی کو درپیش نہیں۔ کیونکہ ایسی کہانیوں کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے جن میں بیان ہونے والے واقعات اور کہانیوں کے پلاٹ ہندوستان (برصغیر پاک و ہند) اور آئس لینڈ میں یکساں ملتے ہیں۔ اب اسے کیا سمجھا جائے؟ آیا ایجاد کی اتفاقی یکسانیت یا پھر ان کی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقلی ہے؟ تھیوڈور بنفے (Theodore Benfey) نے (جس کی کتاب Pantschatantra سنہ ۱۸۵۹ء میں شائع ہوئی تھی) خیال ظاہر کیا ہے کہ ہندوستان (برصغیر پاک و ہند) نے لوک کہانیوں کا بہت بڑا ذخیرہ فراہم کیا تھا جس سے یورپ کی بہت سی کہانیاں اخذ کی گئی ہیں۔ جرمنی میں کوہلیر (Kohler) کی کتاب اور انگلستان میں کلوسٹن (Clouston) کی نگارشات نے مغربی یورپ میں مشرقی کتابوں سے مستعار لی جانے والی لوک کہانیوں کی بخوبی وضاحت کی ہے۔ فرانس میں ایمانوئیل کوسکوئن (Emmanuel Cosquin) نے بڑی قابلیت کے ساتھ یہ انتہا پسندانہ خیال پیش کیا کہ یورپی لوک کہانیاں ہندوستان (برصغیر پاک و ہند) کی لوک کہانیوں کا چربہ ہیں۔

اگر ہم ہندوستان (برصغیر پاک و ہند) کی اجارہ داری کو تسلیم نہ کریں تب بھی ہمیں ان محققین کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ کیونکہ اوّل تو انہوں نے یہ بات ثابت کی کہ کہانیوں میں بعض قسم کی پائی جانے والی یکسانیت کا سبب یہ ہے کہ کہانیاں قصے ایک جگہ سے دوسری جگہ پھیلے۔ اگرچہ یہ

بات بھی قابل تصور ہے کہ ایک عام خیال یا کوئی ایک واقعہ کسی کہانی کہنے والے کے ذہن میں آزادانہ طور پر سے آیا ہو لیکن یہ خیال کر لینا بڑی زیادتی ہوگی کہ کہانی کا پورا پلاٹ مثلاً واقعات کا یکساں طریقے پر یکے بعد دیگرے پیش آنا' آزادانہ طور سے ایک سے زائد مرتبہ گھڑا جا سکتا ہے۔

دوم انہوں نے یہ بات ثابت کی کہ ہندوستانی (برصغیر پاک و ہند) کہانیوں کا بہت بڑا ذخیرہ ایسا ہے جو بلاشبہ یورپ کی کہانیوں پر اثر انداز ہوا لیکن یہ کہانیاں عربی اور فارسی زبانوں میں ترجمہ ہو کر یورپ میں پہنچی تھیں۔ اس اثر کو فروغ دینے کا سبب یہ بات تھی کہ یروشلم کی زیارت کے لیے (یورپ سے) لوگ جایا کرتے تھے' پھر صلیبی جنگیں ہوئیں' اس کے علاوہ مشرقی اور مغربی تہذیبوں کے درمیان اسلام کی مادّی اور فکری ترقی کی وجہ سے میل جول بڑھا۔ اور اس طرح ازمنہ وسطیٰ سے پورے علاقوں میں کہانیوں کا تبادلہ جاری رہا۔ تاہم چند کہانیاں ایسی بھی ملتی ہیں جو ازمنہ قدیم یعنی پانچویں صدی قبل مسیح میں بھی مشترک تھیں۔ لیکن یہ بات باور کرنی مشکل ہے کہ کہانیاں گھڑنے کی اجارہ داری ہندوستان (برصغیر پاک ہند) ہی کے حصے میں آئی تھی۔ اس دلیل میں کوئی معقولیت نہیں ہے کہ آج جو کہانیاں مرتب شدہ شکل میں موجود ہیں ان کی اصل ہندوستان (برصغیر پاک و ہند) میں زبانی سنائی جانے والی کہانیوں میں ملتی ہے کیونکہ اس بات کی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ ان کہانیوں نے ہندوستان (برصغیر پاک و ہند) کی سرزمین میں جنم لیا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ باور کرنے کی وجوہ موجود ہیں کہ بہت سی کہانیاں ہندوستان (برصغیر پاک و ہند) میں اسلام کے پھیلنے کے ساتھ ساتھ پہنچی ہیں۔

اگرچہ اس طویل اقتباس میں اس بات کی سختی سے تردید کی گئی ہے کہ دنیا میں مروج بیشتر لوک کہانیوں کی جنم بھومی برصغیر پاک و ہند نہیں ہے لیکن اس میں دو محققوں کی آراء بھی شامل ہیں جنہوں نے اس بات پر اصرار کیا ہے کہ یورپ میں رائج تمام لوک کہانیاں پاک و ہند کی سرزمین سے گئی ہیں اور یہ دونوں محقق وہ ہیں جن کی حیثیت کو خود انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں مسلم مانا گیا ہے۔ یہ خیال صرف ان دو محققوں ہی نے پیش نہیں کیا بلکہ اور بھی کئی دانشوروں نے اس حقیقت کا

کھل کر اعتراف کیا ہے کہ یورپ کی بیشتر لوک کہانیاں دراصل پاک و ہند ہی کے خطے سے کسی نہ کسی طور پر ہجرت کر کے وہاں پہنچی ہیں۔ چنانچہ A collection of Eastern Stories and Legends میں بھی اسی خیال پر زور دیا گیا ہے اور لکھا گیا ہے کہ:

سکندر اعظم کے وہ فوجی جو مشرق میں قیام پذیر ہو گئے تھے اور بہت سی قوموں اور ملکوں کے تاجر، فاتح، سردار اور بہادر جو مشرق کے لوگوں میں گل مل گئے تھے، یہ کہانیاں مشرق سے مغرب میں لائے۔

اسٹینڈرڈ فولک لورڈکشنری (Standard Folklore Dictionary) میں بھی اسی نظریے کی تائید کرتے ہوئے لکھا گیا ہے:

یورپ کی بہت سی کہانیاں، خاص طور پر پریوں کی کہانیاں ہندوستان (برصغیر پاک و ہند) ہی میں تخلیق ہوئیں اور یہاں سے نکل کر مغربی دنیا میں پہنچیں۔

اب یہ مسئلہ کہ لوک کہانیاں دراصل کہاں تخلیق ہوئیں اور پھر وہ کس طرح اور کہاں پہنچیں؟ بحث طلب ہے اور اس بحث میں پڑنے سے موضوع الجھ جائے گا اس لیے پہلے موضوع کی طرف آیئے۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ہم لوگ کہانیوں کو محض غیر عقلی اور نا قابل یقین کہہ کر نظر انداز نہیں کر سکتے۔ آپ نے مندرجہ بالا سطور میں کئی ایک نقادوں اور محققوں کے خیالات پڑھے ہیں۔ ان سب نے یہ بات تسلیم کی ہے کہ لوک کہانیوں کا تعلق زندگی اور معاشرے سے ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ان میں کچھ رد و بدل ہو جاتا ہے۔ استعاروں سے کام لیا جاتا ہے، کنایوں میں بات کہی جاتی ہے، تشبیہوں کی پرچھائیاں پڑ جاتی ہیں اور ہر فعل عمل کے ذریعہ ہمارے سامنے آتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ بات یوں بھی کہی جا سکتی ہے کہ لوک کہانیاں کہیں تو زندگی کے بالکل ساتھ ساتھ چلتی ہیں اور کہیں فینٹیسی (Fantacy) کا رُوپ اختیار کر لیتی ہیں۔ ان میں جو واقعات پیش آتے ہیں، کردار جن مسائل سے دوچار ہوتے ہیں اور ان کے جو نتائج ظاہر ہوتے ہیں، وہ سب انسانی زندگی میں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر ان سیدھی سادی لوک کہانیوں

میں ساس بہو کے جھگڑے ہوتے ہیں' سوتیلی اولاد سے سوتیلی مائیں برا سلوک روا رکھتی ہیں' غریب اور امیر بھائی میں سماجی تفریق ملتی ہے' بادشاہ انصاف کرتے نظر آتے ہیں' انصاف کرنے والے دادرسی کے لیے آتے ہیں' ظالموں کو سزا دی جاتی ہے' بادشاہ ایک دوسرے سے برسرِ پیکار دکھائی دیتے ہیں' کسان کھیتی باڑی کرتے ہیں' لوگ قسمت آزمائی کے لیے ایک شہر سے دوسرے شہر کا سفر اختیار کرتے ہیں' دولت کے حصول اور لالچ کے لیے مکاریاں ہوتی ہیں' ہوس پرست راجے اور بادشاہ بے گناہوں کو قتل کرتے ہیں' سچ کی تلاش میں نکلنے والے نازک اندام شہزادے جنگلوں میں مارے مارے پھرتے ہیں' شہزادیوں کی محبت میں مصائب جھیلتے ہیں' شہزادیاں اپنے پیار کے لیے سونے کے محلوں میں تڑپتی نظر آتی ہیں' فقیر اور ولی لوگوں کو نیکی کی تلقین کرتے ہیں' ان کی مرادیں پوری کرتے ہیں' درباروں میں حق کا اعلان کرتے ہیں' ایک بھائی دوسرے بھائی کے دکھ سکھ میں شریک ہوتا ہے' امیر بھائی غریب بھائی سے اجتناب برتتا دکھائی دیتا ہے' بہنیں اپنے بھائیوں کے لیے سسکتی ہیں' عورتیں اولاد کے لیے تڑپتی ہیں' چور چوریاں کرتے ہیں' ٹھگ ٹھگی میں مصروف ہیں' پرندے' درندے اور چرندے انسانوں سے پیار کرتے ہیں۔ نیکی' شرافت' عزت' لالچ' ہوس' حرص' تمنائیں' خواہشات' ناکامیاں' کامیابیاں' محرومیاں' مجبوریاں' دکھ' سکھ' وہ کون سی چیز ہے جو ان کہانیوں میں ہمیں نہیں ملتی؟ تو کیا یہ زندگی نہیں ہے؟ کیا یہ سب ہزاروں سال سے انسانی زندگی کا حصہ نہیں اور کیا آج بھی انسان کی زندگی ان رنگوں سے عبارت نہیں ہے؟ کیا معاشرے کے دامن میں زندگی کے یہ سارے انگ نہیں چھپے ہوئے؟ کیا ان کا سماج' تاریخ اور تہذیب سے کوئی تعلق نہیں؟ بات صرف اتنی ہے کہ لوک کہانیوں میں یہ مسائل' یہ واقعات اور یہ حالات اس شعوری رشتے کے ساتھ پیش نہیں آتے جس کا تقاضا آج کا ترقی یافتہ ذہن کرتا ہے۔ اس کا سبب صرف یہی ہے کہ یہ تمام کہانیاں اس انسان کی تخلیق ہیں جو فکر و ادراک کی ابتدائی منزلوں میں تھا اور تہذیبی شعور کے برگ و بار ابھی پوری طرح نہ پھوٹے تھے۔ اس کے باوجود میں تو یہ تک کہوں گا کہ آج جو ہم جیٹ ہوائی جہاز دیکھ رہے ہیں اور گھنٹوں میں ایک ملک

سے دوسرے ملک میں جا پہنچتے ہیں اس کا تصور بھی علامتی طور پر ہزاروں سال پہلے کی ان لوک کہانیوں میں موجود تھا۔ اڑنے والی کھڑاؤں' اڑن کھٹولے' اڑنے والے غالیچے' پل بھر میں ایک دیس سے دوسرے دیس میں پہنچا دینے والی پریاں اور سات سمندر پار لے جانے والے دیو۔ یہ اس کی علامتیں نہیں تو اور کیا ہے؟

یہی وہ حقیقتیں اور سچائیاں ہیں جن کو دیکھتے ہوئے مسٹر گومے نے فوک لور جرنل (Folklore Journal) میں لکھا تھا لوک کہانیوں کو سائنس تصور کیا جائے اور پنجابی زبان کے نامور محقق سر رچرڈ ٹمپل نے بھی مسٹر گومے کے اس خیال کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''ان کا مطالعہ بطور سائنس کرنا چاہیے۔ میں یہ کہوں گا کہ لوک کہانیوں کا مطالعہ سوائے بطور سائنس کسی اور توجہ کا مستحق نہیں۔ کم از کم لوک کہانیوں اور حکایات کی نوعیت ایسی ہے کہ ان سے بہت حد تک ادب کا سا سلوک روا رکھا جا سکتا ہے۔''

یہ بات بھی دل چسپی سے خالی نہیں ہے کہ اکثر لوک کہانیاں ایسی ہیں جن کے محض نام سے اس بات کا اندازہ کر لیا جاتا ہے کہ اس میں کس قسم کے کردار آئیں گے اور ان کرداروں کی سماجی حیثیت کیا ہے؟ اسی طرح بیشتر کہانیاں جب شروع کی جاتی ہیں تو ان کے پہلے جملے ہی سے سننے والا یہ جان جاتا ہے کہ اس میں معاشرے کی کون سی برائی یا اچھائی بیان کی گئی ہے اور زندگی کے کس پہلو سے اس کا رشتہ ہے؟ اس میں کون سا سماجی یا اخلاقی انگ پیش کیا گیا ہے اور ایک عام آدمی کے رہن سہن میں اس کی کیا حیثیت ہے؟ مثال کے طور پر چند لوک کہانیوں کے عنوان دیکھیے جس سے کہانی کے موضوع کی خود بخود وضاحت ہو جاتی ہے۔

دو ٹھگ۔ سوتیلا بھائی۔ عقل مند کبوتر۔ تدبیر اور تقدیر۔ بیوقوف مگرمچھ۔ ڈرپوک شیر۔ چغل خور۔ حقیقی ماں۔ دوستی کا پھل۔ عقل مند عورت۔ بہن کا پیار وغیرہ۔

اسی طرح اب وہ چند جملے دیکھیے جن سے عام طور پر ان کہانیوں کی ابتدا ہوتی ہے۔

ایک تھا مسافر اور ایک تھا چور۔

کسی جگہ دو بھائی رہتے تھے۔ ایک بھائی امیر تھا اور ایک غریب تھا۔

ایک عورت کی ایک سوتیلی بیٹی تھی۔

ایک تھا راجہ جو بہت ظالم تھا۔

ملک میں ایک نیک دل بادشاہ حکومت کرتا تھا۔

ایک جاٹ تھا جسے چغلی کھانے کی عادت تھی۔

ایک آدمی قسمت آزمائی کے لیے کسی دوسرے شہر گیا۔

عام طور پر لوک کہانیاں سنانے والے اسی قسم کے جملوں سے ان کی ابتدا کرتے ہیں۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ محض ایک جملہ ہی سن کر اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان کہانیوں کا معاشرے اور زندگی سے گہرا تعلق ہے۔

یہ بات طے ہو جانے کے بعد کہ لوک کہانیاں صرف غیر عقلی اور ناقابل یقین داستانیں ہی نہیں بلکہ ان کا انسانی زندگی سے بہت زیادہ تعلق ہے اور ان میں معاشرے کی کوئی نہ کوئی اچھائی یا برائی بیان کی جاتی ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ آج جو ہم ناول، افسانہ، کہانی، ناولٹ، داستان، مثنوی دیکھ رہے ہیں ادب کی یہ تمام اصناف کسی نہ کسی صورت میں لوک کہانیوں کی مرہون منت ہیں۔ صرف ہمارے ہاں کی بات نہیں بلکہ ساری دنیا کا ابتدائی داستانوی ادب لوک کہانیوں کی بنیاد پر تحریر کیا گیا ہے۔ ان کے لیے خام مواد لوک کہانیوں ہی نے فراہم کیا جن پر آگے چل کر عظیم ادب کی عمارت تعمیر ہوئی۔ اس ضمن میں تمام نقاد اور محقق متفق نظر آتے ہیں کہ رامائین، مہا بھارت، ہومر سے منسوب ایلیڈ اور اوڈیسی اپنے وقت کے رائج گیتوں اور قصوں ہی سے ترتیب دیئے گئے ہیں۔ ہیروڈوٹس کی تاریخ اور فردوسی کے شاہنامے کے ماخذ بھی اس وقت کی مروج لوک کہانیاں تھیں۔ ایسپ کی کہانیاں اور مہاتما بدھ سے منسوب گاتھا کی بنیاد بھی لوک کہانیاں تھیں یہی نہیں بلکہ پنچ تنتر، کلیہ دمنہ، جین شاستر، عیار دانش، بوستان خیال، کتھا سرت ساگر، ہتو پدیش، برھت کتھا، تک شک چتی، بیتال بتیسی، سنگھاسن بتیسی اور اس قسم کے سینکڑوں

داستانوی مجموعے سب کے سب لوک کہانیوں کو سامنے رکھ کر مرتب کیے گئے ہیں۔ اس سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ ساری دنیا کے ادب کی بنیاد اور ماخذ لوک ادب ہے۔ لوک گیت اور لوک کہانیاں جو ہزاروں سال سے سینہ بہ سینہ چلی آ رہی ہیں' داستانوں کے ان تمام مجموعوں اور ان جیسی بے شمار دوسری کتابوں میں لوک کہانیوں کا وجود واضح طور پر آج بھی موجود ہے۔ صرف یہی نہیں کہ ان کی بنیاد لوک کہانیوں پر استوار ہوئی' اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی ہے کہ ان میں اکثر داستانیں ایسی ہیں جو ایک دوسری سے بالکل ملتی جلتی ہیں۔ وہی کہانیاں سنسکرت میں ہیں اور وہی یونانی میں' وہی فارسی میں اور وہی عربی زبان میں۔ اس طرح مختلف زبانوں کے ابتدائی داستانوی ادب میں بڑی حد تک ایک ہی طرح کی کہانیاں نظر آتی ہیں جو ان لوک کہانیوں کی یکسانیت کی وجہ سے ایک دوسری سے مماثلت رکھتی ہیں۔ انسائیکلو پیڈیا برٹینکا میں اس کا اعتراف ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

یورپ میں بہت سے ایسے مقبول تصورات' رسوم اور رواج موجود ہیں جن کی جھلک قدیم کلاسیکی ادب میں بھی نظر آتی ہے۔ بہت سی لوک کہانیوں' روایات اور رسوم کا سرمایہ ایسا ہے جو تمام یورپی ممالک میں مشترک ہے۔

اس سلسلے میں پروفیسر ونجارا بیدی کہتے ہیں:

''کسی ملک کی لوک کہانیوں کی کوئی کتاب اٹھا کر دیکھ لیں اس میں سے کوئی نہ کوئی (اگرچہ اکثر نہیں) ایسی کہانی مل جائے گی جو پنجاب کی کسی نہ کسی لوک کہانی سے ہو بہو ملتی ہوگی۔''

دنیا کی تمام زبانوں کا ابتدائی ادب داستانوں پر مشتمل ہے اور اس داستانوی ادب کی بنیاد لوک کہانیوں پر پڑی ہے۔ اس طرح یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ لوک کہانیاں وہ قدیم ادبی ورثہ ہے جس پر آگے چل کر عظیم ادب کی عمارت تعمیر ہوئی اور فکر و خیال کی نئی نئی شاہراہیں کھلیں۔ اس لیے مسٹر گومے کی یہ بات ایک بار پھر دھرائی جا سکتی ہے کہ لوک کہانیوں کو سائنس تصور کیا جائے۔

آج کی دنیا کہاں سے کہاں پہنچ چکی ہے۔علم وادب ترقی کی ان گنت منازل طے کر چکے ہیں۔انسانی شعور وادراک کمال حاصل کر چکا ہے اور تہذیب وتمدن کا عروج انتہائی بلندیوں پر نظر آتا ہے لیکن اس کے باوجود یہ بات اب بھی پورے وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ لوک کہانیاں آج کے دور میں بھی اسی طرح مقبول ومحبوب ہیں جیسے اب سے ہزاروں سال پہلے ذوق وشوق سے سنی اور کہی جاتی تھیں۔شہروں سے لے کر دیہاتوں تک' عالی شان بنگلوں سے لے کر گھاس پھونس کی جھونپڑیوں تک' غریب سے لے کر امیر تک اور بچّوں سے لے کر عورتوں اور بوڑھوں تک لوک کہانیاں ایک سی دل چسپی سے سنی سنائی جاتی ہیں۔ان پڑھ سے ان پڑھ اور تعلیم یافتہ سے تعلیم یافتہ کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس نے کبھی کوئی لوک کہانی سنی یا پڑھی نہیں۔آج بھی جب ہم اپنی کسی نانی اماں یا دادی اماں کا ذکر کرتے ہیں تو یہی کہتے ہیں:

وہ ہمیں مزیدار کہانیاں سنایا کرتی تھیں۔

لوک کہانیوں کی یہ مقبولیت ان کی سچائی کی دلیل ہے۔بقول ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ:

''یہ کہانیاں سب لوگوں کے لیے اور ہر زمانے کے لیے ہیں۔کیا ترقی پسند اور کیا رجعت پسند' کیا قسمت پر قناعت کرنے والا اور کیا جد وجہد کے لیے بیقرار' کیا اکیلے بیٹھ کے کھانے والا اور کیا دوسروں میں تقسیم کر کے کھانے والا' کیا حسن کا پجاری اور کیا بیوقوفی میں زندگی گزارنے والا' یہ سب کے دلوں میں اتر جانے والی باتیں ہیں۔''

سر رچرڈ ٹمپل (Sir Richard Tample) نے ان لوک کہانیوں کی مقصدیت کے بارے میں ایک بڑی اچھی بات لکھی ہے۔وہ کہانیوں کا تجزیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

سب سے زیادہ عام مقصد قسمت آزمائی ہے۔کئی ایک مختلف وجوہ کی بنا پر جن کا اصل کہانی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اور جو محض تمہیدی واقعات ہوتے ہیں' دنیا بھر کی لوک کہانیوں میں ہیرو یا ہیروئن گھر سے قسمت آزمائی کے لیے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ بعض جگہ اکیلے اور بعض جگہ ساتھیوں کے ساتھ۔

رچرڈ ٹمپل نے ان کہانیوں کے ایک بہت خوبصورت اور مقصدی پہلو کی طرف اشارہ کیا ہے۔ واقعی اگر ہم دنیا بھر کی لوک کہانیوں کا بغور مطالعہ کریں تو ان میں جدوجہد اور کوشش کا پہلو بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ ان کہانیوں میں شہزادے اور شہزادیاں، دیو اور پریاں، راکھشس اور کٹنیاں، سب کے سب اپنے اپنے مقصد کے حصول کے لیے سرگرم عمل نظر آتے ہیں۔ خود زیر نظر مجموعے کی کہانیوں پر ایک نظر ڈالی جائے تو اس میں بھی جدوجہد اور زندگی کی تگ و دو کا ایک جال پھیلا ہوا ملے گا۔ ''دوستی کے پھل'' میں کبوتر اور کبوتری اپنی جان بچانے کے لیے کیا کچھ نہیں کرتے؟ ''حقیقی ماں'' اپنی اولاد کے لیے اور اولاد اپنی ماں سے ملنے کے لیے وہ کون سا دکھ ہے جو نہیں اٹھاتی؟ ''بہن کا پیار'' میں ایک بہن اپنے بھائیوں کی محبت میں کیا کیا ظلم برداشت کر لیتی ہے؟ ''سورج مکھی کا پھول'' میں بہن اور بھائی ایک دوسرے سے ملنے کے لئے کن کن مسائل سے گزرتے ہیں؟ ''چڑیا اور کوا'' میں ایک ننھی منی چڑیا اپنے مقصد حصول کے لیے کس کس در کی خاک نہیں چھانتی؟ ''عقلمند عورت'' اپنے شوہر کی جان اور اپنی عزت بچانے کے لیے کیا کیا پاپڑ بیلتی ہے؟ ''بارہ سال بعد'' میں شہزادہ اپنی منزل تک پہنچنے کے لیے کن کن آزمائشوں سے گزرتا ہے؟ غرض کوئی کہانی ایسی نہیں جس کے کردار مسلسل جدوجہد میں مصروف نظر نہ آتے ہوں۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کی جدوجہد اور کوشش نیک مقصد کے لیے ہے۔ اپنی ذات کے لیے ہے، یا کسی برے ارادے کی تکمیل کے لیے۔ برائی اور اچھائی زندگی ہی کے دو رخ ہیں۔ اس لیے ان کہانیوں کے اچھے اور برے کردار دونوں اپنے اپنے مقصد کے حصول کے لیے حالات سے برسر پیکار نظر آتے ہیں۔

لوک ادب کے بارے میں یہ بات ادب کا ہر طالب علم بخوبی جانتا ہے کہ یہ تحریری ادب نہیں ہوتا بلکہ سینہ بہ سینہ چلتا ہے۔ اسی طرح یہ تہذیبی، ادبی اور روایتی سرمایہ ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوتا رہتا ہے۔ ہزاروں سال سے یہی عمل جاری ہے۔ اس کا براہ راست نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ اس میں چھوٹی موٹی تبدیلیاں بھی واقع ہوتی رہتی ہیں۔ خاص طور

پر مختلف قوموں کے میل جول سے اس میں تبدیلی رونما ہو جاتی ہے۔ ایک قوم کی روایات دوسری قوم کی کہانیوں میں جگہ پالیتی ہیں اور پھر لوک کہانی جہاں جہاں کا سفر کرتی ہے' وہاں کی بعض تہذیبی اور روایتی نشانیاں بھی اپنے اندر سمیٹتی چلی جاتی ہے۔ چونکہ یہ ادب سارے انسانوں کا مشترکہ ورثہ ہے' اس کی تخلیق میں لوگوں نے اجتماعی طور پر حصہ لیا ہے' اس لیے اس میں مختلف قوموں کی روایات کا داخل ہو جانا بعید از قیاس نہیں ہے۔ یہی نہیں بلکہ مذہبی اختلافات اور قوموں کی جدا جدا رسوم اور رواج سے بھی لوک کہانیوں میں جزوی طور پر تبدیلی آ جاتی ہے۔ نام بدل جاتے ہیں' مقامات میں تبدیلی ہو جاتی ہیں' جو صرف اسی خطے کے لیے مخصوص ہوتی ہیں۔ مثلاً اگر کوئی ہندو کہانی سنائے گا تو وہ راجہ کہے گا اور مسلمان سنائے گا تو بادشاہ بتائے گا۔ وہ راجکمار کہے گا تو یہاں شہزادہ بن جائے گا۔ اور اگر مسلمان کہانی سنانے والا ولی یا فقیر کا قصہ سنائے گا تو ہندو اس کی جگہ جوگی یا سادھو کر دے گا۔ پھر یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض کہانیاں سنانے والے اپنی مرضی اور پسند سے کہانی کے واقعات میں رد و بدل کر لیتے ہیں۔ کہیں کہانی نے طوالت اختیار کر لی تو سنانے والے نے کسی دوسری کہانی کا کوئی دل چسپ واقعہ اس میں ڈال دیا یا پھر خود ہی گھڑ کے اس میں اضافہ کر لیا۔ کبھی کبھار ایسا بھی کیا جاتا ہے کہ کوئی داستان سنانے والا مختلف کہانیوں کے کئی حصے ملا کر ان سے ایک نئی کہانی ترتیب دے لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے لوک کہانیوں کی تہذیب و ترتیب ایک خاصا مشکل مرحلہ ہے۔ اس بارے میں سر رچرڈ ٹمپل (Sir Richard Tample) ایک جگہ لکھتے ہیں:

یُوں تو نہ لوک کہانیاں تحریر میں آتی ہیں اور نہ لوک گیت۔ بوڑھی عورتیں ہوں یا بھاٹ' دونوں صرف اپنی یاداشت پر بھروسہ کرتے ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی اپنی شخصیت کا اثر ان گیتوں یا کہانیوں میں ضرور داخل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک شخص سے سنی ہوئی کہانی یا گیت دوسرے سے کچھ نہ کچھ مختلف ہوتے ہیں۔

یہ معمولی تبدیلی اور اختلاف ہی مرتب کے لیے مشکلات کا باعث بنتے ہیں۔ پنجاب کی ان لوک داستانوں کو جمع کرنے کے سلسلے میں مجھے بہت سی دشواریوں سے دوچار ہونا پڑا۔ میں نے

پنجاب کے مختلف علاقوں کے رہنے والے بڑے بوڑھوں سے بھی کہانیاں سنیں اور ایک علاقے سے تعلق رکھنے والوں سے بھی سنتا رہا۔ دقت یہ تھی کہ ہر مرکزی خیال اور کرداروں کے باوجود ہر شخص کی سنائی ہوئی کہانی کافی حد تک ایک دوسرے سے مختلف تھی۔ ایک ہی کہانی کے کئی کئی رُوپ تھے اور ایک ہی رُوپ کئی کئی ڈھنگ سے سنایا جاتا تھا۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ کسی ایک کہانی میں کئی دوسری کہانیوں کے انگ شامل ہو گئے تھے۔ ابتدا کسی اور کہانی سے ہوتی اور انتہا میں کوئی اور کہانی نکل آتی۔ پھر یہ بھی تھا کہ مختلف علاقوں کے لوگوں سے سننے کی وجہ سے ان علاقوں کی بعض مخصوص مقامی روایات ان میں شامل ہو گئی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ ایک بڑی مشکل یہ تھی کہ اکثر لوک کہانیوں میں الف لیلہ اور اسی قسم کی دوسری داستانوی کتابوں کے حصے درآئے تھے۔ ان سب دشواریوں سے بچنے اور انہیں حل کرنے کے لیے میں کہانیاں سنتا بھی رہا اور پڑھتا بھی رہا۔ اس کے بعد میں نے ہر کہانی کے انگ ملائے' پلاٹ کا تانا بانا درست کیا اور واقعات کی کڑیاں ملائیں۔ اس کے بعد میری اپنی دانست میں کہانی کا جو صحیح اور جچتا ہوا رُوپ سامنے آیا' میں نے اسے قلمبند کیا۔ اور اسی طرح اس میں میرے کئی برس صرف ہو گئے۔

پنجاب کی ان لوک داستانوں کی تلاش اور جمع کرنے کے ساتھ ساتھ میں نے دوسرے ملکوں اور خطوں کی لوک کہانیوں کا مطالعہ بھی کیا۔ اور میں اس نتیجے پر پہنچا کہ لوک کہانیاں خواہ پنجاب کی ہوں یا سندھ کی' سرحد کی ہوں یا بلوچستان کی' کشمیر کی ہوں یا بنگلہ دیش کی' وہ پاکستان کی ہوں یا چین کی' امریکہ کی ہوں یا برطانیہ کی' روس کی ہوں یا افریقہ کی' بھارت کی ہوں یا انڈونیشیا کی' برما کی ہوں یا ملایا کی' ایران کی ہوں یا ترکی کی' ان سب میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ وہی چندے آفتاب چندے ماہتاب پری پیکر شہزادیاں ہیں اور وہی مصائب میں گرفتار ہونے والے نازک بدن حسین وجمیل شہزادے۔ وہی خوفناک دیو اور وہی آندھی طوفان بن جانے والے جن۔ وہی باتیں کرنے والے جانور اور وہی انسانوں کی طرح بولنے والے پرندے۔ وہی اڑن کھٹولے' وہی سات سمندر پار لے جانے والی کھڑاؤں اور وہی آسمان میں تھگلی لگانے والی کٹنیاں۔ وہی

انسان دوستی اور وہی پیار محبت کے اٹوٹ رشتے۔ یُوں معلوم ہوتا ہے جیسے کسی ایک ملک کی سنہری پریاں اڑ کر کسی دوسرے ملک میں پہنچ جاتی ہیں اور کسی کالے دیو کی قید سے شہزادی کو چھڑانے والے دھن کے پکے اور پیار کے سچے شہزادے ملک ملک کی خاک چھانتے پھرتے ہیں۔ انہیں کسی ہمالیہ کی چوٹیاں نہیں روک سکتیں اور کوئی سمندر ان کی راہ میں حائل نہیں ہوسکتا۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ ان لوک کہانیوں میں ہر ملک اور خطے کی روایات داخل ہو جاتی ہیں لیکن جہاں تک مرکزی خیال کا تعلق ہے وہ تقریباً ایک سا ہی ہوتا ہے۔ گردنیا بھر کی لوک کہانیاں اکٹھی کی جائیں تو ان میں سے بیشتر کہانیاں ایک ہی سی ہوں گی۔ صرف رنگ رُوپ بدلا ہوگا ورنہ بنیادی تصوّر وہی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف ملکوں کی لوک کہانیوں میں بے انتہا مماثلت پائی جاتی ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں اس کی وجہ یہ تحریر کی گئی ہے کہ:

دنیا بھر میں پھیلی ہوئی یکساں قسم کی روایات، رسوم اور رواج کی وضاحت اس منطقی دلیل سے کی جاتی ہے کہ ترقی کے مختلف مرحلوں اور یکساں ماحول میں انسانی ذہن کا ردعمل یکساں ہوں گا اور ہر جگہ یکساں نتیجہ برآمد ہوگا۔

پروفیسر ونجارا بیدی نے بڑے پتے کی بات کہی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

جس ادب کی بنیاد میں اٹل سچائیاں ہوں اس کے خدوخال حدوں، ملکوں، نسلوں اور زبانوں کی رکاوٹیں توڑ کے ایک جیسے ہو جاتے ہیں کیونکہ سچ کا رُوپ ساری دنیا میں ایک سا ہی ہوتا ہے۔

یہ بات ایک بار پھر ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ یہ لوک داستانیں ہزاروں سالوں کا طویل سفر طے کر کے ہم تک پہنچی ہیں اور جب یہ تخلیق ہوئی ہوں گی اس وقت یقیناً ان کی یہ شکل وصورت نہیں ہوگی۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ شروع شروع میں کسی شخص نے ایک دو واقعات ملا کر کوئی قصّہ جوڑا ہوگا۔ پھر سینہ بہ سینہ چلتے ہوئے اس کے ساتھ مختلف واقعات جڑتے چلے گئے ہوں گے۔ کہیں کسی دوسری کہانی کا کوئی حصہ در آیا ہوگا، کہیں کسی نے اپنے دل سے کوئی اور کردار داخل کر دیا ہوگا۔ اس طرح آہستہ آہستہ وقت کے ساتھ ساتھ ان میں پھیلاؤ آتا گیا۔ کرداروں کے کارنامے

بڑھتے گئے' واقعات میں رنگ بھرتے گئے۔ اور پھر کہیں جا کر یہ اس رُوپ تک پہنچی ہوں گی جس رُوپ میں ہم تک آئی ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے' لوک داستانوں کی تعداد ہزاروں تک ہو لیکن ان میں سے اکثر زمانے اور وقت کا ساتھ نہ دے سکی ہوں یا اپنی دل چسپی کھو بیٹھی ہوں اس لیے سمے کے ساتھ دفن ہو گئی ہوں گی۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ہم تک صرف وہی کہانیاں پہنچی ہیں جن میں سننے سنانے والوں کے لیے کچھ نہ کچھ دل چسپی کا سامان موجود ہے۔ اور جو لوگوں کے دلوں کی دھڑکنوں کا ساتھ دے سکتی ہیں۔ ان میں سے بیشتر میں اخلاقی درس چاہے نہ ہو لیکن اس قدر دلچسپی کا مواد ضرور موجود ہے کہ وہ مر نہ سکیں اور آج بھی زندہ ہمارے پاس محفوظ ہیں۔

لوک داستانوں کے سلسلے میں ایک اور ضروری بات یاد رکھنے کی ہے اور وہ یہ کہ ان کے کرداروں کے لیے مرد یا عورت ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ جس طرح ان میں جن' دیو' پریاں راکھشس' کرداروں کے رُوپ میں آتے ہیں اسی طرح مویشی' پرندے' درندے اور دوسرے جانور بھی کرداروں کی شکل میں ہمارے سامنے آ کر باقاعدہ کام ہی نہیں کرتے بلکہ انسانی کرداروں کی طرح گفتگو بھی کرتے ہیں۔ یہی نہیں' بعض اوقات تو بے جان چیزیں بھی کرداروں ہی کی طرح ان کہانیوں میں آتی ہیں۔ سورج' چاند' ہوا' پانی' درخت' آگ' زمین' بادل' آسمان۔ یہ سب ہماری طرح باتیں کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ انسانوں ہی کی طرح بولتے چالتے ہیں اور انسانوں ہی کی طرح محسوسات و جذبات کے مالک ہوتے ہیں۔ رچرڈ ٹمپل نے لکھا ہے:

تمام لوک کہانیوں میں انسانوں سے جانوروں کا ساتھ اس مفروضے پر ہوتا ہے کہ جانور بات کر سکتے ہیں چنانچہ ان تمام حکایات میں جہاں کہیں جانور بطور ساتھی آئے ہیں' وہ ہمیشہ انسانوں کی طرح باتیں کرتے نظر آتے ہیں۔

ایسی لوک کہانیاں جن میں جانور اور پرندے وغیرہ انسانوں کی طرح بولتے اور باتیں کرتے ہیں ان کہانیوں کے لیے ڈاکٹر جانسن (D. Johnson) نے فیبل (Fable) کا لفظ استعمال کیا ہے۔ گویا اس طرح انہوں نے ایسی لوک کہانیوں کی تخصیص کر کے ان کی ایک الگ حیثیت متعین کر دی ہے۔

پنجابی لوک کہانیوں میں بہت سی ایسی کہانیاں ملتی ہیں جن کے کچھ حصے منظوم ہیں اور کچھ منثور۔ اس قبیل کی کہانیوں میں چڑیا کوے کی کہانی' طوطے طوطی کی کہانی' تین چوہوں کی کہانی جوں کی کہانی' سر چڑھی اور بھاگ بھری کی کہانی' رتا سالو اور تین تیتروں کی کہانیاں شامل ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی ایک ایسی کہانیاں موجود ہیں جن میں کچھ حصے منظوم آتے ہیں۔ میں نے ان میں سے صرف چڑیا کی کہانی اور رتا سالو' دو کہانیاں شامل کی ہیں تا کہ داستانوں کا یہ انداز بھی آ جائے۔

پنجابی لوک داستانوں میں بیس لوک کہانیاں شامل ہیں اور یہ سب کی سب وہ ہیں جو سرزمین پنجاب کے علاقے میں کہی سنی جاتی ہیں۔ ان میں ایک کہانی دو بھائی کے نام سے ہے جو اپنے مزاج کے لحاظ سے قدرے مختلف نظر آتی ہے۔ یہ کہانی میں نے جن صاحب سے سنی تھی وہ پٹھان کوٹ کے رہنے والے تھے اور ان سے یہ کہانی قیام پاکستان سے قبل سنی گئی تھی۔ اس مجموعے میں نہ گھر کے نہ گھاٹ کے دو دوست بیوقوف اور چغل خور چار کہانیاں ایسی ہیں جن کے پلاٹ میں نے پروفیسر ونجارا بیدی کی گورمکھی کتابوں سے لیے ہیں اور ایک کہانی مایا ناگن کا پلاٹ سنتوکھ سنگھ دھیر کی گورمکھی کتاب سے مستعار ہے۔ لیکن یہ سب پلاٹ کی حد تک مستعار ہیں۔ ان کی تہذیب کے لیے مجھے انہیں باقاعدہ تحریر کرنا پڑا۔ یہی نہیں بلکہ میں نے جو کہانیاں مختلف لوگوں سے سن کر جمع کی تھیں وہ بھی بڑی حد تک پلاٹ تک ہی محدود تھیں بعد میں' میں نے ان کی تہذیب و ترتیب کی اور واقعات کی کڑیاں ملا کر انہیں از سر لکھا۔ نور چرڈ ٹمپل (Richard Tample) نے لوک کہانیوں کے بارے میں لکھا ہے:

کوئی وجہ نہیں کہ انہیں ادبی لحاظ سے تا حد امکان دل چسپ نہ بنایا جائے بشرطیکہ ان کی صحت میں فرق نہ آنے پائے۔

میں نے بھی اپنی کتاب میں یہی اصول پیش نظر رکھا ہے تا کہ کہانی کے اصل رنگ رُوپ کے ساتھ ساتھ اس کی دلچسپی بھی برقرار رکھی جا سکے۔ البتہ جہاں تک زبان کا تعلق ہے اس میں میں نے آسان اور سہل سے سہل انداز اپنایا ہے۔ اس سلسلے میں میری ذاتی رائے یہی ہے کہ

ان سیدھی سادی لوک کہانیوں کی سچائی' صداقت اور خوبصورتی پر بھاری بھر کم الفاظ کا بوجھ کم سے کم پڑنا چاہیے۔ یہ ان کہانیوں کی سچائی اور انسان دوستی ہی ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے جاہ وحشم والے شہنشاہ آج سب کے سب کتابوں کے اوراق میں بند ہیں' اندھی تاریخ کی گود میں سوئے پڑے ہیں مگر ان کہانیوں کے بادشاہ آج بھی ان گنت دلوں میں زندہ ہیں۔ آج بھی جب کوئی یہ کہتا ہے۔ ایک تھا بادشاہ' ہمارا تمہارا خدا بادشاہ تو ہم آنکھ کے ایک پلکارے میں ان رحم دل اور سخی بادشاہوں کے سچے لگے درباروں میں پہنچ جاتے ہیں جہاں ہر امیر غریب بلا روک ٹوک پہنچ سکتا ہے اور جن کے محلوں میں شہزادیاں اور کنیزیں ایک ساتھ رہتی ہیں۔

آخر میں ایک ضروری بات رہی جاتی ہے اور وہ یہ کہ اس کتاب میں' میں نے بیشتر کہانیوں کے اصل نام بدل دیئے ہیں۔ یہ ناموں کی تبدیلی کچھ اس لیے ضروری تھی کہ پنجابی اور اُردو کا مزاج بعض حالتوں میں خاصا مختلف ہو جاتا ہے اور وہاں محض ترجمے سے بات نہیں بنتی۔ اسی لیے بعض کہانیوں کے نام ان کے مرکزی خیال کے پیش نظر بدل دیئے ہیں تاہم ان کے ساتھ میں نے وہ پنجابی نام بھی تحریر کر دیئے ہیں جن سے لوک داستانیں جانی پہچانی اور کہی سنی جاتی ہیں۔

اس طویل دیباچے میں جن محققوں' نقادوں اور کتابوں کے حوالے دیئے گئے ہیں ان کے نام شکریہ کے ساتھ ذیل میں درج ہیں:

(۱) ڈاکٹر گیان چند — اُردو کی نثری داستانیں' ۱۹۶۹ ناشر انجمن ترقی اُردو پاکستان، کراچی۔

(۲) سر رچرڈ ٹمپل — لیجنڈز آف دی پنجاب' حکایات پنجاب ترجمہ: میاں عبدالرشید۔ ۱۹۶۲ حصہ اوّل، دوم ناشر مجلس ترقی ادب، لاہور۔

(۳) پروفیسر ونجارا بیدی — پنجابی دیاں لوک کہانیاں' ۱۹۵۴ ناشر لوک پرکاش' اقبال گنج روڈ، انبالہ چھاؤنی۔

(۴) ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ — دیباچہ پنجابی دیاں لوک کہانیاں از ونجارا بیدی۔

(۵) سنتو کھ سنگھ دھیر پنجابی لوک کہانیاں ناشر :لاہور بک شاپ، گھنٹہ گھر، لدھیانہ۔

(۶) انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا ۱۹۶۰ء جلد نمبر۔ ناشر :ولیم بینٹین پبلشرز، شکاگو، لندن۔

(۷) ڈاکٹر جانسن حوالہ :انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا

(۸) چیمبرز ٹوئینتھ سنچری ڈکشنری ایڈیٹر ولیم گڈی۔ ایڈیشن ۱۹۶۶۔ ڈبلیو اینڈ آر چیمبرز لمیٹڈ' لندن

(۹) مسٹر گومے حوالہ : لیجنڈز آف دی پنجاب۔

''پنجابی لوک کہانیاں'' اور ''پنجابی لوک داستانیں'' کی تکمیل کے بعد بھی میرے پاس ابھی اتنی لوک کہانیاں موجود ہیں جن سے ایک اور مجموعہ ترتیب دیا جا سکتا ہے مگر اس کے لیے وقت درکار ہے اور وقت اس قدر بے رحم ہے کہ چند قدم ساتھ دینے کے بعد ساتھ چھوڑ جاتا ہے۔ اگر حالات نے کبھی فرصت کی چھاؤں میں بیٹھنے دیا تو میں یہ باقی کہانیاں بھی پیش کروں گا۔ یہ کہانیاں وقت کی امانت اور سب کا مشترک ورثہ ہیں اس لیے انہیں سب تک پہنچنا چاہیے۔ سچائی کی خوشبو ہمیشہ پھیلتی ہے۔ اسے پھیلنے دینا چاہیے۔

شفیع عقیل

کراچی

1975ء

# سورج مکھی کا پھول

آج سے صدیوں پہلے کی بات ہے۔ کسی ملک میں ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اس بادشاہ کے تین بیٹے تھے اور اب پھر ملکہ امید سے تھی۔ ایک دن بادشاہ نے ملکہ سے کہا۔

''اس دفعہ بھی لڑکا پیدا ہونا چاہیے۔''

پھر اس نے غصہ بھری نظروں سے ملکہ کی طرف دیکھا اور بولا۔

''اگر تمہارے ہاں بیٹی پیدا ہوئی تو میں تینوں بیٹوں کو قتل کرادوں گا۔''

بادشاہ کی یہ عجیب وغریب بات سن کر ملکہ بہت پریشان ہوئی۔ یہ اس کے اپنے بس کی بات تو تھی نہیں جو وہ اپنی مرضی سے لڑکا جن دیتی۔ لیکن وہ یہ بات اچھی طرح سمجھتی تھی کہ بادشاہ بہت ضدی ہے۔ وہ اپنی کہی ہوئی بات ضرور کر گزرے گا۔ وہ بیچاری سوچ میں پڑ گئی۔

اگر لڑکا پیدا نہ ہوا تو؟

''اگر اس دفعہ لڑکی پیدا ہوئی تو پھر کیا ہوگا؟''

جوں جوں دن بیت رہے تھے ملکہ کی پریشانی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا مگر وہ کرتی بھی تو کیا کرتی۔ آخر جب ولادت کے دن قریب آ گئے تو اس نے تینوں بیٹوں کو اپنے پاس بلایا اور انہیں اپنی پریشانی کی وجہ بتا دی۔ بیٹوں نے یہ بات سنی تو وہ بھی بہت گھبرائے۔ ان کو بھی معلوم تھا کہ بادشاہ کا کہا پورا ہوتا ہے۔ وہ جو کہتا ہے اسے کر کے دکھاتا ہے۔ لیکن اس سلسلے میں وہ بھی کیا کر سکتے تھے؟ ان کی ماں نے کافی دیر سوچ بچار کرنے کے بعد بیٹوں سے کہا۔

''اب صرف ایک ہی صورت ہے!''

''وہ صورت کیا ہے ماں؟ ہمیں بھی بتاؤ؟''

تینوں بیٹے ایک زبان ہو کر پوچھنے لگے۔ اس پر ملکہ نے بتایا۔

"اب صرف ایک ہی صورت ہے کہ تم تینوں شہر سے نکل کر جنگل میں چلے جاؤ اور وہاں کسی ایسی جگہ چھپ کر بیٹھ جاؤ جہاں سے میرا محل نظر آتا رہے۔ اگر میرے ہاں لڑکی پیدا ہوئی تو میں محل پر سیاہ کپڑا لہرا دوں گی۔ تم اسے دیکھ کر سمجھ جانا کہ لڑکی پیدا ہوئی ہے اور یہاں بھولے سے بھی لوٹ کر نہ آنا اور اگر لڑکا ہوا تو میں سرخ رنگ کا کپڑا لہرا دوں گی۔ تم اسے دیکھ کر سمجھ لینا کہ تمہارا بھائی پیدا ہوا ہے اور واپس چلے آنا۔"

ماں کی یہ تجویز انہیں پسند آئی۔ جان بچانے کا اب یہی ایک راستہ تھا۔ وہ بولے۔

"ہاں ماں! تم ٹھیک کہتی ہو۔ ہمیں ایسا ہی کرنا چاہیے۔"

اس کے بعد ان تینوں نے کچھ ضروری سامان لیا اپنی گزر بسر کے لیے جس قدر مال و متاع لے جا سکتے تھے اسے باندھا اور جب رات ہو گئی تو اپنی ماں سے رخصت ہو کر چپکے سے جنگل کی طرف روانہ ہو گئے۔

رات کے اندھیرے میں لوگوں کی نظروں سے چھپتے چھپاتے وہ شہر سے باہر آ گئے اور چلتے چلاتے جنگل میں پہنچ گئے۔ جنگل میں انہوں نے ایک ایسی جگہ تلاش کی جہاں سے ان کی ماں کا محل دکھائی دیتا تھا۔ وہاں انہوں نے ادھر ادھر سے لکڑیاں کاٹ کر اور گھاس پھونس اکٹھا کر کے ایک چھوٹی سی جھونپڑی بنائی اور جوں توں کر کے اس میں رہنے لگے۔ تینوں روزانہ صبح اٹھ کر ماں کے محل کی طرف نظریں گاڑ دیتے کہ دیکھیں کون سے رنگ کا کپڑا لہراتا ہے۔ مگر جب وہاں انہیں کوئی کپڑا دکھائی نہ دیتا تو وہ مایوس ہو جاتے۔ اس طرح وہ تینوں یاس اور آس کی زندگی گزار رہے تھے۔ لیکن ایک روز اچانک انہوں نے دیکھا تو محل کی چھت پر سیاہ رنگ کا کپڑا لہرا رہا تھا۔ یہ دیکھتے ہی وہ سمجھ گئے کہ ان کی بہن پیدا ہوئی ہے اور اب وہ واپس گھر نہیں جا سکتے اگر گئے تو قتل کر دیئے جائیں گے۔ اب انہیں اسی طرح ادھر ادھر زندگی بسر کرنا پڑے گی۔ وہ تینوں جنگل میں اور دور تک اندر چلے گئے تاکہ ان تک کوئی نہ پہنچ سکے اور اس طرح اب وہ گھنے جنگل میں ایک کٹیا بنا کر رہنے لگے تھے۔

دن گزرتے گئے اور وقت بادشاہ کی بیٹی کی طرح آگے بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ شہزادی بچپن کے کھلونے چھوڑ کر جوانی کے خوابوں سے کھیلنے لگی۔ ایک روز اس نے اپنی ماں سے دریافت کیا۔

ماں! میں نے سنا ہے میرے بھائی بھی تھے۔ کیا یہ سچ ہے؟

اس کی بڑی تمنا تھی کہ اس کا بھی کوئی بھائی ہو اور اس کی ماں بھی اس کی اس خواہش سے اچھی طرح واقف تھی لیکن وہ اس کی پیدائش پر ہی بادشاہ سے کہہ چکی تھی کہ تینوں شہزادے نہ جانے کہاں چلے گئے ہیں۔ اب اگر وہ ان کے متعلق کچھ بتائے تو بیٹوں کے ساتھ ساتھ ان دونوں کی جان کی بھی خیر نہیں تھی، اس لیے اس نے بیٹی سے بھی جھوٹ کہہ دیا۔

''نہیں بیٹی! تمہارا کوئی بھائی نہیں ہے۔''

ماں کا جواب سن کر شہزادی خاموش ہوگئی اور اپنے باغ میں سیر کرنے چلی گئی۔ اس کا باغ خوبصورتی میں اپنی مثال آپ تھا۔ ہزاروں قسم کے پھول ہر طرف جھوم رہے تھے۔ دراصل اسے پھولوں سے بہت پیار تھا اس لیے طرح طرح کے پھول اس کے باغ میں لگوائے گئے تھے۔ مگر اس وقت بھائی کا خیال آنے سے وہ اداس ہوگئی تھی۔ وہ اسی طرح سوچ میں کھوئی ہوئی اداس سی بیٹھی تھی کہ اتنے میں وہاں ایک بڑھیا آئی۔ اس نے شہزادی سے پوچھا۔

اے شہزادی! تمہارا باغ اس قدر خوبصورت اور ہرا بھرا ہے۔ پھر تم اداس کیوں ہو؟

شہزادی نے جواب دیا۔

''نہیں! میں اداس تو نہیں ہوں۔''

لیکن بڑھیا کہنے لگی۔

''تم جھوٹ کہہ رہی ہو۔ تم اداس ہو اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تم اداس کیوں ہو؟''

پھر اس نے شہزادی کی نظروں سے نظریں ملاتے ہوئے کہا۔

تمہارے باغ میں ہر قسم کے پھول ہیں لیکن سورج مکھی کا پھول نہیں ہے اور اسی لیے

اس وقت تم اداس ہو۔

واقعی شہزادی کے باغ میں سورج مکھی کا پھول نہیں تھا۔ اس نے دل میں سوچا۔ خدا جانے سورج مکھی کا پھول کس قدر خوبصورت ہو گا؟ معلوم نہیں وہ کیسا ہوتا ہو گا؟ وہ بُڑھیا سے پوچھنے لگی۔

''سورج مکھی پھول میں کیا خاص بات ہوتی ہے؟''

جواب میں بُڑھیا نے بتایا۔

''سورج مکھی کا پھول سورج کی طرح چمکتا ہے اور اس کی چمک دور دور تک جاتی ہے۔''

بڑھیا نے اسے یہ بھی بتایا کہ۔

''کوئی مرد سورج مکھی کے پھول کی چمک برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی مرد غلطی سے اسے ہاتھ لگا دے تو وہ ہنس بن جاتا ہے۔ لیکن عورت اسے ہاتھ لگا لے تو اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔''

بڑھیا کی یہ عجیب و غریب بات سن کر شہزادی بہت حیران ہوئی۔ اس کے لیے یہ بات جس قدر نئی تھی اس سے کہیں زیادہ دلچسپ بھی تھی۔ وہ بُڑھیا سے کہنے لگی۔

''میں اپنے باغ میں سورج مکھی کا پھول ضرور لگاؤں گی۔ مجھے بتاؤ یہ پھول کہاں سے ملے گا؟''

بُڑھیا نے اسے سورج مکھی کے پھول کا پتہ بتایا اور ساتھ ہی تاکید بھی کی۔

''ایک بات یاد رکھنا۔ اگر کسی مرد نے اس پھول کو ہاتھ لگا دیا تو وہ ہنس بن جائے گا۔ اور پھر جب تک اس کی بہن بارہ برس تک چپ برت نہ رکھے گی وہ پھر سے آدمی کے رُوپ میں نہیں آئے گا۔ ان بارہ برس میں اگر وہ ایک لفظ بھی منہ سے بولے گی تو اس کا برت ٹوٹ جائے گا۔''

بڑھیا یہ بات کہہ کر چلی گئی اور شہزادی سورج مکھی کے پھول کے بارے میں سوچنے لگی۔ پھر چند ہی روز بعد اس نے بُڑھیا کے بتائے ہوئے پتے پر خادم بھیج کر سورج مکھی کا پودا منگوا

لیا اور اسے اپنے باغ میں لگا دیا۔ جب اس پودے پر خوبصورت پھول کھلے تو اس کے باغ کی رونق اور بھی بڑھ گئی۔ شہزادی خوش تھی کہ اب کوئی پھول ایسا نہیں جو اس کے باغ میں نہ ہو۔

ایک روز شہزادی نے پھر اپنی ماں سے دریافت کیا۔

''ماں! مجھے سچ سچ بتاؤ میرا کوئی بھائی ہے یا نہیں؟''

اس کی ماں نے پھر اسے باتوں میں ٹالنا چاہا لیکن شہزادی اپنی ضد پر اڑ گئی۔ اس نے کہا۔

''اگر تم مجھے سچ سچ نہیں بتاؤ گی تو میں زہر کھالوں گی۔''

یہ سن کر ملکہ نے کہا۔

''اگر تم مجھ سے وعدہ کرو کہ یہ بات بادشاہ سلامت کو نہیں بتاؤ گی تو میں تمہیں بتا دیتی ہوں؟''

شہزادی نے اس سے وعدہ کیا۔

''ماں! میں وعدہ کرتی ہوں کہ اس بات کا کسی سے بھی ذکر نہیں کروں گی۔''

عہد لینے کے بعد ملکہ نے اسے پوری بات بتا دی کہ کس طرح اس کی پیدائش کے موقع پر بادشاہ نے بیٹا پیدا ہونے کی شرط لگائی تھی' کس طرح اس نے تینوں بیٹوں کی جان بچانے کی خاطر انہیں جنگل میں بھیج دیا اور پھر جب وہ پیدا ہوئی تو کس طرح محل پر سیاہ کپڑا لہرا دیا تا کہ وہ واپس نہ آئیں۔ یہ سب کچھ بتانے کے بعد اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔

''خدا جانے۔ اب تمہارے بھائی بیچارے کس حال میں ہیں؟''

پوری کہانی سن کر شہزادی کے دل میں بھائیوں کی محبت اور بھی جاگ اٹھی۔ اس نے سوچا۔ جن بھائیوں نے محض میرے لیے اتنی مصیبتیں جھیلی ہیں میں انہیں ضرور تلاش کروں گی۔ اگر میں پیدا نہ ہوتی تو ان بیچاروں کو یہ دکھ نہ جھیلنا پڑتے۔ اس نے اپنی ماں سے دریافت کیا۔

''ماں! اب میرے بھائی کہاں ہوں گے؟''

ماں نے جواب دیا۔

''بیٹی! اس وقت تو وہ اس سامنے والے جنگل میں گئے تھے لیکن اس بات کو عرصہ بیت

چکے ہیں۔ اب وہ نہ جانے کہاں ہوں گے؟"

شہزادی نے اپنے دل میں عہد کیا کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے وہ اپنے بھائیوں کو ضرور ڈھونڈے گی۔ وہ اکیلی ان کی تلاش میں جائے گی چاہے اس کی جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ وہ کئی دن تک اس ادھیڑ بن میں رہی۔ آخر ایک روز صبح سویرے جب کہ محل میں ابھی چاروں طرف خاموشی اور سناٹا تھا، وہ چپکے سے اٹھی اور اسی جنگل کی طرف چل دی جدھر اس کے بھائی گئے تھے۔ چلتے وقت اس نے اپنے باغیچے سے ایک سورج مکھی کا پھول بھی توڑ لیا جو اسے بہت زیادہ پسند تھا۔

شہزادی شہر سے نکل کر جنگل کی طرف چلنے لگی۔ وہ دن بھر ایک انجانے راستے پر چلتی رہی یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ چلتے چلتے اس کے پاؤں دکھنے لگے اور وہ تھکن سے چور ہو گئی مگر اس نے پھر بھی ہمت نہ ہاری اور آگے بڑھتی رہی۔ آہستہ آہستہ اندھیرا بڑھنے لگا۔ اچانک اس نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے سورج مکھی کے پھول میں سے روشنی نکل نکل کر چاروں طرف پھیل رہی ہے۔ چنانچہ وہ اس کی روشنی میں چلتی رہی کیونکہ اب وہ روشنی میں آسانی سے راستہ دیکھ سکتی تھی۔ خوف سے اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ وہ ڈر رہی تھی کہ اتنے میں اسے ایک کٹیا دکھائی دی۔ اس نے دل میں سوچا۔

"کیوں نہ یہاں رات بسر کروں۔ صبح پھر اپنا سفر شروع کروں گی۔"

یہ سوچ کر وہ کٹیا کے قریب چلی گئی۔ اسے اس بات پر تعجب بھی ہو رہا تھا کہ اس گھنے جنگل میں کٹیا بنا کر کون رہتا ہے؟ جب وہ اس کٹیا کے پاس پہنچی تو اس نے دیکھا اس کا دروازہ بند تھا اور اندر سے روشنی چھن چھن کر باہر آ رہی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے ایک نوجوان باہر نکلا اور دروازے پر ایک خوبصورت لڑکی کو دیکھ کر بہت حیران ہوا۔ اس نے پوچھا۔

"تم کون ہو؟ اور اس وقت جنگل میں کیا کرنے آئی ہو؟"

جواب میں شہزادی بولی۔

"میں ایک شہزادی ہوں۔"

یہ سن کر نوجوان نے اور بھی تعجب سے پوچھا۔

''اے شہزادی! تم پر کیا مصیبت آ پڑی ہے جو اس خوفناک جنگل میں ماری ماری پھر رہی ہو؟''

شہزادی نے جواب دیا۔

''میں اپنے بھائیوں کی تلاش میں نکلی ہوں۔''

پھر اس نے وہ پوری کہانی سنائی جو اس کی ماں نے اسے بتائی تھی۔ نوجوان اس کی روداد سن کر کہنے لگا۔

''میں ہی تمہارا بھائی ہوں اور دوسرے دونوں بڑے بھائی ابھی جنگل سے واپس آنے والے ہیں۔''

بھائی کا نام سن کر شہزادی خوشی میں بے تاب ہو کر آگے بڑھی ہی تھی کہ نوجوان بولا۔

''مگر ہم تینوں بھائیوں نے آپس میں یہ طے کر رکھا ہے کہ جس لڑکی کو بھی دیکھیں گے اسے فوراً قتل کر دیں گے کیونکہ ایک لڑکی ہی کی وجہ سے ہم پر یہ مصیبت آئی ہے۔ نہ تم پیدا ہوتیں اور نہ محلوں سے نکالے جاتے۔''

یہ کہہ کر اس نے اسے قتل کرنا چاہا لیکن بہن کی محبت نے اس کا ہاتھ روک لیا۔ دل میں خون کا رشتہ جاگ پڑا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے ہاتھ پاؤں شل ہو گئے ہوں۔ اس نے اپنی تلوار ایک طرف پھینک دی اور شہزادی سے بولا۔

''بہن! میں تو تمہیں کچھ نہیں کہتا لیکن بڑے بھائی آئیں گے تو وہ نہیں مانیں گے۔ وہ تمہیں دیکھتے ہی قتل کر دیں گے۔''

اس کے بعد اس نے دو تین لمحے سوچ کر کہا۔

''آؤ میں تمہیں کٹیا کے اس کونے میں چھپا دیتا ہوں تاکہ وہ تمہیں دیکھ نہ سکیں۔''

اتنا کہہ کر اس نے شہزادی کو کٹیا کے ایک کونے میں گھاس پھونس کے نیچے چھپا دیا اور

خود یوں بیٹھ گیا جیسے وہاں کوئی آیا ہی نہ ہو۔ چند ہی لمحوں بعد اس کے دونوں بھائی بھی آ گئے جو کھانے کے لیے پھل پھلیری لینے گئے تھے۔ جب وہ دونوں آرام سے بیٹھ گئے تو چھوٹا بھائی ڈرتے ڈرتے بولا۔

''میں تم دونوں کا چھوٹا بھائی ہوں۔ میں نے آج تک تم دونوں سے کوئی بات نہیں کہی لیکن آج میں ایک بات کہوں گا جو ہر صورت میں ماننا ہوگی۔''

دونوں بھائیوں نے جواب دیا۔

''ایسی کون سی بات ہے؟ ہم تمہاری ہر بات ماننے کے لیے تیار ہیں۔''

اس پر چھوٹے بھائی نے کہا۔

''مگر پہلے مجھے اس بات کا عہد دو کہ جو میں کہوں گا وہ کرو گے؟''

دونوں بھائیوں نے اسے عہد دیا اور پھر بولے۔

''اچھا۔ اب بتاؤ وہ کیا بات ہے؟''

چھوٹا بھائی بولا۔

''آج یہاں ایک لڑکی آئی تھی۔ وہ ہم تینوں کی سگی بہن ہے۔''

یہ سنتے ہی دونوں بڑے بھائی غصّے میں کہنے لگے۔

''بہن ہو یا کوئی اور۔ وہ لڑکی ہے! اور ہم اسے ضرور قتل کریں گے۔''

جواب میں چھوٹے بھائی نے انہیں ان کا عہد یاد دلاتے ہوئے کہا۔

''یاد رکھو! تم دونوں نے مجھے قول دیا ہے۔''

واقعی انہوں نے قول دیا تھا۔ وہ دونوں خاموش ہو گئے اور پھر کہنے لگے۔

''اچھا۔ ہماری بہن کو بلاؤ۔ ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ اسے کچھ نہیں کہیں گے۔''

ادھر گھاس پھونس میں چھپی ہوئی شہزادی یہ سب باتیں سن رہی تھی۔ جوں ہی اس نے دیکھا کہ دونوں بھائیوں نے اسے قتل نہ کرنے کا عہد دیا ہے تو وہ جھٹ سے نکل کر سامنے آ گئی۔

اس کا سامنے آنا تھا کہ بھائیوں کے دل میں بہن کی محبت جاگ پڑی اور وہ اس سے لپٹ گئے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی بہن سے کہا۔

''اب تم ہمارے ہی پاس رہو! ہم جنگل سے کھانے پینے کا سامان لے آیا کریں گے اور تم اسے پکانا۔''

شہزادی تو پہلے ہی یہی چاہتی تھی کہ اپنے بھائیوں کے پاس رہے۔ وہ خوش ہوگئی اور خوشی میں شاہی محلوں کا سارا عیش و آرام بھی بھول گئی۔ پھر اس نے جلدی سے گھاس پھونس میں چھپایا ہوا سورج مکھی کا پھول نکال کر بھائیوں سے کہا۔

''دیکھو۔ میں تمہارے لیے کیا لائی ہوں؟''

پھول کی روشنی ساری کٹیا میں پھیل رہی تھی۔ جب بھائیوں نے یہ عجیب و غریب پھول دیکھا تو وہ تینوں جلدی سے آگے بڑھے اور انہوں نے اسے چھولیا۔ پھول کا چھونا تھا کہ آن کی آن میں وہ تینوں ہنس بن گئے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے وہاں سے اڑ گئے۔

شہزادی بہت پچھتائی۔ وہ خوشی میں بُڑھیا کی یہ بات بھول گئی تھی کہ اسے چھونے سے مرد ہنس بن جائے گا۔ مگر اب کیا کر سکتی تھی؟ ہونی ہو کے رہتی ہے۔ اس نے بھائی پا کر اپنی غلطی سے دوبارہ کھو دیئے تھے۔ اب نہ تو وہ اپنے گھر واپس جا سکتی تھی اور نہ اکیلی وہاں رہ سکتی تھی۔ گھر جائے تو کس منہ سے؟ اور تنہا جنگل میں رہے تو کیسے؟ اچانک اسے اس بُڑھیا کی بات یاد آ گئی جس نے اسے سورج مکھی کے پھول کا پتہ دیا تھا اور کہا تھا کہ اگر کوئی مرد پھول چھونے سے ہنس بن جائے تو اس کی بہن بارہ برس تک چپ برت رکھے۔ اس طرح وہ دوبارہ ہنس سے انسان کے روپ میں آ جائے گا۔ یہ بات یاد آتے ہی اس نے بارہ برس کا چپ برت رکھ لیا اور اسی کٹیا میں رہنے لگی۔

شہزادی روزانہ جنگل میں گھوم گھام کر اپنے لیے تھوڑی بہت پھل پھلیری لے آتی اور اسے کھا کر پیٹ بھر لیتی۔ اس کے تینوں بھائی ہر روز ہنسوں کی صورت میں وہاں آتے۔ کچھ دیر

اِدھر اُدھر بیٹھتے اور اپنی بہن کو دیکھ کر دوبارہ اُڑ جاتے۔ اس طرح وقت اور شہزادی کی عمر دونوں دبے پاؤں گزر رہے تھے۔

اب شہزادی کو چپ رہتے ہوئے کئی برس گزر چکے تھے اور بارہ برس پورے ہونے میں چند ہی ماہ باقی تھے۔ کرنا خدا کا ایسا ہوا کہ ایک روز کسی دوسرے ملک کا بادشاہ شکار کھیلتے ہوئے بھٹک گیا اور راستہ بھول کر چلتا چلتا اِدھر آ نکلا۔ شام کا وقت تھا اور وہ تھکا ہوا بھی تھا۔ اس نے جب وہاں ایک کٹیا دیکھی تو دل میں سوچا۔

کیوں نہ رات یہاں بسر کرلوں۔ صبح راستہ تلاش کرلوں گا۔

وہ اپنے گھوڑے سے اترا اور آگے بڑھ کر کٹیا کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

کوئی اندر ہے تو دروازہ کھولے؟

اِدھر شہزادی بیچاری آواز کا جواب نہیں دے سکتی تھی۔ اگر وہ بول پڑتی تو اس کا بارہ سال کا برت ٹوٹ جاتا۔ وہ خاموشی سے اٹھی اور اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ جیسے ہی اس نے دروازہ کھولا بادشاہ اپنے سامنے ایک حسین لڑکی دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ آسکتی تھی کہ جنگل میں بنی ہوئی کٹیا میں اس قدر حسین و جمیل لڑکی رہ رہی ہوگی۔ چند لمحوں کے لیے تو اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا۔ پھر اس نے شہزادی سے پوچھا۔

"تم کون ہو اور اس جنگل میں کیا کرتی ہو؟"

لیکن شہزادی نے اس کے سوال کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خاموش کھڑی تھی۔ یہ دیکھ کر بادشاہ اور بھی زیادہ حیران ہوا اور بولا۔

"میں راستہ بھٹک گیا ہوں۔ کیا میں یہاں رات گزار سکتا ہوں؟"

شہزادی پہلے کی طرح اس دفعہ بھی خاموش رہی۔ وہ بولے تو کیسے بولے؟ ادھر بادشاہ نے اپنے دل میں سوچا شاید مجھ سے ڈر رہی ہے۔ اس سے کہنے لگا۔

"مجھ سے ڈرو نہیں۔ میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔"

جب اس بار بھی شہزادی نے کوئی جواب نہ دیا تو بادشاہ نے اپنے آپ سے کہا رات تو کاٹ لوں۔ صبح دیکھا جائے گا۔

اس نے اپنے گھوڑا ایک طرف باندھ دیا اور خود کٹیا کے ایک کونے میں پڑ کے لیٹ گیا۔ وہ تھکا ہارا تو تھا ہی جوں ہی لیٹا اسے نیند نے آ لیا۔

بادشاہ کا خیال تھا۔ ہوسکتا ہے اس لڑکی کے ساتھ کوئی مرد بھی رہتا ہو کیونکہ اس طرح جنگل میں کسی لڑکی کا تنہا رہنا ایک ناممکن سی بات تھی۔ لیکن جب صبح ہوگئی اور اس نے دیکھا وہاں کوئی مرد نہیں آیا تو وہ اور بھی حیران ہوا۔ اس نے شہزادی سے کہا۔

''تم میرے ساتھ چلو۔ یہاں اس کٹیا میں اپنی جوانی کیوں ختم کر رہی ہو؟''

شہزادی نے اب بھی اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا لیکن وہ بادشاہ کی بات سن کر بہت گھبرا گئی۔ اگر بولتی ہے تو بھائی ہنس کے ہنس ہی رہ جائیں گے اور اگر نہیں بولتی تو بادشاہ اسے اپنے ساتھ لے جائے گا۔ اس نے دل میں کہا۔

''اگر میرے بھائی پھر سے انسان کے روپ میں آ جائیں تو میں سمجھوں گی مجھے سب کچھ مل گیا۔''

چنانچہ وہ خاموش رہی۔ اسے اس طرح چپ دیکھ کر بادشاہ بولا۔

''میں بادشاہ ہوں۔ میں تمہیں شاندار محلوں میں رکھوں گا؟''

مگر جواب میں تو ایک ہی چپ تھی۔ جب وہ اس بار بھی نہ بولی تو بادشاہ نے اسے زبردستی اپنے ساتھ گھوڑے پر بٹھا لیا۔ شہزادی مجبور تھی۔ نہ کچھ کہہ سکتی تھی اور نہ کچھ کر سکتی تھی لیکن اس نے ایک کام کیا اور وہ یہ کہ چلتے وقت ایک کپڑے میں بہت سا سوکھا دھنیا لے لیا اور جب بادشاہ اسے اپنے ساتھ لے کر چل دیا تو وہ اس سے آنکھ بچا کر راستے میں جگہ جگہ تھوڑا تھوڑا دھنیا گراتی گئی۔ بادشاہ کے خیال میں بھی یہ بات نہ آ سکتی تھی کہ اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی لڑکی راستے میں دھنیا گراتی جا رہی ہے اور یہ کہ دھنیا گرانے کا مقصد کیا ہوسکتا ہے؟

ادھر جب دوسرے روز حسب معمول شہزادی کے تینوں بھائی ہنسوں کی صورت میں آئے تو انہوں نے دیکھا، آج ان کی بہن وہاں موجود نہیں تھی۔ پہلے تو وہ ادھر ادھر دیکھتے رہے پھر کٹیا میں جا کر جھانکا مگر وہ بھی خالی تھی۔ تینوں سوچنے لگے۔

شاید جنگل میں کچھ کھانے پینے کے لیے لینے گئی ہو۔

اور یہ سوچ کر وہ اس کا انتظار کرنے لگے۔ لیکن جب وہ انتظار کرتے کرتے تھک گئے اور صبح سے شام ہونے کو آئی تو وہ بہت پریشان ہوئے۔ انہوں نے اڑ کر جنگل میں اسے تلاش کیا اور جب اس کا کہیں پتہ نہ چلا تو مایوس ہو کر لوٹ گئے۔

وہ دوسرے روز آئے اور انہیں آج بھی مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس طرح اب وہ روزانہ آتے اور اپنی بہن کا انتظار کرتے۔ اسے جنگل میں ڈھونڈتے' دور دور تک تلاش کرتے لیکن جب ان کی بہن انہیں کہیں دکھائی نہ دیتی تو ان کی مایوسی میں اور اضافہ ہو جاتا۔ وہ سوچتے۔

اب کیا کریں؟

بہن کو کہاں تلاش کریں؟

خدا جانے وہ کہاں چلی گئی؟

ایک روز وہ مایوس ہو کر واپس جانے کے لیے اڑنے ہی والے تھے کہ انہوں نے دیکھا۔ ایک طرف ہرا دھنیا قطار کی صورت میں اگا ہوا تھا۔ اگا ہوا یہ دھنیا کٹیا سے شروع ہو کر جنگل کی طرف چلا گیا تھا۔ یہ دیکھ کر ایک بھائی بولا۔

''کہیں ایسا تو نہیں کہ ہماری بہن نے یہ اپنی نشانی بتانے کے لیے اگایا ہو؟''

اس پر دوسرے بھائی بھی بولے۔

''ہمارا بھی یہی خیال ہے۔ ورنہ اس جنگل میں دھنیا اگنے کا کیا مقصد؟''

چنانچہ وہ تینوں اگے ہوئے دھنیے کی سیدھ میں اڑنے لگے۔ جس راستے سے شہزادی گئی تھی اس راستے کے ساتھ ساتھ دھنیا اگا ہوا تھا اور اسی دھنیے کو دیکھ دیکھ کر تینوں بھائی اڑتے جا

رہے تھے۔ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ دھنیا باقاعدہ ایک راستے کے ساتھ اگا ہوا ہے اور کہیں ختم نہیں ہوتا تو انہیں یقین ہو گیا کہ یہ ان کی بہن اپنی نشانی چھوڑتی گئی ہے تاکہ بھائی اس کا پتہ چلا سکیں۔ وہ تینوں اڑتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک شہر میں پہنچ گئے۔ شہر کے باہر ایک محل سے تھوڑی دور سامنے جا کر اگا ہوا دھنیا ختم ہو گیا تھا۔ انہوں نے سوچا۔

ہو نہ ہو ہماری بہن اسی محل میں ہے۔ یقیناً اسے کوئی زبردستی لے آیا ہے۔

اس محل کے بالکل سامنے ایک بہت بڑا درخت تھا۔ وہ اس پر بیٹھ گئے اور انتظار کرنے لگے کہ اگر ہماری بہن اس محل میں ہو گی تو کبھی نہ کبھی تو ضرور دکھائی دے گی۔

ادھر شہزادی کے دل میں خیال آیا کہ۔

ہو سکتا ہے میرے بھائی میری تلاش میں اڑتے اڑتے ادھر آ نکلیں!

وہ اسی خیال میں محل کی چھت پر گھوم رہی تھی کہ اچانک اس نے دیکھا سامنے والے بڑے درخت پر تین ہنس بیٹھے ہوئے تھے۔

یہ تو میرے بھائی معلوم ہوتے ہیں؟

اس کے دل نے گواہی دی۔ اس نے جلدی سے اپنا دوپٹہ سر سے اتار کر فضا میں اس طرح لہرایا جیسے انہیں بلا رہی ہو۔ جونہی ہنسوں کی نظر اپنی بہن پر پڑی وہ اڑ کر محل کی چھت پر آ گئے اور اپنی بہن کے قدموں میں لوٹنے لگے۔ شہزادی نے تینوں بھائیوں کو گلے سے لگایا اور جی بھر کے پیار کیا۔ پھر وہ نیچے جا کر سچے موتیوں سے بھری ہوئی طشتری لائی اور وہ موتی اپنے بھائیوں کے آگے رکھ دیے۔ تینوں ہنسوں کو بھوک تو لگ ہی رہی تھی۔ انہوں نے جی بھر کے موتی کھائے۔ تھوڑی دیر اپنی بہن کے پاس بیٹھے اور پھر اڑ گئے۔

اب یہ ان کا روز معمول بن گیا تھا۔ وہ روزانہ محل کی چھت پر آتے جہاں ان کی بہن بہت پہلے ہی سے سچے موتیوں سے بھری ہوئی طشتری لیے ہوتی۔ تینوں موتی کھاتے' تھوڑی دیر ٹھہرتے اور پھر اڑ جاتے۔

دن گزرتے گئے۔ اس دوران بادشاہ نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح شہزادی بولے کوئی بات کرے مگر اس نے زبان سے ایک لفظ ادا نہ کیا۔ وہ سارا دن خاموش اور چپ چاپ پڑی رہتی تھی۔ بادشاہ بڑا پریشان تھا۔ کیا کرے؟ اسے کیسے ہوائے؟ اس کے نہ بولنے کی کیا وجہ ہے؟ گونگی ہے تو کچھ آواز تو نکال ہی سکتی ہے؟ اس نے شہزادی کو ہوانے کے لیے طرح طرح کے جتن کر دیکھے لیکن سب بیکار۔ شہزادی کو نہ بولنا تھا اور نہ بولی۔ بھلا وہ اپنی خوشی کے لیے اپنے بھائیوں کی زندگی کیسے برباد کر سکتی تھی جو محض اسی کی غلطی سے ہنس بن گئے تھے؟ اور پھر اب تو بارہ سال کے چپ برت کی مدت پوری ہونے میں بھی چند ہی روز باقی رہ گئے تھے۔

ایک روز ایک کنیز کو اس بات کی کھوج ہوئی کہ شہزادی روزانہ سچے موتیوں سے بھری ہوئی طشتری محل کی چھت پر لے جاتی ہے آخر وہ ان کا کیا کرتی ہے؟ ضرور اس میں کوئی راز ہے۔ یہی دیکھنے کے لیے وہ دبے پاؤں شہزادی کے پیچھے پیچھے ہولی اور محل کی چھت پر پہنچ کر ایک طرف چھپ گئی۔ اس نے دیکھا کہ محل کی چھت پر جانے کے بعد شہزادی نے اپنا دوپٹہ فضا میں لہرایا اور اس کے ساتھ ہی سامنے والے درخت پر بیٹھے ہوئے تیرہ ہنس اڑ کر اس کے پاس آ گئے۔ اس نے ہنسوں کو پیار کیا۔ پھر موتیوں سے بھری ہوئی طشتری ان کے آگے رکھ دی۔ اور ہنس موتی چگنے کے بعد اڑ گئے۔

کنیز کے لیے یہ بات انوکھی بھی تھی اور حیرت انگیز بھی۔ وہ اسی وقت بھاگی بھاگی بادشاہ کے پاس گئی اور جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا وہ سب کہہ سنایا۔ اس کے بعد وہ ہاتھ باندھ کر بولی۔

''جہاں پناہ! اگر اس کنیز کی گستاخی معاف کی جائے تو ایک بات عرض کرے؟''

بادشاہ بولا۔

''ہاں۔ ضرور کہو وہ بات!''

اس پر کنیز کہنے لگی۔

''عالی جاہ! اس کنیز کا خیال تو یہ ہے کہ شہزادی عورت نہیں کوئی راکھشس ہے جس نے عورت کا رُوپ بدلا ہوا ہے۔ اسی لیے اس کے اشارے پر پرندے بھی آ جاتے ہیں۔''

بادشاہ خود اپنی جگہ بہت متعجب تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ بات کیوں کر ممکن ہے۔ تو کیا پھر کنیز جھوٹ بول رہی ہے؟ یہ بھی ناممکن تھا۔ ایک کنیز کی یہ مجال کیسے ہو سکتی ہے کہ وہ بادشاہ کے سامنے جھوٹ بولے۔ اس نے کنیز سے کہا۔

''مابدولت جب تک یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں' یقین نہیں کر سکتے!''

کنیز نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔

''حضور! کل اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔''

دوسرے روز کنیز شہزادی کی تاک میں رہی اور جوں ہی وہ سچے موتیوں سے بھری ہوئی طشتری لے کر محل کی چھت پر جانے لگی اس نے بادشاہ کو خبر کر دی۔ چنانچہ بادشاہ کنیز کے ساتھ دبے پاؤں محل کی چھت پر پہنچ گیا اور وہاں چھپ کر ایک طرف بیٹھ گیا۔ شہزادی نے معمول کے مطابق اپنا دوپٹہ سر سے اتار کر فضا میں لہرایا۔ اس کے ساتھ ہی سامنے درخت پر بیٹھے ہوئے تین ہنس اڑ کر اس کے پاس آ گئے۔ اس نے پہلے انہیں گود میں لے کر پیار کیا اور پھر موتیوں سے بھری ہوئی طشتری ان کے آگے رکھ دی۔ ہنسوں نے موتی کھائے اور اس کے بعد اڑ گئے۔

بادشاہ یہ سارا ماجرا دیکھ کر حیران تھا۔ کنیز نے اسے جو کچھ بتایا تھا وہ لفظ بہ لفظ صحیح تھا۔ اس نے اپنی ساری زندگی میں اس قدر عجیب و غریب اور حیرتناک واقعہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کے دل میں یہ بات گھر کر گئی کہ ہو نہ ہو یہ لڑکی ضرور کوئی راکھشس ہے' جس نے عورت کا بہروپ بھرا ہوا ہے۔ اس لیے یہ جنگل میں اکیلی رہتی تھی اور یہ تینوں ہنس بھی یقیناً راکھشس ہیں جو ہنسوں کا رُوپ دھارے ہوئے ہیں۔

اس روز بادشاہ نے شہزادی سے اس بارے میں پوچھنے کی بہت کوشش کی۔ وہ اس راز کو جاننا چاہتا تھا لیکن شہزادی کو تو بولنا ہی نہیں تھا اس لیے اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ آخر جب بادشاہ

تنگ آ گیا تو اس نے کہا۔

''اگر تم نے زبان نہ کھولی تو تمہیں قتل کر دیا جائے گا؟''

مگر شہزادی پر اس دھمکی کا بھی کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ بدستور چپ سادھے رہی۔ یہ دیکھ کر بادشاہ کو اور بھی غصہ آیا۔ وہ کچھ گھبرایا ہوا بھی تھا۔ اس نے سوچا۔

''اس لڑکی کو قتل کر دینا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو یہ میرے لیے یا میری بادشاہی کے لیے کسی مصیبت کا سبب بن جائے۔''

چنانچہ اب وہ اس کے قتل کرنے کی ترکیبیں سوچنے لگا۔ بہت سوچ بچار کے بعد اس نے وزیر کو حکم دیا۔

''ایک بھوکا شیر لایا جائے اور کل شہزادی کو کھلے میدان میں اس کے آگے ڈال دیا جائے۔''

اس کے ساتھ ہی اس نے وزیر سے یہ بھی کہا۔

اس سلسلے میں شہر بھر میں ڈونڈی پٹوادی جائے کہ ہر شخص آ کر یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ مابدولت خود بھی یہ تماشا دیکھیں گے۔

بادشاہ کے حکم کی دیر تھی، اسی وقت شہر میں ڈونڈی پٹوادی گئی اور پھر دوسرے روز مقررہ وقت پر لوگ جوق در جوق میدان میں جمع ہونے لگے۔ کھلے میدان میں شہزادی کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے چھوڑ دیا گیا۔ اس وقت وہاں تماشائیوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوئے تھے۔

دوسری طرف تینوں ہنس روز کی طرح آ کر درخت پر بیٹھ گئے اور اپنی بہن کا انتظار کرنے لگے تاکہ وہ چھت پر آئے اور انہیں موتی کھلائے۔ لیکن جب انہیں انتظار کرتے کرتے بہت دیر ہوگئی اور ان کی بہن چھت پر نہ آئی تو وہ کچھ پریشان ہو کر سوچنے لگے۔

پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا؟ کہیں ایسا نہ ہو ہماری بہن پر کوئی مصیبت آ گئی ہو؟ چلو چل کے دیکھتے ہیں۔

وہ تینوں درخت سے اڑ کر محل کے اوپر چکر لگانے لگے کہ شاید کہیں شہزادی نظر آ جائے مگر وہ کہیں دکھائی نہ دی۔ جب وہ وہاں سے مایوس ہو گئے تو اڑتے اڑتے شہر کا چکر لگانے لگے۔ اچانک انہوں نے دیکھا تو ایک میدان میں بے شمار لوگ جمع تھے۔ ایک طرف بادشاہ اور وزیر بیٹھے تھے اور میدان کے درمیان ان کی بہن تھی جس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے۔ اس کے قریب ہی ایک بڑا سا پنجرہ تھا جس میں بند ایک شیر دھاڑ رہا تھا۔ صرف پنجرہ کھلنے کی دیر تھی۔ چھوٹا بھائی بولا۔

''ہماری بہن شیر کے آگے ڈالی جا رہی ہے۔ اسے بچانے کی کوئی ترکیب سوچو۔''

''ہمیں جلد کچھ کرنا چاہیے۔''

دوسرے دونوں نے کہا۔ اور وہ اوپر اڑتے ہوئے ترکیبیں سوچنے لگے۔

ادھر جوں ہی اس کنیز کی ہنسوں پر نظر پڑی تو اس نے بادشاہ سے کہا۔

''بادشاہ سلامت! دیکھیے وہی راکھشس اسے بچانے کے لیے آ گئے ہیں۔''

اس پر بادشاہ ایک قہقہہ لگا کر بولا۔

''گھبراؤ نہیں۔ اب اسے کوئی نہیں بچا سکتا۔''

اس کے ساتھ ہی اس نے حکم دیا۔

''شیر کا پنجرہ کھول دیا جائے۔''

اسی وقت شیر کا پنجرہ کھول دیا گیا۔ اور پنجرہ کھلتے ہی شیر دھاڑتا ہوا شہزادی کی طرف لپکا۔ لیکن ابھی چند قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ تینوں ہنس بجلی کی سی تیزی سے شیر پر جھپٹے اور آناً فاناً میں اس کی دونوں آنکھیں نکال کر اسے اندھا کر دیا۔ شیر درد کے مارے دھاڑنے لگا اور کچھ نہ دِکھنے کے سبب اِدھر اُدھر بھاگنے لگا جس سے لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ بادشاہ نے جب یہ منظر دیکھا تو اسے پکا یقین ہو گیا کہ:

''یقیناً شہزادی اور یہ تینوں ہنس راکھشس ہیں۔''

شیر کو دوبارہ پنجرے میں بند کر کے شہزادی کو محل میں پہنچا دیا گیا۔ بادشاہ نے ایک بار

پھر کوشش کی کہ کسی طرح شہزادی کوئی بات کرے لیکن اس نے ایک لفظ تک زبان سے نہ نکالا۔ جب وہ کسی طرح بات کرنے پر آمادہ نہ ہوئی تو بادشاہ غصّے میں بولا۔

''اچھا۔ میں کل دیکھوں گا تجھے راکھشس موت سے کیسے بچاتے ہیں؟''

دوسرے روز بادشاہ کے حکم سے ایک نہایت زہریلا ناگ منگوایا گیا اور خادموں سے کہا گیا۔ شہزادی کو کھلے میدان میں ستون سے باندھ کر ناگ چھوڑ دیا جائے۔

اس کے ساتھ ہی بادشاہ نے یہ بھی حکم دیا۔

''آج بھی شہر میں ڈونڈی پٹوادی جائے کہ ہر شخص یہ منظر دیکھنے کے لیے آئے۔''

بادشاہ کے حکم کے مطابق پھر شہر میں ڈونڈی پٹوادی گئی اور لوگ مقررہ وقت پر کھلے میدان میں جمع ہونے لگے۔ دوسری طرف اس روز میں تینوں ہنس محل کے سامنے والے درخت پر آ کر بیٹھ گئے۔ ان کا خیال تھا کہ ان کی بہن کی مصیبت ختم ہو چکی ہے۔ لیکن جب وہ انتظار کے باوجود چھت پر نہ آئی تو انہیں فکر لاحق ہوئی۔ انہوں نے دل میں سوچا۔

''کہیں ایسا نہ ہو کہ آج بھی ہماری بہن کسی مصیبت میں گرفتار ہو؟''

یہ سوچ کر وہ تینوں درخت سے اڑ کر شہر کا چکر لگاتے ہوئے اسی میدان کے اوپر پہنچے تو انہوں نے دیکھا۔ کل کی طرح آج بھی بے شمار لوگ میدان میں اکٹھے تھے۔ درمیان میں ایک ستون کے ساتھ ان کی بہن بندھی ہوئی تھی اور اس کے پاس ہی ایک ٹوکرا رکھا ہوا تھا۔ ان کا اندیشہ درست نکلا تھا۔ ان کی بہن آج پھر مصیبت میں تھی۔ وہ تینوں وہیں فضا میں چکر کاٹنے لگے۔

جب سب لوگ میدان میں جمع ہو گئے تو بادشاہ نے حکم دیا۔

''ٹوکرے پر سے ڈھکنا اٹھا دیا جائے!''

جوں ہی ٹوکرے پر سے ڈھکنا اٹھایا گیا' ایک نہایت زہریلا ناگ پھنکارتا ہوا باہر نکل آیا اور آہستہ آہستہ شہزادی کی طرف بڑھنے لگا۔ ادھر ہنسوں نے جب اسے آگے بڑھتے دیکھا تو

انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور اس پر ٹوٹ پڑے۔ کسی نے اس کی آنکھ پر چونچ ماری' کسی نے دم کو چھلنی کر دیا اور کسی نے سر پر حملہ کر دیا۔ اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے ناگ لہولہان ہو کر تڑپنے لگا۔ اور پھر تڑپ تڑپ کر وہیں جان دے دی۔

بادشاہ' امیر' وزیر اور دوسرے تمام لوگ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ ہر شخص اپنی جگہ حیران تھا کہ یہ قصہ کیا ہے؟ یہ تین ہنس کون ہیں؟ اس لڑکی سے ان کا کیا تعلق ہے؟ یہ عجیب و غریب واقعہ تھا جو کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ آخر بادشاہ کے حکم سے شہزادی کو پھر محل میں پہنچا دیا گیا اور اس کی موت کا نیا سامان تیار کیا جانے لگا۔ اس رات بادشاہ دیر تک یہ سوچتا رہا کہ اب کس طرح اس لڑکی کو ختم کیا جائے؟ آخر اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ اس نے حکم دیا۔

ایک لوہے کا ستون بنا کر اسے آگ میں سرخ کیا جائے اور پھر اس کے ساتھ شہزادی کو باندھ دیا جائے۔ اس طرح وہ خود بخود ہلاک ہو جائے گی۔

اس حکم کے ساتھ ہی اس نے پھر کہا۔

''آج پھر شہر بھر میں ڈونڈی پٹوا دی جائے کہ ہر شخص میدان میں آ کر یہ تماشا دیکھے۔''

بادشاہ یہ حکم دے کر اپنی جگہ خوش بھی تھا اور مطمئن بھی کہ اس دفعہ اس کی ترکیب ضرور کامیاب ہو گی اور شہزادی موت کے منہ میں پہنچ جائے گی۔

دوسری طرف اس روز بھی تینوں ہنس معمول کے مطابق محل کے سامنے درخت پر آ کر بیٹھ گئے اور اپنی بہن کے انتظار میں گھڑیاں گننے لگے تاکہ وہ محل کی چھت پر آ کر اپنا دوپٹہ لہرائے اور وہ اڑ کر اس کے پاس پہنچ جائیں۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ ان کی بہن آج پھر چھت پر نہیں آئی تو وہ سمجھ گئے کہ۔

ابھی ہماری بہن کی مصیبتیں ختم نہیں ہوئیں۔ یقیناً وہ آج کسی نئی مصیبت میں گرفتار ہے۔

وہ تینوں درخت سے اڑے اور شہر کا چکر لگاتے ہوئے اسی میدان کے اوپر پہنچ گئے جہاں آج پھر ان گنت لوگ موجود تھے۔ انہوں نے ذرا نیچی اڑان سے قریب جا کر دیکھا تو وہاں

ایک لوہے کا ستون تھا جو اس وقت آگ کی طرح دھک رہا تھا اور اس سے کچھ ہی فاصلے پر چند سپاہی ان کی بہن کو پکڑے کھڑے تھے۔ اس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے اور وہ غم سے نڈھال دکھائی دے رہی تھی۔ ادھر بہن نے بھی دیکھ لیا تھا۔ اس کے بھائی آ گئے ہیں اور بادشاہ بھی تینوں ہنسوں کو میدان پر چکر لگاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اس نے قہقہہ لگا کر بڑے غور سے کہا۔

اب دیکھتا ہوں۔ یہ اسے کیسے بچاتے ہیں؟

اس کے بعد اس نے خادموں کو حکم دیا۔

شہزادی کو دیکھتے ہوئے ستون کے ساتھ باندھ دیا جائے تاکہ یہ تڑپ تڑپ کر جان دے دے۔

بادشاہ کے حکم کی دیر تھی۔ خادم شہزادی کو لیے ہوئے دھکتے ہوئے ستون کی طرف بڑھنے لگے۔ ہر شخص یہ سمجھ چکا تھا کہ اب شہزادی کا زندہ بچنا ناممکن ہے۔ آج موت ہی اس کا مقدر ہے۔ تمام تماشائی اس کی موت کے منتظر تھے اور اوپر تینوں ہنس بے بسی سے چکر لگا رہے تھے۔ وہ سوچ رہے تھے۔

اب کیا کریں؟

اپنی بہن کو کیسے بچائیں؟

ان کی بہن موت کے منہ میں جا رہی تھی اور وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں جب یہ جان لیا کہ اب بہن کو بچانے کی کوئی سبیل نہیں تو آپس میں کہنے لگے۔

آج ہماری بہن کی موت یقینی ہے۔ کیوں نہ ایک بار اس کو قریب جا کر دیکھ لیں!

یہ ارادہ کر کے انہوں نے اپنی پرواز نیچی سے نیچی کر دی۔ پھر اڑتے اڑتے اپنی بہن کے قدموں میں جا گرے اور پیار سے اس کے پاؤں سے لپٹ گئے۔ کرنا خدا کا دیکھیے کہ عین اس وقت شہزادی کو چپ برت رکھے ہوئے بارہ سال پورے ہو چکے تھے۔ اس نے سورج مکھی کے پھول کو چھو کر ہنس بننے اور ہنس سے انسانی رُوپ میں واپس آنے کی شرط پوری کر دی تھی۔ لہٰذا

جوں ہی تینوں ہنس شہزادی کے پاؤں سے لپٹے' وہ کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ اس کے ساتھ ہی لوگوں نے دیکھا کہ وہاں تین ہنسوں کی جگہ تین حسین و جمیل شہزادے کھڑے مسکرا رہے تھے اور ان کے چاروں طرف سورج مکھی کے پھول بکھرے ہوئے تھے۔

خادموں نے جب یہ کبھی نہ ہونے والا منظر دیکھا تو اس قدر گھبرائے کہ شہزادی کو وہیں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ بادشاہ بھی حیران تھا۔ وزیر امیر اپنی جگہ ہکا بکا دیکھ رہے تھے اور دوسرے لوگ بھی دم بخود تھے۔ شاید ان سب کی حیرانی میں ابھی اور اضافہ ہوتا کہ تینوں شہزادے اپنی بہن کو ساتھ لے کر آگے بڑھے اور بادشاہ کے سامنے پیش ہو کر اسے جھک کر سلام کیا۔ اس پر بادشاہ نے تعجب سے پوچھا۔

یہ عجیب و غریب واقعہ ہم سب کے لیے تعجب کا باعث ہے۔ کیا تم اس کے متعلق کچھ بتا سکتے ہو کہ یہ سب کیا ہے؟ اس میں کیا راز ہے؟

جہاں پناہ!

بڑے شہزادے نے کہنا شروع کیا۔

ہم تینوں ایک ملک کے شہزادے ہیں۔ اور یہ لڑکی ہماری بہن ہے۔

اس کے بعد انہوں نے ابتدا سے لے کر آخر تک اپنی کہانی سنائی کہ کس طرح ان کے باپ نے ملکہ سے بیٹا پیدا ہونے کے لیے کہا اور کس طرح ان کی ماں نے انہیں جنگل میں بھیج کر ان کی جان بچائی۔ پھر کس طرح ان کی بہن انہیں تلاش کرتی ہوئی جنگل میں آئی اور سورج مکھی کے پھول کو چُھونے کی وجہ سے وہ تینوں ہنس بن گئے اور کس طرح انہیں انسانی رُوپ میں واپس لانے کے لیے ان کی بہن نے بارہ برس کا چپ برت رکھا۔ یہ سب کچھ بتانے کے بعد انہوں نے کہا۔

اور آج۔ اس وقت ہماری بہن کے چپ برت کو بارہ برس پورے ہو گئے تھے' اس لیے وہ بول پڑی اور ہم سب ایک بار پھر انسان کے رُوپ میں آپ کے سامنے کھڑے ہیں!

ان کی کہانی سن کر ساری بات بادشاہ کی سمجھ میں آ گئی۔ اسے یہ پتہ چلا کہ شہزادی

بات کیوں نہیں کرتی تھی اور کیوں روزانہ ہنسوں کو موتی کھلاتی تھی۔ وہ بہت خوش ہوا اور تینوں شہزادوں اور شہزادی کو اپنے ساتھ لے کر محل میں آ گیا۔ پھر اس نے شہزادی سے شادی کر کے اسے اپنی ملکہ بنالیا اور تینوں شہزادوں کو شاہی اعزاز کے ساتھ دربار میں بٹھایا۔ اس کے ساتھ ہی بادشاہ نے اپنے ایلچی بھیج کر شہزادوں کے ماں باپ کو بھی اطلاع دے دی کہ تینوں شہزادے اور شہزادی زندہ اور صحیح سلامت ہیں۔

کہتے ہیں کہ اس وقت سے لوگ ہنسوں سے اس لیے پیار کرتے ہیں اور انہیں اس لیے سچے موتی کھلاتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو یہ بھی کسی ملک کے شہزادے ہوں اور ان کی بہن نے بارہ برس کا چپ برت رکھا ہو۔

.....o.....

# حقیقی ماں

پرانے زمانے کی بات ہے کسی جگہ ایک بادشاہ راج کرتا تھا۔ اس بادشاہ کی سات ملکائیں تھیں جن میں سے چھ تو بہت امیر تھیں اور شان دار محلوں میں رہتی تھیں مگر ساتویں ملکہ بہت غریب تھی اور وہ بیچاری گھاس پھونس کی ایک جھونپڑی میں رہتی تھی' جس کی دیواریں مٹی کی بنی ہوئی تھیں۔ بادشاہ اس غریب ملکہ کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دیتا تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ دوسری ملکائیں اس سے بہت جلتی تھیں۔

یُوں تو بادشاہ کی سات بیویاں تھیں لیکن وہ ابھی تک اولاد سے محروم تھا۔ ساتوں بیویوں کی گود خالی تھی اور بادشاہ اسی غم میں ہر وقت اداس رہتا تھا۔ وہ دن رات خدا سے دعائیں مانگتا۔

اے خدا! مجھے بھی ایک بیٹا عطا کر۔

اے خدا! تیرے گھر میں کس چیز کی کمی ہے۔

اس کی بیویاں بھی اپنی قسمت پر کڑھتی تھیں لیکن قدرت کے آگے وہ سب بے بس اور مجبور تھیں۔ صرف آنسو بہا کر رہ جاتیں اور دل ہی دل میں اپنی گود ہری ہونے کی دعائیں مانگتیں۔ اسی طرح دن گزر رہے تھے۔

ایک روز بادشاہ شکار کھیلنے کے لیے شہر سے باہر گیا اور شکار کھیلتے کھیلتے جنگل میں اپنے خادموں سے دور نکل گیا۔ اس نے دیکھا کہ وہاں جنگل میں ایک بوڑھا فقیر گہری نیند سویا ہوا تھا۔ بادشاہ یہ بات نہیں جانتا تھا کہ وہ فقیر بارہ سال تک سوتا تھا اور پھر بارہ برس تک ہی جاگتا تھا۔ جب بادشاہ اس کے پاس پہنچا اس وقت اس کو سوئے ہوئے بارہ سال کا عرصہ پورا ہو چکا تھا۔ وہ

فقیر کو دیکھ کر گھوڑے سے نیچے اتر آیا اور اس نے دل میں سوچا۔

شاید اس فقیر کی دعا ہی سے میرے دل کی مراد پوری ہو جائے۔

یہ سوچ کر وہ فقیر کے پاس بیٹھ گیا اور آہستہ آہستہ اس کے پاؤں دبانے لگا۔ فقیر کو سوئے ہوئے چونکہ بارہ سال پورے ہو چکے تھے اس لیے جوں ہی بادشاہ نے اس کے پاؤں دبانے شروع کیے وہ نیند سے بیدار ہو گیا۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو ایک بادشاہ بیٹھا اس کے پاؤں دبا رہا تھا۔ فقیر سوچنے لگا۔

''نہ جانے یہ بیچارہ کب سے اس طرح بیٹھا میرے پاؤں دبا رہا ہے اور میری خدمت کر رہا ہے۔''

وہ اس کی خدمت سے بہت خوش ہوا اور اس سے پوچھا۔

''اے بیٹے! تمہاری کیا تمنا ہے؟''

جواب میں بادشاہ نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا۔

''باباجی! میرے گھر میں کوئی اولاد نہیں۔ میرے لیے دعا کیجیے۔''

بوڑھے فقیر نے غور سے اسے دیکھا اور اس کے زرق برق لباس اور شان و شوکت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''اللہ نے تجھے راج پاٹ دیا ہے۔ دولت دی ہے۔ اب تمہیں کس چیز کی تمنا ہے؟''

یہ سن کر بادشاہ نے فقیر کے پاؤں پکڑ لیے اور روتے ہوئے بولا۔

''مجھے نہ یہ دولت چاہیے نہ عزت اور نہ یہ راج پاٹ۔ مجھے صرف ایک بیٹا چاہیے۔ بس یہی میری تمنا ہے۔''

بوڑھے فقیر کا دل پسیج گیا۔ اس نے ایک طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اس طرف کو جاؤ۔ وہاں دور تمہیں ایک آم کا پیڑ ملے گا۔ اس کو دو بار ہلانا اور اس پر

بادشاہ اسی وقت اٹھا اور فقیر کے کہنے کے مطابق اس سمت کو چل دیا جدھر اس نے اشارہ کیا تھا۔ ابھی وہ تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ اس نے دیکھا وہاں ایک آم کا پیڑ تھا جس پر بہت سے آم لگے ہوئے تھے۔ اس نے آم کی ایک شاخ پکڑ کر اسے زور سے ہلایا تو درخت سے چھ آم نیچے گر پڑے۔ اسے یاد آیا کہ فقیر نے دو بار پیڑ ہلانے کے لیے کہا تھا۔ چنانچہ اس نے دوبارہ ایک شاخ کو پکڑ کر اسے زور زور سے ہلایا لیکن اس بار صرف ایک ہی آم زمین پر گرا۔ اس نے وہ ساتوں آم بڑی احتیاط سے ایک کپڑے میں باندھ لیے اور انہیں لے کر فقیر کے پاس آ گیا۔ پھر ساتوں آم فقیر کے آگے رکھتے ہوئے بولا۔

''پہلی بار ہلانے سے چھ آم گرے تھے اور دوسری بار صرف ایک گرا۔ یہ ساتوں آم حاضر ہیں۔''

فقیر نے وہ ساتوں آم دوبارہ بادشاہ کو دیتے ہوئے کہا۔

''جاؤ یہ سب آم اپنے گھر لے جاؤ۔''

جب بادشاہ چلنے لگا تو فقیر نے اس سے کہا۔

''ہر بیوی کو ایک ایک آم کھلا دینا۔ اللہ نے چاہا تو ان سب کے ہاں ایک ایک بچہ پیدا ہو گا۔''

بادشاہ یہ سن کر بہت خوش ہوا اور فقیر سے رخصت ہو کر جلدی جلدی واپس اپنے محل میں آ گیا۔

بادشاہ جب اپنی بیویوں کے پاس پہنچا تو اس وقت وہ خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا۔ اس نے اپنی چھ امیر ماکاؤں کو اکٹھا کر کے کہا۔

''خدا نے ہماری سن لی ہے۔ اب ہم اولاد سے محروم نہیں رہیں گے۔''

اس کے بعد اس نے ہر ملکہ کو ایک ایک آم دے کر کہا۔

''تم سب یہ کھا لو۔ مجھے ایک فقیر نے بتایا ہے کہ اس سے تم سب کی گود ہری ہو جائے گی۔''

اپنی اس بے پناہ خوشی میں بادشاہ یہ تک بھول گیا کہ فقیر نے اسے سات آم دیئے تھے اور یہ کہا تھا کہ ساتوں بیویوں کو ایک ایک آم کھلا دینا۔

اس نے چھ بیویوں کو آم دے دیئے اور ایک وہیں رکھ دیا۔ غریب ملکہ کا اسے خیال تک نہ آیا کہ آم اسے بھی دینا ہے جو بیچاری جھونپڑی میں رہتی ہے۔

بادشاہ تو آم دے کر واپس دربار چلا گیا اور پیچھے ملکاؤں نے سوچا۔

بھلا آم کھانے سے بھی کہیں بچہ پیدا ہوا ہے؟ یقیناً فقیر نے بادشاہ کو بیوقوف بنایا ہے۔ انہیں اس کی بات کا قطعاً یقین نہیں آیا تھا' لہٰذا انہوں نے آم کھائے نہیں بلکہ یوں ہی جھٹلا کر ساتوں کے ساتوں محلوں کے پچھواڑے پھینک دیے۔ کسی طرح اڑتے اڑتے یہ خبر غریب ملکہ تک بھی پہنچ گئی کہ اس طرح بادشاہ کسی فقیر سے سات آم لایا ہے جو دوسری ملکاؤں نے کھائے بغیر محلوں کے پیچھے پھینک دیئے ہیں۔ جوں ہی اس نے یہ سنا اپنے نوکر کو بلا کر کہا۔

''جاؤ اور محل کے پچھواڑے جا کر دیکھو۔ وہاں جس قدر آم پڑے ہوں وہ سب اٹھا لاؤ۔

نوکر اسی وقت گیا اور اس نے دیکھا' محل کی پچھلی طرف ادھر ادھر زمین پر سات آم پڑے ہوئے تھے۔ وہ سب آم اٹھا کر غریب ملکہ کے پاس لے آیا اور کہا۔

''ملکہ عالیہ! وہاں یہ سات ہی آم پڑے تھے۔ وہی میں لے آیا ہوں۔''

ملکہ نے نوکر سے آم لے کر رکھ لیے اور جب وہ چلا گیا تو اس نے ایک ایک کر کے سارے آم کھا لیے۔ اور اس کے بعد وہ معمول کے مطابق اپنی جھونپڑی میں رہنے لگی۔

اس واقعہ کو تین ماہ گزر چکے تھے۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک روز ملکہ کو اچانک اپنے جسم میں کسی تبدیلی کا احساس ہوا۔ اس نے اسی وقت نوکر بھیج کر ایک دائی کو بلوایا۔ دائی آئی اور اس نے ملکہ کا اچھی طرح معائنہ کر کے بتایا کہ۔

''آپ ماں بننے والی ہیں۔''

ملکہ کے لیے یہ بہت بڑی خوش خبری تھی۔ اس نے دہرا کر دائی سے پوچھا۔

''کیا تم سچ کہہ رہی ہو؟''

''ہاں ملکہ عالیہ! میرا تجربہ مجھے دھوکہ نہیں دے سکتا۔''

دائی کا یہ جواب سن کر غریب ملکہ کا سر خدا کے حضور میں جھک گیا۔

اتفاق کی بات یہ کہ جب دائی غریب ملکہ کا معائنہ کر کے اس کی جھونپڑی سے باہر آ رہی تھی عین اس وقت بادشاہ کا بھی ادھر سے گزر ہوا۔ اس نے جب یہ دیکھا کہ ملکہ کی جھونپڑی سے ایک دائی باہر آئی ہے تو وہ بھی رک گیا اور ملازموں کو حکم دیا۔

''وہ جا کر معلوم کریں کہ کیا بات ہے؟''

اور جب خادموں نے واپس آ کر یہ بتایا کہ۔

''حضور! ملکہ امید سے ہے۔''

تو بادشاہ کی خوشی کا ٹھکانا نہیں تھا۔ اس نے اسی وقت حکم دیا کہ دائی کو مستقل ملکہ کی دیکھ بھال پر مقرر کر دیا جائے۔ پھر وہ خوشی خوشی واپس محل میں آیا اور اس نے سب کو یہ خوشخبری سنائی۔ اس طرح اب وہ روزانہ غریب ملکہ کے پاس جاتا تھا۔ اس نے اس کے لیے اور نوکر بھی مقرر کر دیئے تھے تاکہ اسے کوئی تکلیف نہ ہو۔

دوسری طرف بادشاہ کی امیر ملکاؤں نے جب یہ سنا کہ غریب ملکہ امید سے ہے تو وہ چھ کی چھ حسد میں جل بھن گئیں۔ :

انہوں نے ایک دوسری سے کہا۔

''یہ تو بہت برا ہوا۔''

ایک بولی۔

''اگر اس کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا تو ہماری عزت خاک میں مل جائے گی۔''

دوسری نے کہا۔

''بادشاہ ہم سب کو بھول کر اسی کا ہو رہے گا۔''

تیسری کہنے لگی۔

''اور پھر راج پاٹ کا مالک بھی اسی کا بیٹا بن جائے گا۔''

چوتھی بولی۔

''سارے محلوں میں اسی کا حکم چلنے لگے گا۔''

پانچویں نے کہا۔

''ہم سے ساری دولت چھن جائے گی۔''

چھٹی کہنے لگی۔

''ہم بادشاہ کی نظروں میں ایک کوڑی کی بھی نہ رہیں گی۔''

وہ سب مل کر سوچنے لگیں کہ کیا کرنا چاہیے؟ کون سی ایسی ترکیب ہو جس سے غریب ملکہ کے ہاں بچہ پیدا نہ ہو؟ انہوں نے آپس میں طے کیا۔

''کچھ بھی ہو جائے۔ اس کے ہاں بچہ پیدا نہیں ہونا چاہیے!''

ایک دوسری سے مشورہ کرنے کے بعد آخر میں ان کی سمجھ میں ایک ترکیب آ گئی۔ انہوں نے ملازم بھیج کر دائی کو اپنے پاس بلایا اور کہا۔

''تم ہمارا ایک کام کر دو۔ اس کے بدلے جو مانگو گی ہم دیں گی۔''

دائی نے عرض کیا۔

''حضور کام بتائیں۔ میں ضرور کروں گی۔''

اس پر سب کی سب کہنے لگیں۔

''ہم یہ چاہتی ہیں کہ جوں ہی غریب ملکہ کے ہاں بچہ پیدا ہو تم اسے فوراً قتل کر دو مگر اس طرح کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ اگر تم نے یہ سب کچھ کر دیا تو ہم تمہیں مالا مال کر دیں گی۔''

دائی ایک لمحہ کے لیے تو جھجکی مگر لالچ نے اسے بھی ظلم پر آمادہ کر دیا۔ وہ بولی۔

''جیسی آپ کا حکم! میں ایسے ہی کر دوں گی۔''

سب نے دائی کو بہت سا انعام دیا اور ساتھ یہ بھی کہا۔

''ہم تمہیں اور انعام دیں گی۔''

ادھر غریب ملکہ دوسری ملکاؤں اور دائی کی سازش سے بے خبر اپنی مسرتوں کے دن گن رہی تھی۔ بادشاہ بھی اس لمحے کا منتظر تھا جب وہ باپ کہلائے اور اس کی برسوں کی تمنا پوری ہو اور پھر آخر وہ دن بھی آ ہی گیا جس کا سب کو انتظار تھا۔ جب چالاک دائی زچگی کے لیے غریب ملکہ کے پاس گئی تو اس نے کہا۔

''اے ملکہ! آپ کے ہاں چوں کہ پہلی بار بچہ پیدا ہو رہا ہے اس لیے نیک شگون کے لیے میں آپ کی آنکھوں پر پٹی باندھ دوں گی۔ یہ بچے کے حق میں اچھا ہوگا۔''

ملکہ بیچاری کو اس کی چال کا کچھ علم نہ تھا اس لیے اس نے کوئی عذر نہ کیا اور کہا۔

''تم مجھ سے بہتر سمجھتی ہو۔ جیسا چاہو کرو۔''

دائی نے بڑی چالاکی سے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی اور بچے کی پیدائش کے ضروری انتظامات میں لگ گئی۔ ملکہ کے ہاں چھ بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئی تھی۔ چالاک دائی نے بڑی ہوشیاری اور پھرتی سے ساتوں بچوں کو ایک بڑے سے کپڑے میں باندھا اور پھر آن کی آن میں انہیں قریب کے ایک کھیت میں پھینک آئی تاکہ وہ زندہ نہ بچ سکیں۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد دائی جلدی جلدی ملکہ کے پاس آ کر بیٹھ گئی اور تھوڑی دیر بعد اس نے اس کی آنکھوں پر بندھی ہوئی پٹی کھول دی۔ پٹی کھلتے ہی ملکہ نے خوش ہو کر اپنے پاس ادھر ادھر دیکھا مگر اسے وہاں کوئی بچہ نظر نہ آیا۔ اس نے دائی سے دریافت کیا۔

''میرا بچہ کہاں ہے؟''

جواب میں دائی نے اسے لوہے کا ایک ٹکڑا دکھاتے ہوئے کہا۔

''ملکہ آپ بہت بدقسمت ہیں۔ آپ کے ہاں بچے کی بجائے یہ لوہے کا ٹکڑا پیدا ہوا ہے۔''

غریب ملکہ نے یہ بات سنی تو دھک سے رہ گئی۔ کہاں وہ بیٹے کے خواب دیکھ رہی تھی اور کہاں اب اس کے سامنے لوہے کا ایک ٹکڑا پڑا اس کا منہ چڑا رہا تھا۔ اسے سخت مایوسی ہوئی مگر کیا کر سکتی تھی؟ ناچار آنسو بہا کر خاموش رہی۔

دوسری طرف جب بادشاہ کو یہ خبر دی گئی کہ ملکہ کے ہاں بچے کی جگہ لوہے کا ٹکڑا پیدا ہوا ہے تو وہ مایوسی اور تعجب کے ساتھ ساتھ غصّے میں جھلا گیا۔ اس نے کہا۔

''میں نے آج تک یہ عجیب و غریب بات نہیں سنی کہ کسی عورت نے لوہے کے ٹکڑے کو جنم دیا ہو؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟''

لیکن دائی نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

''حضور! یہ کنیز صحیح کہہ رہی ہے۔''

اور اس کے ساتھ ہی اس نے وہ لوہے کا ٹکڑا بادشاہ کے سامنے رکھ کر عرض کیا۔

''حضور! اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔''

بادشاہ سخت مایوس ہوا۔ اس نے دل میں خیال کیا۔

''یہ ملکہ یقیناً میرے لیے منحوس ہے۔ آج سے میں اس سے نہیں ملوں گا۔''

دائی یہاں سے رخصت ہو کر محلوں میں گئی اور امیر ملکاؤں کو ساری بات بتائی۔ وہ سب یہ سن کر بہت خوش ہوئیں اور انہوں نے دائی کو بہت سا انعام دے کر بھیج دیا۔ اب وہ سب اپنی جگہ مطمئن بھی تھیں اور خوش بھی۔ لیکن شاید انہیں معلوم نہ تھا کہ خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

جس کھیت میں دائی ساتوں بچے پھینک آئی تھی، وہ کھیت ایک غریب کسان کی ملکیت تھا۔ اس کسان کی بیوی جب کھیت میں آئی تو اس نے دیکھا، وہاں سات نوزائدہ بچے پڑے ہوئے تھے جو ابھی تک سب کے سب زندہ تھے۔ اتفاق کی بات کہ اس کسان کا اپنا کوئی بچہ نہ تھا اور ان کی بڑی تمنا تھی کہ ان کا بھی کوئی بچہ ہو۔ چنانچہ جب کسان کی بیوی نے چھ لڑکے اور لڑکی کو اس طرح پڑے دیکھا تو اس نے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا۔

''خدا نے ہمیں بھی بچے دے دیے۔ اس نے ہماری بھی سن لی۔''

وہ سب بچے اٹھا کر اپنے گھر لے آئی اور جب کسان اپنے کام کاج سے فارغ ہو کر گھر آیا تو بیوی نے اسے ساری بات بتائی۔ وہ بیچارہ بھی برسوں سے اولاد کو ترس رہا تھا' اب جو اس نے ایک ساتھ سات بچے دیکھے تو خوشی سے دیوانہ ہونے لگا۔ وہ دونوں ان کی دیکھ بھال میں لگ گئے۔ اس طرح غریب ملکہ کے چھ لڑکے اور ایک لڑکی غریب کسان کے گھر میں پلنے لگے۔

وقت گزرتا گیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ چھ شہزادے اور ایک شہزادی بھی بڑے ہوتے گئے۔ وہ سب اب کھیلنے کودنے کے قابل ہو گئے تھے اور کسان اور اس کی بیوی کو ہی ماں باپ سمجھتے تھے۔ سب کے سب بہت حسین تھے اور انہیں پہلی نظر دیکھنے ہی سے اندازہ ہو جاتا تھا کہ وہ کسی بادشاہ کے بیٹے اور بیٹی ہیں۔ ہوتے ہوتے یہ بات کسی طرح بادشاہ کی دوسری چھ بیویوں کے کان میں پڑ گئی کہ غریب ملکہ کے ہاں جو بچے پیدا ہوئے تھے اور جنھیں دائی کھیت میں پھینک آئی تھی' وہ ابھی تک زندہ ہیں۔ انہوں نے دائی کو بلوا کر پوچھا۔

''کیا تم نے بچوں کو قتل نہیں کیا تھا؟''

پہلے تو دائی نے یہی کہا کہ۔

''میں نے انہیں قتل کر دیا تھا۔''

لیکن جب انہوں نے اسے یہ بتایا۔

''وہ بچے فلاں کسان کے گھر میں ہیں اور اب بڑے بھی ہو گئے ہیں۔''

تو اس پر دائی نے سب کچھ بتا دیا کہ اس طرح میں نے بچوں کو قتل کرنے کی بجائے ایک کھیت میں پھینک دیا تھا۔ یہ سن کر سب نے اس سے کہا۔

اچھا جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ اب تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ جس طرح بن پڑے ان ساتوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کرا دو۔

پھر انہوں نے دائی کو مزید لالچ دیتے ہوئے کہا۔

''اگر تم نے ان سب کو قتل کرا دیا تو ہم تمہیں وہ تمام ہیرے جواہرات دے دیں گی جو ہم چھ کے پاس ہیں۔''

دائی نے ہیرے جواہرات کی بات سنی تو جھٹ سے بولی۔

''آپ بے فکر رہیں۔ میں انہیں ضرور قتل کرا دوں گی۔''

اس کے بعد دائی اپنے گھر چلی گئی۔ گھر پہنچ کر اس نے چند میٹھی روٹیاں پکائیں اور ان میں زہر ملا دیا۔ پھر وہ روٹیاں لے کر کھیت کے پاس اس جگہ گئی جہاں ساتوں بچے روزانہ کھیلا کرتے تھے۔ جب وہ وہاں پہنچی تو اس نے دیکھا ساتوں بچے کنویں کے پاس کھیلنے میں مصروف تھے۔ اس وقت وہ مٹی کے ان کھلونوں سے کھیل رہے تھے جو غریب کسان نے انہیں بنا کر دیئے تھے۔ دائی بھی ان کے پاس پہنچ گئی اور بڑے پیار سے انہیں اپنے پاس بلا کر کہا۔

''دیکھو بچو! میں تمہارے لیے مٹھائی لائی ہوں۔''

معصوم بچوں نے جب سنا تو سب کے سب دائی کے پاس آ گئے۔ دائی انہیں میٹھی روٹیاں دے کر کہنے لگی۔

''لو! یہ میں تمہارے ہی لیے لائی ہوں۔ انہیں کھا لو۔''

میٹھی روٹیاں دیکھ کر بچوں کا جی للچا گیا اور وہ سب کھانے لگے۔ لیکن جوں ہی انہوں نے روٹیاں کھائیں دیکھتے ہی دیکھتے سب کے سب وہیں گر کر مر گئے۔ دائی نے جب دیکھا کہ سب ختم ہو چکے ہیں تو وہ الٹے پاؤں وہاں سے بھاگ آئی اور واپس آ کر ملکاؤں کو خبر دی۔

''میں نے اس طرح سب کو ختم کر دیا ہے۔''

جواب میں سب نے انعام کے طور پر اسے بہت سے ہیرے جواہرات دیئے اور اپنے دل میں مطمئن ہو گئیں کہ اب ان کے لیے کوئی خطرہ نہیں رہا۔

ادھر تو یہ ہوا اور دوسری طرف جب کسان اور اس کی بیوی نے دیکھا کہ بچے ابھی تک کھیل کر گھر واپس نہیں آئے تو وہ انہیں تلاش کرنے کے لیے کنویں پر گئے۔ مگر یہ دیکھ کر ان کے

پاؤں تلے کی زمین نکل گئی کہ وہ ساتوں کے ساتوں وہاں مردہ پڑے تھے۔ لاشوں کے قریب دو تین میٹھی روٹیاں بھی پڑی تھیں جن سے وہ سمجھ گئے کہ انہیں کسی نے زہر دے کر ہلاک کیا ہے۔ کسان کی بیوی تو وہاں بیٹھ کر رونے پیٹنے لگی لیکن کسان جنگل میں اس بوڑھے فقیر کی تلاش میں چلا گیا جس کے بارے میں اس نے سن رکھا تھا کہ وہ بہت پہنچا ہوا ہے۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ جلد ہی اسے وہ بوڑھا فقیر مل گیا۔ کسان نے دونوں ہاتھ جوڑ کر اس سے عرض کیا۔

''باباجی! اس اس طرح میرے ساتوں بچّوں کو کسی نے زہر دے دیا ہے۔ خدا کے لیے میری مدد کیجیے۔''

فقیر نے اس کی بات سنتے ہی جلدی سے اپنے ہاتھ کی ایک انگلی کو کاٹا اور اس میں سے نکلنے والے خون کے چند قطرے ایک شیشی میں ڈال کر اسے دیتے ہوئے کہا۔

''جلدی جاؤ۔ اور یہ خون کے قطرے ان پر چھڑک دو۔''

فقیر نے پھر کہا۔

''جس قدر جلدی ہو واپس پہنچ جاؤ۔ اس میں دیر نہیں ہونی چاہیے۔''

کسان اسی وقت بھاگا بھاگا واپس کنویں کے پاس آیا اور اس نے فقیر کے کہنے کے مطابق ساتوں بچّوں پر خون کا ایک ایک قطرہ چھڑک دیا۔ خون کا چھڑکنا تھا کہ ساتوں بچّے پھر سے زندہ ہو گئے۔ کسان اور اس کی بیوی نے خوشی میں سب کو گلے لگا لیا اور پھر انہیں ساتھ لے کر اپنے گھر آ گئے جہاں ایک بار پھر سے وہ سب ہنسی خوشی زندگی بسر کرنے لگے۔

اس واقعہ کے چند روز بعد یہ بات پھر کسی نہ کسی ذریعے سے ملکاؤں تک پہنچ گئی کہ ساتوں بچّے ابھی تک زندہ ہیں اور اسی کسان کے گھر میں رہ رہے ہیں۔ یہ سن کر وہ بہت پریشان ہوئیں۔ وہ تو دل میں سوچے بیٹھی تھیں کہ سب مر چکے ہیں۔ انہوں نے پھر دائی کو بلا کر کہا۔

''کیا تم نے ابھی تک بچّوں کو قتل نہیں کیا؟''

دائی نے ہاتھ باندھ کر جواب دیا۔

''حضور! میں نے تو سب کو زہر دے کر ختم کر دیا تھا۔''

اس پر ملکائیں ناراض ہوتے ہوئے بولیں۔

''وہ تو سب کے سب زندہ ہیں اور اسی کسان کے گھر میں رہ رہے ہیں۔''

دائی یہ سن کر بڑی حیران ہوئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس نے تو سب کو زہر دے کر ہلاک کر دیا تھا۔ پھر وہ زندہ کیسے ہو گئے؟ ساتوں ملکاؤں نے اسے پھر لالچ دیا اور کہا۔

''جس طرح بھی ہو سکے انہیں ایک بار پھر قتل کر دو۔ ہم تمہیں منہ مانگا انعام دیں گی۔''

دائی بولی۔

''اچھا میں پھر کوشش کرتی ہوں۔''

لیکن دائی کے لیے مصیبت یہ آ پڑی کہ اب وہ بچوں کو میٹھی روٹیاں نہیں کھلا سکتی تھی کیونکہ بچے ایک بار دھوکہ کھا چکے تھے اور انہیں معلوم تھا کہ وہ میٹھی روٹیاں کھا کر مر گئے تھے۔ اس لیے دوبارہ انہیں دھوکہ دینا مشکل تھا۔ دائی بڑی مشکل میں پڑ گئی۔ لیکن آخر کار ایک ترکیب اس کی سمجھ میں آ ہی گئی۔ اس نے اس بار لڈو بنائے اور ان میں زہر ملا دیا۔ پھر وہ لڈو لے کر اس کنویں پر گئی جہاں بچے کھیلا کرتے تھے اور آج بھی کھیل رہے تھے۔ اس نے بچوں کو اپنی باتوں میں بہلا پھسلا کر کہا۔

''بیٹا دیکھو! میں تم لوگوں کے لیے کیا لائی ہوں؟''

اور یہ کہہ کر اس نے لڈو ان کے آگے رکھ دیے۔ بچے پہلے تو کچھ جھجکے کیوں کہ انہیں معلوم تھا اسی بڑھیا نے انہیں میٹھی روٹیاں کھلائی تھیں۔ لیکن جب انہوں نے یہ دیکھا کہ یہ تو لڈو ہیں روٹیاں نہیں' تو وہ معصوم پھر اس کے جھانسے میں آ گئے۔ انہوں نے وہ لڈو کھا لیے۔ جوں ہی انہوں نے لڈو کھائے اس کے ساتھ ہی ساتوں کے ساتوں نے پھر دم توڑ دیا۔ دائی نے انہیں مردہ دیکھا تو چپکے سے چلی آئی اور واپس آ کر ملکاؤں سے کہا۔

''میں اس دفعہ انہیں بالکل ختم کر آئی ہوں۔ اب وہ کبھی زندہ نہیں ہو سکتے۔''

ملکائیں اس سے بہت خوش ہوئیں۔ انہوں نے دائی کو بہت سا انعام دے کر رخصت کر دیا۔ اب ایک بار پھر سے وہ مطمئن تھیں کہ ان کے راستے کا کانٹا ہمیشہ کے لیے نکل گیا ہے۔

ادھر آج بھی جب غریب کسان اور اس کی بیوی نے دیکھا کہ بچے ابھی تک گھر واپس نہیں آئے تو وہ دونوں دھڑکتے دل کے ساتھ انہیں تلاش کرنے کنویں پر گئے۔ دیکھا تو آج پھر وہاں ساتوں بچوں کی لاشیں پڑی ہوئیں تھیں۔ کسان کی بیوی تو انہیں دیکھتے ہی غش کھا کر گر پڑی لیکن کسان کو پھر اس بوڑھے فقیر کا خیال آ گیا۔ اس نے سوچا۔

ہو سکتا ہے اس بار پھر وہ ہماری مدد کرے۔

چنانچہ وہ پھر بھاگا بھاگا جنگل میں بوڑھے فقیر کے پاس گیا اور سارا قصہ سنا کر عرض کیا۔

''آپ ہی مجھ غریب کی مدد کر سکتے ہیں۔ خدا کے لیے کچھ کیجیے۔''

بوڑھے فقیر نے اس کی تمام بات سن کر جواب دیا۔

''بیٹے! مجھے تم سے ہمدردی ہے مگر اب میں کچھ نہیں کر سکتا۔''

کسان نے گڑگڑاتے ہوئے بوڑھے فقیر کے پاؤں پکڑ لیے اور روتے ہوئے کہا۔

''بابا جی! خدا کے لیے کچھ کیجیے۔ مجھ غریب کی تو وہی زندگی ہیں۔''

بوڑھے فقیر کو اس پر رحم آ گیا لیکن اس نے کہا۔

''میں دوبارہ بچوں کو زندہ نہیں کر سکتا۔ اب تم اس طرح کرو کہ ساتوں کی لاشیں میرے پاس لے آؤ۔''

کسان بے چارہ کیا کر سکتا تھا؟ وہ بھاگا بھاگا واپس گیا اور جوں توں کر کے ساتوں لاشیں اٹھا کر فقیر کے پاس لے آیا اور کہا۔

''میں ساتوں لاشیں لے آیا ہوں۔''

فقیر نے اسے اپنے قریب بلایا اور زمین کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''اب یہاں سات قبریں کھودو۔ اوران ساتوں قبروں کے درمیان ایک آٹھویں قبر بھی کھوددو۔''

کسان نے اسی وقت قبریں کھودنا شروع کر دیں۔ اور جب وہ آٹھوں قبریں کھود چکا تو اس نے بوڑھے فقیر سے عرض کیا۔

''باباجی! میں نے آٹھوں قبریں تیار کر دی ہیں۔''

اس پر فقیر نے کہا۔

''اب سات قبروں میں سات بچوں کی لاشیں دفن کر دو۔ درمیان والی قبر میں مجھے دبا دو۔ اوراس کے بعد تم واپس اپنے گھر چلے جاؤ۔''

کسان نے ایسے ہی کیا۔ درمیان والی قبر میں فقیر کو اور باقی سات قبروں میں بچوں کی لاشیں دفن کر دیں اور خود واپس اپنے گھر چلا گیا۔

وقت گزرتا گیا۔ کرنا خدا کا ایسا ہوا کہ کچھ عرصہ بعد لڑکوں کی چھ قبروں پر ایک ایک آم کا درخت اگ آیا اور لڑکی کی قبر پر ایک گلاب کا پودا اُگا' جس میں نہایت حسین پھول کھلے ہوئے تھے۔ اور جس قبر میں بوڑھا فقیر دفن تھا اس پر چنبیلی کا پودا لہلہانے لگا۔ یہ سب پودے اپنی اپنی جگہ بہت خوبصورت تھے لیکن گلاب کے پھول خاص طور پر اتنے حسین تھے کہ کسی نے آج تک ایسے پھول نہیں دیکھے تھے۔ وہ انتہائی دلکش اور بڑے بڑے تھے۔

ایک روز بادشاہ کے چند ملازموں کا ادھر سے گزر ہوا تو انہوں نے دیکھا کہ چھ قبروں پر آم کے درخت اگے ہوئے تھے' ایک پر چنبیلی کا پودا نظر آ رہا تھا اور ایک پر گلاب کا پودا تھا جس میں بہت سے گلاب کے پھول کھلے ہوئے تھے۔ ملازموں نے آج تک اس قدر خوبصورت اور اتنے بڑے بڑے گلاب کے پھول نہ دیکھے تھے۔ وہ سب ان کے پاس گئے اور ان میں سے دو ایک نے ہاتھ بڑھا کر پھول توڑنے کی کوشش کی مگر گلاب کے پھول اتنے بلند ہو گئے کہ وہاں تک کسی کا ہاتھ نہ پہنچ سکتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس قبر میں سے آواز آئی۔

''اے میرے پیارے بھائی! کیا میں انہیں پھول توڑنے دوں؟''

اس کے جواب میں ان چھ قبروں میں سے جن پر آم کے درخت اگے ہوئے تھے' ایک ساتھ آواز آئی۔

''پیاری بہن! بوڑھے فقیر سے پوچھو۔''

گلاب والی قبر میں سے پھر ایک آواز آئی۔

''بابا! کیا میں انہیں پھول توڑنے دوں؟''

جواب میں فقیر کی قبر سے آواز آئی۔

''نہیں! صرف حقیقی ماں ہی ان پھولوں کو توڑ سکتی ہے۔''

بادشاہ کے ملازموں نے جب قبروں میں سے آنے والی یہ آوازیں سنیں اور پھولوں کو اس طرح بلند ہوتے ہوئے دیکھا تو بڑے حیران ہوئے۔ اس قسم کا عجیب وغریب واقعہ انہوں نے آج تک نہ دیکھا تھا' نہ سنا تھا۔ وہ سب بھاگے بھاگے بادشاہ کے پاس گئے اور کہا۔

''حضور! ہم نے آج ایک عجیب بات دیکھی ہے۔''

وہ کیا ہے؟ ہمیں بھی بتائی جائے؟

بادشاہ نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔ جواب میں ملازموں نے شروع سے آخر تک ساری بات بتائی۔ بادشاہ بھی ان کی باتیں سن کر حیران تھا۔ اس نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''مگر یہ کیسے ہوسکتا ہے؟''

حضور! خود تشریف لے جا کر دیکھ سکتے ہیں۔ یہ خادم سچ عرض کر رہے ہیں۔

ملازموں کے اس جواب پر بادشاہ بولا۔

ہاں' چلو۔ ہم خود اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔

چنانچہ بادشاہ اپنے مصاحبوں کے ساتھ اس جگہ پہنچ گیا جہاں کے بارے میں ملازموں

نے اسے بتایا تھا۔ وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا واقعی چھ قبروں پر آم کے درخت اگے ہوئے تھے' ایک قبر پر چنبیلی کا پودا تھا اور ایک پر گلاب کے پودے میں بہت سے نہایت حسین پھول کھلے ہوئے تھے۔ اس نے بھی آج تک گلاب کے اس قدر خوبصورت اور بڑے بڑے پھول نہ دیکھے تھے۔ یہ دیکھ کر بادشاہ آگے بڑھا اور اس نے پھول توڑنے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا لیکن تمام پھول اس قدر اونچے ہو گئے کہ وہاں تک اس کا ہاتھ نہ پہنچ سکتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی پھولوں والی قبر میں سے آواز آئی۔

''اے میرے پیارے بھائیو! کیا میں بادشاہ کو پھول توڑنے دوں؟''

جواب میں ان چھ قبروں میں سے جن پر آم کے پیڑ تھے' بیک وقت آواز بلند ہوئی۔

پیاری بہن! بوڑھے فقیر سے پوچھو۔

پھر پہلی والی آواز آئی۔

''بابا! کیا میں بادشاہ کو پھول توڑنے دوں؟''

جواب میں فقیر کی قبر میں سے آواز آئی۔

''نہیں! صرف حقیقی ماں ہی ان پھولوں کو توڑ سکتی ہے۔''

اس موقع پر اچانک بادشاہ کو اس بوڑھے فقیر کی یاد آ گئی جس نے اسے بیویوں کو کھلانے کے لیے سات آم دیئے تھے۔

اس خیال کے آتے ہی اس نے فوراً ملازموں کو حکم دیا۔

''ابھی جا کر ہماری چھ کی چھ ملکاؤں کو یہاں لایا جائے۔''

حکم کی دیر تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ امیر ملکائیں وہاں پہنچ گئیں جنہوں نے دائی سے بچوں کو ہلاک کرایا تھا۔ بادشاہ نے ان میں سے ایک ملکہ سے کہا۔

''تم آگے بڑھ کر ایک پھول توڑو۔''

لیکن جوں ہی وہ ملکہ گلاب کا پھول توڑنے کے لیے آگے بڑھی سارے پھول اتنے

اونچے ہو گئے کہ وہاں تک اس کا ہاتھ نہ پہنچ سکتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس قبر میں سے آواز آئی۔

''اے میرے بھائی! کیا میں اپنی ماں کو پھول توڑنے دوں؟''

جواب میں پہلے کی طرح چھ قبروں میں سے ایک ساتھ آواز آئی۔

''پیاری بہن! بوڑھے فقیر سے پوچھو۔''

پھر پہلے والی آواز نے کہا۔

''بابا! کیا میں اپنی ماں کو پھول توڑنے دوں؟''

اس کے جواب میں فقیر کی قبر میں سے آواز آئی۔

''نہیں! یہ تمہاری حقیقی ماں نہیں ہے۔ صرف حقیقی ماں ہی ان پھولوں کو توڑ سکتی ہے۔''

اس کے بعد بادشاہ نے باری باری باقی پانچ ملکاؤں کو بھی پھول توڑنے کے لیے کہا اور وہ سب کی سب ایک دوسری کے بعد پھول توڑنے کے لیے آگے بڑھیں مگر ہر بار پھول اوپر اٹھ جاتے اور قبر میں سے وہی آوازیں آتیں۔ اور آخر میں فقیر کی قبر میں سے جواب ملتا۔

''نہیں! صرف حقیقی ماں ہی یہ پھول توڑ سکتی ہے۔''

جب بادشاہ نے یہ سب کچھ دیکھا تو اسے خیال آیا۔

کیوں نہ اس ملکہ کو بھی بلایا جائے جو جھونپڑی میں رہتی ہے؟

اس نے اسی وقت اپنے ملازموں کو بھیج کر غریب ملکہ کو بھی بلایا جسے وہ عرصہ سے فراموش کر چکا تھا۔ جب وہ آئی تو بادشاہ نے کہا۔

تم آگے بڑھ کر یہ پھول توڑو۔

یہ سن کر غریب ملکہ ڈرتے ڈرتے پھول توڑنے کے لیے آگے بڑھی اور جوں ہی اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا' گلاب کے سارے کے سارے پھول اوپر اٹھ جانے کی بجائے اس کی طرف جھک گئے اور اس کے سر پر اس طرح پھیل گئے کہ وہ ان میں چھپ گئی۔ اس کے ساتھ ہی بوڑھے فقیر کی قبر پھٹ گئی اور اس میں سے فقیر کلمہ پڑھتا ہوا زندہ باہر نکل آیا۔

بوڑھے فقیر کا باہر آنا تھا کہ دوسری ساتوں قبریں بھی شق ہوگئیں اور ان میں سے چھ حسین نوجوان اور ایک خوبصورت جوان لڑکی باہر نکل آئی۔ بادشاہ، اس کے ملازم اور ملکائیں ابھی حیرانی میں کچھ سمجھنے بھی نہ پائے تھے کہ بوڑھے فقیر نے بادشاہ کو شروع سے لے کر آخر تک تمام کہانی سنائی اور بتایا کہ اس کے بے گناہ بیٹوں اور بیٹی کے ساتھ کیا کیا بیتی ہے۔

یہ سب کچھ سن کر بادشاہ بہت شرمندہ ہوا۔ اس نے اپنی غریب ملکہ سے معافی مانگی اور بیٹے اور بیٹی اپنی حقیقی ماں سے لپٹ گئے۔ بادشاہ نے اسی وقت اپنے ملازموں کو حکم دیا۔

چھ کی چھ ظالم ملکاؤں کو اسی وقت قتل کر دیا جائے اور ان کے ساتھ ہی اس دائی کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا جائے جس نے بچّوں کو زہر دیا تھا۔

اس کے بعد بوڑھے نے بچّوں کے سر پر پیار کیا اور رخصت ہو کر جنگل کی طرف چلا گیا اور بادشاہ اپنے بچوں اور ملکہ کے ساتھ خوشیاں مناتا ہوا واپس محل کی طرف لوٹ آیا جہاں وہ سب ہنسی خوشی زندگی بسر کرنے لگے۔ لیکن اب ان کے ساتھ ایک بوڑھا اور بوڑھی عورت بھی محلوں میں رہ رہے تھے۔ یہ وہ غریب کسان اور اس کی بیوی تھی جنہوں نے ساتوں بچوں کو پالا تھا۔

.....o.....

# تین سوال

اگلے وقتوں کی بات ہے۔ کسی جگہ دو جاٹ رہتے تھے جو ایک دوسرے کے سگے بھائی تھے۔ چھوٹا بھائی بہت غریب تھا اور بڑی مشکل سے گزر بسر کرتا تھا لیکن بڑا بھائی امیر تھا اور بڑی خوشحالی کی زندگی گزار رہا تھا۔ باوجود اس کے کہ وہ سگا بھائی تھا لیکن اس نے کبھی اپنے غریب بھائی کی مدد نہ کی تھی۔ بلکہ ہمیشہ اسے یہی کہتا رہتا۔

''مفلسی تمہارے مقدر میں لکھی ہوئی ہے۔ تم ہمیشہ غریب رہو گے۔''

چھوٹا بھائی اس کی باتیں سن کر خاموش ہو جاتا۔ وہ بے چارہ محنت مزدوری کر کے اپنا پیٹ پال رہا تھا اور جوں توں کر کے وقت گزار رہا تھا۔ ایک بار اس کے جی میں آئی۔ کیوں نہ کسی دوسرے شہر میں چل کر قسمت آزمائی کروں؟ ہوسکتا ہے خدا میرے دن پھیر دے اور میں بھی چار پیسے کمانے لگوں؟

کئی دنوں کے سوچ بچار کے بعد آخر ایک روز وہ اپنے گھر سے نکل کھڑا ہوا اور جدھر کو منہ اٹھا چل دیا۔ اس نے اپنے دل میں اس بات کا تہیہ کر لیا تھا کہ:

''جب تک میں اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو جاؤں گا' واپس نہیں آؤں گا۔''

اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کدھر جا رہا ہے اور اسے کدھر جانا چاہیے۔ وہ کئی راتیں اور دن چلتا رہا۔ جہاں زیادہ تھک جاتا وہاں کچھ دیر ستا لیتا اور جس جگہ رات پڑتی کچھ وقت کے لیے سو جاتا اور اس کے بعد پھر اپنے سفر پر روانہ ہو جاتا۔ چلتے چلاتے آخر وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں کسی بادشاہ کا محل تعمیر ہو رہا تھا۔ بہت سے معمار' بڑھئی اور کاریگر محل تعمیر کر رہے تھے لیکن ہوتا یہ تھا کہ جب محل ایک طرف سے مکمل ہو جاتا اور کاریگر دوسری طرف سے گئی اسے مکمل کرنے لگتے تو

پہلی طرف کا حصہ خود بخود گر جاتا۔ کاریگر پھر اسے تعمیر کرتے تو دوسرا حصہ زمین پر آ رہتا۔ اس طرح کئی ماہ سے مسلسل محل کی تعمیر ہو رہی تھی مگر وہ ابھی تک آدھا ہی مکمل ہوا تھا۔ اسے بار بار بنایا جاتا اور وہ ہر بار ایک طرف سے گر جاتا۔ تمام کاریگر حیران تھے اور خود بادشاہ بھی پریشان تھا کہ:

''آخر یہ ماجرا کیا ہے؟ اس میں کیا راز ہے؟''

جب جاٹ وہاں پہنچا تو اس نے بھی یہ منظر دیکھا کہ ایک طرف سے دیوار مکمل ہوتی تو دوسری گر جاتی اور اگر اسے دوبارہ اٹھاتے تو پہلے والی خود بخود ٹوٹ جاتی۔ وہ یہ عجیب وغریب بات دیکھ کر کچھ دیر کے لیے وہیں کھڑا ہو گیا اور بنتے گرتے محل کو دیکھنے لگا۔ اتنے میں وہاں بادشاہ آیا اور اس نے اس سے دریافت کیا۔

''اے اجنبی! تم کون ہو اور کہاں جا رہے ہو؟''

اس نے عرض کیا۔

''بادشاہ سلامت میں ایک غریب جاٹ ہوں اور قسمت آزمائی کے لیے کسی دوسرے شہر جا رہا ہوں۔''

اس پر بادشاہ نے اس سے کہا۔

''اے نیک دل مسافر! جب تم اپنی مراد کو پہنچ جاؤ تو مجھ کو ضرور یاد رکھنا۔''

پھر اس نے ذرا نرم لہجے میں کہا۔

''جب تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ تو کسی سے اس کی وجہ معلوم کر کے مجھے بتانا کہ میرا محل اس طرح بننے کے بعد آدھا کیوں گر جاتا ہے؟''

''بہتر حضور! میں کوشش کروں گا۔''

اس نے بادشاہ سے وعدہ کیا اور وہاں سے آگے اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔

جاٹ اپنے سفر پر رواں دواں تھا کہ راستے میں ایک دریا آ گیا۔ وہ مسلسل سفر سے تھک چکا تھا اس لیے کنارے پر بیٹھ کر سستانے لگا اور ساتھ ہی ساتھ سوچنے لگا کہ دریا کیسے پار کیا

جائے؟ ابھی وہ کوئی ترکیب سوچ ہی رہا تھا کہ دریا میں سے ایک بڑا سا کچھوا باہر نکلا اور اس سے پوچھنے لگا۔

''اے مسافر! تم کون ہو اور کہاں جا رہے ہو؟''

جاٹ نے جواب دیا۔

''میں ایک غریب جاٹ ہوں اور قسمت آزمائی کے لیے کسی دوسرے شہر جا رہا ہوں۔''

یہ بات سن کر کچھوا کہنے لگا۔

''اے دوست! جب تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ تو اس مجبور کچھوے کو ضرور یاد رکھنا۔'' اتنا کہہ کر وہ اور قریب آ گیا اور بڑی عاجزی سے بولا۔

''میں دریا کے ٹھنڈے پانی میں رہتا ہوں لیکن اس کے باوجود میں اندرونی طور پر جلتا رہتا ہوں۔ میرے سینے میں ہر وقت آگ سی لگی رہتی ہے۔ مہربانی کر کے کسی سے یہ دریافت کرنا کہ آخر اس کا سبب کیا ہے؟''

''تم فکر نہ کرو۔ میں ضرور معلوم کروں گا۔''

کچھوے نے اسے اپنی پیٹھ پر بٹھا کر دریا پار کرا دیا اور وہ پھر سے اپنے سفر روانہ ہو گیا۔

وہ اپنے سفر پر جا رہا تھا کہ چلتے چلتے اسے شدید بھوک لگی۔ اس نے راستے میں ایک آلوچے کا پیڑ دیکھا جس پر بے شمار آلوچے پکے ہوئے تھے۔ اس نے بھوک مٹانے کی خاطر کچھ پکے پکے آلوچے توڑے اور بیٹھ کر کھانے لگا لیکن جوں ہی اس نے پہلا آلوچہ منہ میں ڈالا تو وہ زہر کی طرح کڑوا نکلا۔ اس نے جلدی سے اسے پھینک کر دوسرا آلوچہ منہ میں ڈالا لیکن وہ بھی انتہائی کڑوا نکلا تھا۔ اس طرح وہ جو بھی آلوچہ منہ میں لیتا وہ کڑوا نکلتا۔ یہاں تک کہ تنگ آ کر اس نے سارے آلوچے پھینک دیئے اور غصّے میں پیڑ کی طرف لپکا کہ اسے توڑ دے۔ وہ کہنے لگا۔

''اس قدر کڑوے آلوچوں والے درخت کا نہ ہونا بہتر ہے۔ اسے توڑ یا کاٹ دیا جائے تا کہ میری طرح دوسرا کوئی دھوکہ نہ کھائے۔''

مگر جب وہ اس کی شاخیں توڑنے لگا تو آلوچے کا درخت فریاد کرتے ہوئے بولا۔

''افسوس! جو بھی میرا پھل کھاتا ہے وہ مجھے یہی کہتا ہے۔ میں خود پریشان ہوں کہ میرا پھل اتنا کڑوا کیوں ہوتا ہے؟''

پھر اس نے جاٹ کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

''اے نیک دل مسافر! تم کون ہو اور کہاں جا رہے ہو؟''

اس نے جواب دیا۔

''میں ایک غریب جاٹ ہوں اور قسمت آزمائی کے لیے کسی دوسرے شہر جا رہا ہوں۔''

یہ سن کر درخت بولا۔

''اے دوست! جب تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ تو مجھ غریب کو ضرور یاد رکھنا اور کسی سے یہ ضرور معلوم کرنا کہ میرا پھل کڑوا کیوں ہوتا ہے؟''

اس نے درخت سے وعدہ کیا۔

''میں ضرور معلوم کر کے تمہیں بتاؤں گا۔''

اس طرح وہ درخت سے وعدہ کر کے پھر اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔

جاٹ کئی روز تک چلتا رہا۔ ایک روز وہ ایک جنگل میں سے گزر رہا تھا کہ اس نے دیکھا: ایک جگہ درختوں کے جھنڈ میں ایک گھاس پھونس کی جھونپڑی بنی ہوئی تھی۔ اس نے سوچا' چلو کچھ دیر یہاں ستا لیتا ہوں۔ یہ سوچ کر وہ جھونپڑی میں چلا گیا۔ وہاں جا کر دیکھا تو ایک بوڑھا فقیر گہری نیند سویا ہوا تھا۔ وہ فقیر بارہ سال تک مسلسل سوتا تھا اور بارہ سال ہی تک متواتر جاگتا تھا۔ جس وقت جاٹ وہاں پہنچا تھا اس وقت اس کو سوئے ہوئے بارہ سال کا عرصہ پورا ہو چکا تھا اور وہ بیدار ہونے ہی والا تھا۔ اسے وہاں پہنچے چند منٹ ہی ہوئے ہوں گے کہ فقیر نیند سے جاگ پڑا اور جب اس نے ایک اجنبی کو اپنے پاس کھڑا دیکھا تو بولا:

''اے بھائی! تم نیند کے دوران میری حفاظت کرتے رہے ہو۔ میں تم سے بہت خوش ہوں۔''

اس کے بعد اس نے اسے دعائیں دیتے ہوئے دریافت کیا۔

''بتاؤ تم کون ہو اور کہاں جا رہے ہو؟''

جاٹ نے اس بوڑھے فقیر کو بھی وہی جواب دیا۔ کہنے لگا۔

''بابا جی! میں ایک غریب جاٹ ہوں اور قسمت آزمائی کے لیے کسی دوسرے شہر جا رہا ہوں۔''

فقیر نے اسے بڑے غور سے دیکھا اور پھر اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔

''بس اور آگے مت جاؤ اور جس راستے سے آئے ہو اسی راستے سے واپس چلے جاؤ۔''

جواب میں جاٹ بڑی عاجزی سے کہنے لگا۔

''بابا جی! میں جس راستے سے آیا ہوں' میں نے اس راستے میں تین وعدے کیے ہیں۔ جب تک مجھے ان تین سوالوں کے جواب نہ ملیں' میں ادھر سے واپس نہیں جا سکتا۔''

بوڑھا فقیر پوچھنے لگا۔

''وہ سوال کیا ہیں؟ مجھے بتاؤ۔''

جاٹ نے اپنے سفر کی پوری تفصیل بتائی اور کہا۔

''پہلے مجھے یہ بتایئے کہ اس بادشاہ کا محل پورا تیار ہونے سے پہلے کیوں گر جاتا ہے؟ وہ ایک عرصے سے اسے بنوا رہا ہے لیکن اس کی صرف ایک طرف مکمل ہوتی ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟''

بوڑھے فقیر نے بتایا۔

''اس بادشاہ کی ایک جوان بیٹی ہے جو شادی کے قابل ہو چکی ہے مگر بادشاہ نے ابھی تک اس کی شادی نہیں کی۔ جب تک وہ اپنی بیٹی کی شادی نہیں کرے گا' اس کا محل اسی طرح گرتا

رہے گا۔اور جب وہ اس کی شادی کر دے گا محل گرنا بند ہو جائے گا۔''

جاٹ نے پھر پوچھا۔

''وہ کچھوا دریا کے ٹھنڈے پانی کی تہہ میں رہتا ہے۔ پھر اس کے سینے میں ہر وقت آگ سی کیوں لگی رہتی ہے۔اس کی کیا وجہ ہے؟''

فقیر نے جواب دیا۔

''اس کچھوے کو اللہ نے دانشمندی کی دولت دی ہے مگر وہ خود غرض ہے' اسے اپنے سینے میں دبائے بیٹھا ہے۔اس سے کہو کہ وہ اپنی آدھی دانشمندی دوسروں میں تقسیم کر دے۔اس کے بعد اس کا سینہ نہیں جلے گا۔''

جاٹ نے تیسرا سوال پوچھا۔

''اب مجھے یہ بتایئے کہ اس آلوچے کے درخت کا پھل کڑوا کیوں ہوتا ہے۔اس کا کیا سبب ہے؟''

بوڑھے فقیر نے اس تیسرے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

''اس آلوچے کے پیڑ کی جڑوں میں خزانہ دفن ہے۔ جب تک وہ خزانہ وہاں دبا رہے گا اس کا پھل کڑوا ہی پیدا ہو گا لیکن اگر وہ خزانہ نکال لیا جائے تو اسے میٹھے آلوچے لگنے لگیں گے۔''

جاٹ کو جب تینوں سوالوں کے جواب مل گئے تو اس نے بوڑھے فقیر کا شکریہ ادا کیا اور سلام کر کے اسی راستے سے واپس چل دیا جدھر سے وہ آیا تھا۔

سب سے پہلے وہ اس آلوچے کے درخت کے پاس پہنچا جس کا پھل کڑوا ہوتا تھا۔

جوں ہی وہ درخت کے قریب گیا درخت جلدی سے پوچھنے لگا۔

''اے نیک دل مسافر! کیا تو نے میرے سوال کا جواب دریافت کیا ہے؟''

اس نے جواب دیا۔

''ہاں! میں نے اس کی وجہ معلوم کر لی ہے۔''

پھر اس نے بتایا۔

''تمہاری جڑوں میں خزانہ دفن ہے۔ جب تک وہ خزانہ نکالا نہیں جائے گا تمہیں میٹھا پھل نہیں لگ سکتا۔''

یہ بات سنتے ہی درخت اس سے منت کرتے ہوئے بولا۔

''اے دوست! خدا کے لیے جتنی جلدی ہو سکے یہ خزانہ کھود کر نکال دو اور اسے میری طرف سے تم اپنے ساتھ لے جاؤ۔ میں تمہارا زندگی بھر ممنون رہوں گا۔''

جاٹ نے اسی وقت درخت کی جڑوں میں کھدائی شروع کر دی۔ ابھی تھوڑا سا گڑھا کھودا تھا کہ اسے ایک بکس دکھائی دیا۔ اس نے اور زمین کھود کر اسے باہر نکالا تو وہ ہیرے جواہرات اور سونے چاندی سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے وہ تمام خزانہ ایک کپڑے میں باندھ لیا اور درخت سے رخصت ہو کر چل دیا۔

جب وہ دریا کے کنارے پہنچا تو اس نے دیکھا' جس کچھوے نے اسے دریا پار کرایا تھا وہ پہلے ہی سے منتظر بیٹھا تھا۔ جوں ہی اس نے جاٹ کو دیکھا جلدی سے بولا۔

''اے دوست! کیا تم نے کسی سے معلوم کیا کہ میں اندر ہی اندر کیوں جلتا رہتا ہوں؟''

''ہاں! میں نے اس کا سبب دریافت کر لیا ہے۔''

جاٹ کی یہ بات سن کر کچھوا بے تابی سے پوچھنے لگا۔

''خدا کے لیے مجھے جلدی بتاؤ تا کہ میں اس عذاب سے چھوٹ جاؤں۔''

جواب میں جاٹ نے اسے بتایا۔

''تمہیں اللہ نے دانشمندی کی دولت دی ہے مگر تم نے خودغرضی سے کام لے کر اسے اپنے سینے میں دبا رکھا ہے۔ جب تک تم اپنی آدھی عقل مندی دوسروں میں تقسیم نہیں کرو گے اس وقت تک اسی طرح اندر ہی اندر جلتے رہو گے۔''

اس کی بات سن کر کچھوے نے کہا۔

''ذرا میرے قریب آ کر جھک جاؤ اور میری بات غور سے سنو۔''

پھر وہ زیر لب بڑبڑایا اور بولا۔

''جاؤ! میں انعام کے طور پر اپنی آدھی دانشمندی تمہیں دیتا ہوں۔''

جاٹ وہاں سے رخصت ہو کر پھر چل دیا اور آخر میں اسی جگہ پہنچ گیا جہاں بادشاہ کا محل تعمیر ہو رہا تھا۔ وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ کاریگر ابھی تک اسی طرح محل کی تعمیر میں لگے ہوئے تھے۔ محل کی اب بھی وہی حالت تھی کہ ایک طرف سے مکمل ہونے کے بعد دوسری طرف سے گر پڑتا تھا۔ بادشاہ نے جاٹ کو دیکھا تو جلدی سے پوچھنے لگا۔

''اے نیک دل مسافر! کیا تم نے میرے محل کے گرنے کی وجہ معلوم کی؟''

''ہاں! میں نے اس کی وجہ معلوم کر لی ہے۔''

بادشاہ بے تاب ہو کر کہنے لگا۔

''مجھے جلدی بتاؤ۔ اس کی کیا وجہ ہے؟''

جواب میں جاٹ نے اسے بتایا۔

''بادشاہ سلامت! آپ کی ایک جوان بیٹی ہے جو شادی کے قابل ہو چکی ہے۔ آپ نے ابھی تک اس کی شادی نہیں کی۔ جب تک اس کی شادی نہیں ہو گی آپ کا محل اسی طرح گرتا رہے گا اور کبھی مکمل نہ ہو سکے گا۔''

بادشاہ نے سنا تو اس سے پوچھنے لگا۔

''کیا تم میری بیٹی سے شادی کرو گے؟''

اس نے جواب دیا۔

''بادشاہ سلامت! اگر آپ مجھے اس قابل سمجھتے ہیں تو میں اس سے ضرور شادی کر لوں گا۔''

چنانچہ اسی وقت بادشاہ نے اپنی بیٹی کی شادی کی تیاریاں شروع کر دیں اور پھر چند ہی روز میں جاٹ کی شہزادی سے شادی ہو گئی۔

شادی کے کچھ عرصہ بعد اس نے اپنے بڑے بھائی کو اپنے پاس بلایا۔ جوں ہی وہ دربار میں آیا اپنے چھوٹے اور غریب بھائی کو شاہی تخت پر بیٹھا دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہے؟ اتنے میں اس کا چھوٹا بھائی بولا:

''تم کہتے تھے کہ مفلسی میرا مقدر ہے۔ یہ کبھی دور نہیں ہو سکتی لیکن دیکھو میں نے اپنی کوشش اور جدوجہد سے اپنی قسمت بنالی ہے۔''

بڑا بھائی بہت شرمندہ تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ میں نے غریبی میں اس کی کبھی مدد نہ کی اور خودغرض بنا رہا' اب نہ جانے یہ میرے ساتھ کیا سلوک کرے؟ مگر چھوٹے بھائی نے اسے معاف کر دیا اور اسے بھی اپنے محل میں بلا لیا۔ اس طرح وہ سب ہنسی خوشی رہنے لگے۔

.....o.....

# بارہ سال بعد

اگلے وقتوں کی بات ہے' کسی ملک میں ایک نیک دل بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اس کی سلطنت بہت بڑی تھی اور رعایا خوشحالی کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ اللہ نے اسے سب کچھ دیا تھا لیکن ایک نعمت سے وہ ابھی تک محروم تھا اور وہ تھی اولاد۔ یہی وجہ تھی کہ بادشاہ ہوتے ہوئے بھی وہ ہر وقت غمگین رہتا تھا۔ وہ اور اس کی ملکہ دونوں ہر وقت اولاد کے لیے تڑپتے رہتے تھے۔ ان کی تمنا تھی کہ ان کا بھی کوئی بیٹی بیٹا ہو جو ان کے محلوں کے رونق بڑھائے اور ان کے دلوں کو تسکین دے لیکن یہ ان کے بس کی بات نہ تھی۔ قدرت نے انہیں سب کچھ دے کر بھی کچھ نہیں دیا تھا۔ وہ بادشاہ ہو کر بھی غریبوں کی قسمت پر رشک کرتے تھے۔ میاں بیوی دن رات خدا کے حضور دعائیں مانگتے کہ:

''اے خدا! ہماری گود بھی ہری کر دے۔ تیرے ہاں کس چیز کی کمی ہے؟''

بادشاہ نے فقیروں محتاجوں کے لیے اپنے خزانوں کے منہ کھول دیئے۔ جو آتا خالی ہاتھ نہ جاتا۔ ہر شخص کی حاجت پوری کی جاتی۔ بادشاہ خود بھی بزرگوں کے پاس جاتا اور ان کی خدمت میں نذر نیاز پیش کر کے عرض کرتا۔

''آپ میرے لیے دعا کریں۔ شاید آپ کی دعا ہی سے میری زندگی بدل جائے۔''

اسے جہاں بھی معلوم ہوتا کہ وہاں کوئی بزرگ یا مست الست فقیر رہتا ہے' وہ پا پیادہ اس کی خدمت میں حاضری دیتا اور اپنی تمنا کا اظہار کرتا۔ لیکن یہ سب کچھ کرنے کے باوجود اس کی امید نہ بر آئی۔ اس طرح دن گزرتے گئے اور بادشاہ روز بروز بوڑھا ہوتا گیا۔

وقت بیت رہا تھا' عمر بڑھ رہی تھی اور بادشاہ ان سب باتوں کا خیال کر کے اور بھی پریشان تھا کہ میرے بعد میری سلطنت کا بوجھ کون اٹھائے گا؟ میرا نام زندہ کون رکھے گا؟ ایک

روز بادشاہ اسی فکر میں اداس بیٹھا تھا کہ اتنے میں وزیر نے عرض کیا۔

''جہاں پناہ! اس غلام کو معلوم ہوا ہے کہ شہر کے قریب ہی ایک بزرگ آ کر ٹھہرا ہے۔ سنا ہے وہ بہت پہنچا ہوا ہے۔''

''تمہیں کیسے معلوم ہوا ہے کہ وہ بہت پہنچا ہوا بزرگ ہے؟''

بادشاہ نے دریافت کیا' جس کے جواب میں وزیر نے دست بستہ عرض کیا۔

''عالی جاہ! شہر کے لوگوں میں عام چرچا ہے کہ وہ جس کے لیے دعا کر دے' اس کی مراد پوری ہو جاتی ہے۔''

وزیر کی یہ بات سن کر بادشاہ کو جیسے زندگی کے اندھیروں میں امید کی کرن نظر آ گئی ہو۔ دل میں کہا' ہوسکتا ہے میری مراد بھی پوری ہو جائے! چنانچہ اس نے وزیر سے کہا۔

''اگر یہ بات ہے تو ہم بھی اس بزرگ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے ہیں۔''

حکم کی دیر تھی۔ اسی وقت انتظامات ہو گئے اور وزیر بادشاہ کو اس بزرگ کے پاس لے گیا۔ بادشاہ نے بڑی عاجزی سے بزرگ کو سلام عرض کیا اور پھر التجا کرتے ہوئے بولا:

''آپ اللہ والے ہیں۔ اس عاجز کے لیے بھی دعا کریں۔''

بزرگ نے آنکھیں اٹھا کر ایک نظر بادشاہ پر ڈالی اور اس کی عاجزی' مجبوری اور انکساری پر اس کا دل پسیج سا گیا۔ اس نے بادشاہ سے کہا:

''تمہیں اللہ نے بادشاہی عطا کی ہے' پھر تمہیں اور کیا چاہیے؟''

اس پر بادشاہ گڑگڑاتے ہوئے بولا:

''حضور! میں اولاد جیسی نعمت سے محروم ہوں۔ آپ میرے حق میں دعا کریں تاکہ اللہ میری یہ تمنا پوری کر دے!''

بزرگ کو بادشاہ کی بے بسی پر رحم آ گیا۔ اس نے چند لمحوں تک سوچا اور پھر اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر اس کے حق میں دعا کی۔ اس کے بعد کہنے لگا:

''تمہاری قسمت میں صرف ایک بیٹا ہے۔لیکن!''

کیا کہا؟ بیٹا؟

بادشاہ نے بے تاب ہو کر بزرگ کے پاؤں پکڑ لیے اور کہنے لگا۔

''مجھے بتایئے۔میرے ہاں بیٹا کب ہوگا؟''

بزرگ نے جواب دیا۔

''تمہاری قسمت میں صرف ایک بیٹا ہے لیکن وہ بارہ سال کی عمر کو پہنچ کر مر جائے گا۔''

یہ بات سن کر بادشاہ خوشی اور غم کے ملے جذبات میں بزرگ کی طرف یُوں دیکھنے لگا جیسے اس سے مدد طلب کر رہا ہو مگر بزرگ نے کہا:

''اللہ کی یہی مرضی ہے۔اس کے کاموں میں کسی کو اختیار نہیں ہے۔''

بادشاہ وزیر کے ساتھ واپس آ گیا۔وہ خوش بھی تھا اور اداس بھی۔خوش اس لیے تھا کہ بزرگ نے بیٹے کی خوش خبری سنائی تھی اور اداس یہ سوچ کر تھا کہ بارہ سال بعد وہ مر جائے گا۔اس نے ملکہ کو بھی بزرگ کی یہ بات بتائی اور پھر وہ دونوں اس گھڑی کے لیے دن گننے لگے جب ان کی برسوں کی تمنا کا پھول کھلنا تھا۔

آخر وہ دن بھی آ گیا جب ملکہ کی گود ہری ہوگئی اور ان کے ہاں ایک نہایت خوبصورت بچہ پیدا ہوا۔بچے کی خوشی میں ملکہ اور بادشاہ پھولے نہ سماتے تھے۔وزیر امیر اور درباری بھی اپنے بادشاہ کی اس خوشی میں برابر کے شریک تھے۔ملک بھر میں جشن عام منانے کا اعلان کر دیا گیا۔انعام واکرام اور نذر و نیاز کے لیے شاہی خزانوں کے منہ کھول دیئے گئے تاکہ ہر شخص اپنے نیک دل بادشاہ کی خوشی میں شامل ہو سکے۔

وقت گزرتے کیا دیر لگتی ہے۔خوشیوں اور راج دربار کے کاموں میں بادشاہ کو پتہ بھی نہ چلا اور ادھر شہزادہ عمر کے بارہویں سال میں داخل ہو گیا۔ملکہ کو یہ بات ابھی تک یاد تھی کہ شہزادہ بارہ برس کی عمر کو پہنچ کر مر جائے گا کیونکہ اس بزرگ نے انہیں یہی بتایا تھا۔لہٰذا جب شہزادہ محل سے

باہر جاتا تو ملکہ اسے دیکھ دیکھ کر ہنستی اور جب واپس محل میں آتا تو اسے دیکھ دیکھ کر روتی۔ شہزادہ اپنی ماں کی اس بات سے بڑا پریشان تھا کہ وہ مجھے دیکھ کر اس طرح ہنستی کیوں ہے اور پھر آنسو کیوں بہاتی ہے؟ ایک دن اس نے اپنی ماں سے پوچھ ہی لیا۔

''ماں! آج مجھے ایک بات بتاؤ۔''

''ہاں بیٹا! پوچھو کیا بات ہے؟''

ماں نے اسے پیار سے دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔

اس پر شہزادہ بولا۔

''جب میں محل سے باہر جاتا ہوں تو تم مجھے دیکھ دیکھ کر ہنستی ہو اور جب میں واپس محل میں آتا ہوں تو تم مجھے دیکھ کر رونے لگتی ہو۔ آخر تم ایسا کیوں کرتی ہو؟''

ملکہ نے اسے ٹالنے کی غرض سے کہا۔

''نہیں بیٹا! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔''

نہیں ماں!

شہزادے نے ضد کرتے ہوئے کہا:

''مجھے یقین ہے۔ کوئی ایسی بات ضرور ہے جو تم مجھ سے چھپا رہی ہو۔''

جب ملکہ نے پھر اسے ٹالنا چاہا تو وہ بولا:

''اگر تم مجھے صحیح صحیح بات نہیں بتاؤ گی تو میں خودکشی کر لوں گا۔ تمہیں یہ بات بتانی ہی پڑے گی۔''

ماں بیچاری مجبور ہو گئی اور اس نے اسے ساری بات بتا دی کہ اس طرح ان کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی' ایک بزرگ نے دعا کی تو ان کی یہ تمنا پوری ہوئی مگر اس بزرگ نے ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا کہ شہزادہ بارہ برس کی عمر کو پہنچ کر مر جائے گا۔ اتنا بتا کر وہ کہنے لگی۔

اب میں تمہیں باہر جاتے ہوئے دیکھ کر اس لیے ہنستی ہوں کہ میری مامتا کو سکون ملتا

ہے۔ میں سوچتی ہوں میرا بھی بیٹا ہے۔ لیکن جب تم محل میں واپس آتے ہو تو مجھے یاد آجاتا ہے کہ بارہ برس کی عمر میں تم مر جاؤ گے اور بارہواں برس شروع ہو چکا ہے۔ یہ سوچ کر میرے آنسو نکل آتے ہیں۔''

اب شہزادے کی سمجھ میں آیا کہ اس کی ماں اسے دیکھ کر ہنستی کیوں ہے؟ اور پھر رونے کیوں لگتی ہے؟ وہ اپنے دل ہی دل میں سوچنے لگا۔

''اگر مجھے بارہ برس کی عمر پوری کر کے مر ہی جانا ہے تو کیوں نہ یہاں سے کہیں اور چلا جاؤں۔ ماں باپ کی آنکھوں کے سامنے مروں گا تو انہیں اور زیادہ دکھ ہوگا۔''

شہزادہ کچھ روز تک اپنے دل میں ارادے باندھتا رہا اور آخر ایک رات کو اس نے چپکے سے اپنی کمان سنبھالی اور محل سے نکل آیا اور چھپتا چھپاتا شہر سے باہر آ گیا۔ پھر جس طرف اس کا منہ اٹھا اسی طرف کو چل دیا۔

وہ رات بھر چلتا رہا یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ اسے کچھ خبر نہ تھی کہ وہ کہاں جا رہا ہے' کیوں جا رہا ہے؟ جب صبح ہوئی تو وہ ایک جنگل میں پہنچ چکا تھا۔ اس نے وہاں ایک جگہ دیکھا تو تین آدمی آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ وہ تینوں چور تھے جو لوٹے ہوئے سامان کی تقسیم پر آپس میں الجھ رہے تھے۔ ان تینوں کے پاس تین چیزیں تھیں۔ ایک تو لکڑی کی کھڑاؤں کا جوڑا تھا جسے پہن کر کہیں بھی اُڑ کے جایا جا سکتا تھا۔ دوسری ایک چادر تھی جو اگر مردے پر ڈال دی جائے تو مرنے والا پھر سے زندہ ہو جاتا تھا۔ اور تیسری ایک چھوٹی سی دیگ تھی جس میں ایک بار چاول پکا دینے سے سارا شہر پیٹ بھر کے کھانا کھا سکتا تھا اور دیگ پھر بھی بھری رہتی تھی۔ اس وقت وہ تینوں چور اس بات پر جھگڑ رہے تھے کہ ہر ایک وہی چیز لینا چاہتا تھا جو دوسرے کو پسند تھی۔ اگر ایک کہتا۔

میں کھڑاؤں لوں گا۔

تو دوسرا بھی کہتا۔

کھڑاؤں میں لوں گا۔

اور پھر تیسرا بھی یہی مطالبہ کرتا کہ:

''کھڑاؤں تو میں لوں گا۔''

اسی طرح دوسری دونوں چیزوں کا قضیہ تھا۔ لہٰذا ان کا جھگڑا ختم ہونے کی کوئی سبیل نظر نہ آتی تھی۔ وہ تینوں آپس میں جھگڑ رہے تھے کہ شہزادہ بھی ان کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ چوروں نے اسے دیکھا تو ایک دوسرے سے کہنے لگے۔

''چلو! اس لڑکے سے فیصلہ کرا لیتے ہیں۔''

پھر تینوں نے شہزادے کو تینوں چیزوں کے بارے میں بتایا کہ اس طرح کھڑاؤں آدمی کو اڑا کر لے جا سکتی ہے۔ چادر سے مردہ زندہ ہو سکتا ہے اور دیگ سے پورا شہر پیٹ بھر کر کھانا کھا سکتا ہے۔ اور اب ہم میں ان تینوں کی تقسیم پر جھگڑا ہو رہا ہے۔ یہ سب کچھ بتانے کے بعد چور کہنے لگے۔

''اب تم ہمارا فیصلہ کرو کہ کون سی چیز کس کو ملنی چاہیے؟''

شہزادہ ان کی بات سن کر بولا:

''میں ایک بادشاہ کا بیٹا ہوں اس لیے میں تمہارا فیصلہ کر سکتا ہوں لیکن ایک شرط پر۔''

''وہ کیا؟''

تینوں چوروں نے دریافت کیا تو شہزادے نے کہا:

''وہ شرط یہ ہے کہ تم تینوں کو میرا فیصلہ قبول کرنا ہوگا۔''

اس پر چور بیک آواز بولے۔

''ہمیں تمہاری شرط منظور ہے۔ تم جو فیصلہ کرو گے ہم اسے تسلیم کر لیں گے۔''

یہ بات طے ہونے کے بعد شہزادے نے ان سے کہا۔

''دیکھو! میں تین اطراف میں تین تیر پھینکتا ہوں' تم تینوں وہ تیر پکڑ کر لاؤ۔ جو سب سے پہلے آئے گا اسے اڑنے والی کھڑاؤں ملے گی۔ جو دوسرے نمبر پر پہنچے گا اسے چادر ملے گی۔ اور جو آخر میں آئے گا اس کے حصے میں دیگ آئے گی۔''

چوروں کو شہزادے کی یہ تجویز پسند آئی۔ وہ کہنے لگے:

''ہمیں یہ فیصلہ منظور ہے۔ تم ابھی تیر پھینکو۔''

شہزادے نے کاندھے سے کمان اتار کر اس میں تیر چڑھایا اور پھر باری باری تین سمتوں میں تین تیر پھینک کر بولا۔

''اب تم جاؤ اور تیر لاؤ۔''

تینوں چور تیروں کی تلاش میں چلے گئے۔ پیچھے جب شہزادے نے میدان صاف دیکھا تو اس نے جلدی سے دیگ چادر پر رکھی اور اڑنے والی کھڑاؤں پہن کر چادر پکڑ کر بولا۔

''اے کھڑاؤں! مجھے کسی حسین شہزادی کے دیس پہنچا دو۔''

شہزادے کے منہ سے یہ الفاظ نکلنے کی دیر تھی کہ پلک جھپکتے میں وہ شہزادی کوکلاں کے دیس میں پہنچ گیا۔

ادھر جب تینوں چور اپنا اپنا تیر تلاش کر کے واپس آئے تو انہیں پتہ چلا کہ ان کے ساتھ دھوکہ ہوا ہے۔ لیکن اب وہ کر بھی کیا کر سکتے تھے؟ رو پیٹ کر خاموش ہو گئے۔

شہزادی کوکلاں کے شہر میں پہنچ کر شہزادہ ایک بھٹیارن کے پاس رہنے لگا۔ وہ بھٹیارن بوڑھی تھی۔ نہ اس کا کوئی بیٹا تھا اور نہ بیٹی۔ شہزادے نے اس سے کہا۔

''آج سے تم میری ماں ہو اور میں تمہارا بیٹا! میں تمہارے لیے ایندھن اکٹھا کر کے لایا کروں گا اور تمہارے کام میں ہاتھ بٹاؤں گا۔''

بڑھیا نے دل میں سوچا' چلو کوئی دکھ سکھ میں ساتھ دینے والا تو ملا۔ اور اس طرح وہ دونوں ماں بیٹا بن کر رہنے لگے۔

شہزادہ دن بھر بڑھیا کے کاموں میں ہاتھ بٹاتا۔ جب رات ہو جاتی اور محنت مشقت سے تھک کر بڑھیا سو جاتی تو وہ آہستہ سے اٹھتا اور اڑنے والی کھڑاؤں پہن کر کہتا۔

''[illegible] مجھے شہزادی کوکلاں کے محل میں پہنچا دو۔''

اس طرح چند ہی لمحوں میں وہ شہزادی کو کلاں کے محل میں پہنچ جاتا۔ یہ اس کا روز کا معمول تھا۔ وہ ہولے سے سوئی ہوئی شہزادی کے پاس پہنچ کر کبھی اس کی انگشتری اٹھالاتا' کبھی ہار لے آتا اور کبھی جوتا اٹھالاتا اور پھر واپس گھر آ کر سو جاتا۔ اس طرح اس کے جانے کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی اور خود بڑھیا کو بھی پتہ نہ چلتا۔

ادھر شہزادی بہت پریشان تھی کہ:

''یہ قصہ کیا ہے؟ پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا تھا؟''

شہزادہ اسے زیادہ پریشان کرنا چاہتا تو کبھی گذشتہ رات کی اٹھائی ہوئی کوئی چیز واپس رکھ آتا اور اس کی جگہ کوئی دوسری چیز اٹھالاتا۔ وہ ہر رات اسی طرح کرتا اور ہر صبح کو شہزادی بیدار ہو کر کوئی نئی چیز غائب پاتی اور پریشان ہوتی۔ اس نے اپنے طور پر بہت کوشش کی کہ کسی طرح چور کا پتہ چل جائے لیکن اسے ناکامی ہوئی۔ آخر جب وہ تنگ آ گئی تو اس نے اپنے باپ سے ذکر کیا کہ اس طرح ہر رات کوئی شخص اس کی کوئی نہ کوئی چیز اٹھالے جاتا ہے۔ پتہ نہیں وہ کون ہے؟ بادشاہ نے شہزادی کی یہ بات سنی تو بڑا حیران ہوا۔ کہنے لگا

''یہ کیسے ممکن ہے؟''

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس قدر سخت پہرے کے باوجود شہزادی کے محل میں کون آ سکتا ہے؟ شہزادی کے محل اور پھر اس کے کمرے تک کسی کا پہنچنا ناممکن سی بات تھی۔ اس نے کہا۔

''محل کے چاروں طرف تو پہرہ ہے' پھر یہاں کون آ سکتا ہے؟''

لیکن جب شہزادی کو کلاں نے اپنے باپ کو یقین دلایا کہ ایسا ہوتا ہے اور ہر رات ہوتا ہے تو اسے بھی تشویش ہوئی۔ اس نے حکم دیا۔

''شہزادی کے محل کے پہریداروں کی تعداد بڑھا دی جائے اور اس بات پر کڑی نظر رکھی جائے کہ رات کو کوئی شہزادی کے کمرے میں نہ جانے۔''

حکم ملتے ہی پہریداروں میں اضافہ کر دیا گیا اور پہرہ دینے والے پہلے سے بھی زیادہ

چوکنا ہو گئے۔ انہوں نے اور کڑی نگرانی شروع کر دی لیکن یہ تمام تدبیریں بیکار ثابت ہوئیں۔ اب بھی ہر رات شہزادی کی کوئی نہ کوئی چیز غائب ہو جاتی تھی۔ سب لوگ اپنی اپنی جگہ پریشان تھے۔ پہریدار اور کنیزیں الگ خوف زدہ رہتی تھیں کہ کہیں چوری کے الزام میں ان کی جان نہ چلی جائے۔ کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ کیا کیا جائے؟ آخر ایک روز بادشاہ نے اپنے وزیر سے مشورہ کیا اور پوچھا۔

''اے وزیر با تدبیر! تم ہی بتاؤ اس روز روز کی پریشانی سے کیوں کر چھٹکارا حاصل کیا جائے؟''

بادشاہ کا وزیر بہت ذہین تھا۔ اس نے تھوڑی دیر تک غور کیا' سوچا اور پھر بولا۔

''جہاں پناہ! اس غلام کے ذہن میں ایک تجویز آئی ہے۔''

وہ کیا؟ ہمیں بھی بتائی جائے؟

بادشاہ نے جلدی سے دریافت کیا جس پر وزیر کہنے لگا۔

''عالی جاہ! بہت سا ایسا عطر منگوایا جائے جس کی خوشبو ختم نہ ہو سکتی ہو۔ یہ عطر کسی بڑے کھلے برتن میں اس طرح شہزادی کی مسہری کے پاس رکھ دیا جائے کہ آنے والا کو پتہ نہ چل سکے اور وہ مسہری تک پہنچنے سے پہلے اس برتن میں گر پڑے۔ اس طرح اس کے کپڑوں میں خوشبو بس جائے گی اور چور کا پکڑنا آسان ہو جائے گا۔''

بادشاہ کو وزیر کی یہ تجویز پسند آئی۔ اس نے خوش ہو کر کہا۔

''اچھا! آج یوں ہی کیا جائے۔''

اسی وقت ایسا عطر مہیا کیا گیا جو ایک بار کپڑوں میں لگا دینے سے عرصہ تک بسا رہتا تھا۔ اس کے بعد اسے ایک بہت بڑے کھلے برتن میں ڈال کر شہزادی کو کلاں کی مسہری کے قریب اس طرح رکھ دیا گیا کہ کسی کو پتہ نہ چل سکتا تھا اور آنے والے کا اس میں گر جانا یقینی تھا۔

دوسری طرف شہزادہ ان انتظامات سے بالکل بے خبر تھا۔ جوں ہی رات ہوئی وہ اپنے

معمول کے مطابق اٹھا اور کھڑاؤں پہن کر بولا۔

''اے کھڑاؤں! مجھے شہزادی کوکلاں کے محل میں پہنچادو۔''

کہنے کی دیر تھی کہ وہ شہزادی کے محل میں پہنچ گیا۔

روز کی طرح وہ آج بھی دبے دبے پاؤں شہزادی کی مسہری کے پاس پہنچا۔لیکن جوں ہی اس نے قدم آگے بڑھایا دھڑام سے عطر بھرے ہوئے برتن میں جا گرا۔اس کے گرنے کی آواز سے شہزادی نیند سے بیدار ہوگئی لیکن پیشتر اس کے کہ وہ شہزادے کو پکڑتی یا شور کر کے پہریداروں کو بلاتی؛ شہزادے نے جلدی سے کھڑاؤں سے کہا۔

''اے کھڑاؤں! مجھے واپس گھر لے چلو۔''

اور پھر چند ہی لمحوں بعد وہ دوبارہ بھٹیارن کے گھر میں تھا۔لیکن اس وقت اس کے تمام کپڑے عطر میں تربہ تر تھے اور گھر میں چاروں طرف خوشبو ہی خوشبو پھیل رہی تھی۔ چنانچہ صبح اٹھ کر اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ رات والے کپڑے اتار دیئے اور بھٹیارن کو دے کر کہا۔

''ماں! انہیں کسی دھوبی کو دے آؤ تا کہ دھل جائیں۔''

بڑھیا نے اس سے کپڑوں میں اس قدر خوشبو بسنے کی وجہ پوچھی تو اس نے اِدھر اُدھر کا کوئی بہانہ کر کے ٹال دیا اور بڑھیا وہ کپڑے دھوبی کو دے آئی۔ اِدھر دھوبی نے جب دیکھا کہ کپڑوں میں سے عطر کی بڑی پیاری خوشبو آ رہی ہے تو اس نے سوچا۔

''کیوں نہ یہ لباس پہن کر ذرا بازار کی سیر کروں؟''

اس بیچارے نے اپنی زندگی میں کبھی اتنی پیاری اور اچھی خوشبو والا عطر نہیں سونگھا تھا۔ چنانچہ اس نے شہزادے کے عطر میں بسے ہوئے کپڑے پہن لیے اور گھومنے کے لیے بازار نکل گیا۔

دوسری طرف بادشاہ نے شہر بھر میں اپنے ملازم چھوڑ رکھے تھے اور انہیں ہدایت تھی کہ اگر وہ کسی ایسے شخص کو دیکھیں جس کے پورے لباس میں سے اس قسم کے عطر کی خوشبو آ رہی ہو تو اسے فوراً گرفتار کر کے دربار میں پیش کر دیا جائے۔

بھلا دھوبی کو اس کی کیا خبر ہوتی؟ وہ جوں ہی بازار میں سیر کے لیے نکلا اور ابھی چند قدم ہی گیا ہو گا کہ شاہی ملازموں نے اسے پکڑ لیا اور پوچھا۔

''تم نے یہ لباس کہاں سے لیا ہے؟''

دھوبی ڈر گیا اور اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا۔

''یہ لباس میرا نہیں ہے۔ میں تو دھوبی ہوں۔ یہ میرے پاس دھلنے کے لیے آیا تھا۔ مجھے اس میں بسی ہوئی خوشبو اچھی لگی اس لیے پہن کر آ گیا ہوں۔''

شاہی خادموں نے پوچھا۔

''اگر یہ لباس تمہارا نہیں ہے تو پھر بتاؤ کس کا ہے؟ اگر تم نے سچ سچ نہ بتایا تو تمہیں گرفتار کر کے بادشاہ سلامت کے حضور میں پیش کر دیا جائے گا۔''

دھوبی کو تو اپنی جان پیاری تھی۔ وہ شاہی ملازموں کو اپنے ساتھ لیے اس بوڑھی بھٹیارن کے پاس لے آیا اور بتایا۔

''یہ کپڑے مجھے اس بھٹیارن نے دھونے کے لیے دیئے ہیں۔''

شاہی کارکنوں نے بھٹیارن سے دریافت کیا۔

''کیوں مائی! یہ لباس تم نے دھونے کے لیے اس دھوبی کو دیا تھا؟''

جواب میں بڑھیا بولی۔

''جی ہاں حضور! یہ لباس میں نے ہی اسے دھونے کے لیے دیا ہے لیکن یہ میرا نہیں ہے۔''

اگر تمہارا نہیں تو پھر کس کا ہے؟

شاہی ملازموں نے اسے ڈانٹ کر پوچھا۔ اس پر بڑھیا نے بتایا۔

''یہ لباس میرے بیٹے [illegible] ہے۔''

اس کے بعد اس نے شہزادی کو ان سے ملا دیا اور شاہی ملازموں نے دھوبی اور بھٹیارن

کو چھوڑ کر شہزادے کو گرفتار کر لیا۔ انہوں نے دھوبی سے وہ لباس بھی لے لیا اور شہزادے کو لا کر دربار میں حاضر کر دیا۔

''جہاں پناہ! یہی وہ نوجوان ہے جس کا یہ لباس ہے۔''

بادشاہ تو پہلے ہی سے منتظر بیٹھا تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ چور گرفتار ہو کر سامنے کھڑا ہے تو شہزادے کو مخاطب کرتے ہوئے شاہی رعب و جلال سے پوچھا۔

''اے نوجوان! کیا تم ہی ہر رات شہزادی کے محل میں جاتے ہو؟''

شہزادے نے جواب دیا۔

''جی ہاں! میں ہی رات کو محل میں جاتا ہوں۔''

بادشاہ نے غصّے میں دریافت کیا۔

''کیا تم ہی شہزادی کی انگشتری لائے تھے؟''

شہزادے نے پھر اسی طرح جواب دیا۔

''جہاں پناہ! میں ہی وہ شخص ہوں جو شہزادی کی انگشتری لایا تھا۔''

اس پر بادشاہ اور بھی غضب ناک ہو کر بولا۔

''کیا شہزادی کا ہار بھی تم ہی لائے تھے؟''

شہزادہ بولا۔

''ہاں عالی جاہ! میں ہی لایا تھا۔''

بادشاہ کو بہت غصہ آیا کہ کس دیدہ دلیری سے نوجوان اپنا جرم قبول کر رہا ہے۔ اس نے گرج کر کہا۔

''اور کیا تم ہی شہزادی کی جوتی چوری کر کے لائے تھے؟''

شہزادہ اسی اطمینان سے بولا۔

''جی ہاں میں نے ہی شہزادی کی جوتی چرائی تھی۔''

بادشاہ کو سارا ثبوت مل چکا تھا۔ مجرم خود قبول کر رہا تھا کہ یہ سارے کام اسی نے کیے ہیں۔ اس نے ایک بار پھر گرج کر کہا۔

''تمہیں معلوم ہے اس جرم کی سزا موت ہے؟''

شہزادے نے اس بار بھی اسی لہجے میں کہا۔

''جی ہاں! مجھے معلوم ہے۔''

اب بادشاہ نے وزیر کی طرف دیکھا اور اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''اس نوجوان کو کل سرعام پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔ اس کی سزا یہی ہے۔''

پھانسی کا حکم دینے کے بعد بادشاہ نے شہزادہ سے دریافت کیا۔

''اے نوجوان! اگر تمہاری آخری خواہش ہے تو بتاؤ وہ پوری کی جائے گی؟''

اس پر شہزادے نے عرض کیا۔

''جہاں پناہ! میری دو تمنائیں ہیں۔''

کہو! ہم تمہاری دونوں تمنائیں پوری کریں گے۔

بادشاہ کے اتنا کہنے پر شہزادہ بولا۔

''عالی جاہ! میری ایک تمنا تو یہ ہے کہ پھانسی سے پہلے مجھ سے میری ماں کو ملا دیا جائے اور دوسری تمنا یہ ہے کہ پھانسی دینے کے بعد میری لاش میری ماں کے سپرد کر دی جائے۔''

بھلا بادشاہ کو یہ معمولی قسم کی دو تمنائیں پوری کرنے میں کیا عذر ہو سکتا تھا۔ اس نے شہزادے کی طرف سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ما بدولت وعدہ کرتے ہیں کہ تمہاری یہ دونوں خواہشیں پوری کی جائیں گی۔''

دوسرے روز جب شہزادے کو پھانسی دی جانے لگی تو اس کی تمنا کے مطابق بوڑھی بھٹیارن کو اس سے ملایا گیا۔

شہزادے نے پہریداروں سے ذرا دور ہٹ کر آہستہ سے بڑھیا سے کہا۔

''ماں! مجھے تو اب پھانسی دی جانے والی ہے۔ میں نے بادشاہ سے عہد لے لیا ہے کہ پھانسی کے بعد میری لاش تمہیں دے دی جائے۔ تم میری لاش گھر لے جانا اور کفنانے دفنانے سے پہلے میری لاش پر وہ چادر ڈال دینا جو میں ساتھ لایا تھا۔''

بڑھیا سے اتنا کہنے کے بعد اس نے پھر اسے تاکید کی۔

''دیکھنا ماں! اس میں غلطی نہ کرنا۔ میری لاش پر وہ چادر ضرور ڈال دینا۔''

بڑھیا نے روتے ہوئے کہا۔

''بیٹا! جیسے تم نے کہا ہے ایسے ہی کروں گی۔''

دراصل اس وقت شہزادہ پورے بارہ برس کا ہو چکا تھا اور اس کے باپ کے لیے دعا کرنے والے بزرگ کے کہنے کے مطابق بارہ سال کی عمر پوری کرنے کے بعد اسے مرجانا تھا۔ لہٰذا شہزادے کو پھانسی دے دی گئی اور پھانسی کے بعد بادشاہ کے حکم کی تعمیل میں اس کی لاش بوڑھی بھٹیارن کے حوالے کر دی گئی۔

بڑھیا شہزادے کی وصیت کے مطابق اس کی لاش گھر لے آئی۔ اس نے اس پر وہی چادر ڈال دی جو شہزادہ اپنے ساتھ لایا تھا اور جو اس نے چوروں سے حاصل کی تھی۔ چادر کا لاش پر ڈالنا تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے شہزادہ کلمہ پڑھتا ہوا اٹھ کر بیٹھ گیا۔ بڑھیا نے اسے دوبارہ زندہ دیکھا تو بڑی حیران ہوئی اور خوفزدہ سی ہو کر دور ہٹ گئی لیکن جب شہزادے نے اس چادر کی ساری بات بتائی تو وہ خوشی میں اس سے لپٹ گئی اور کہا۔

''بیٹا! میری خوشی تو اسی میں ہے کہ اب چاہے کچھ بھی ہو وہ شہزادی کو کلاں کو لے کر ہی آ۔''

اس پر شہزادے نے اسے اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔

''ماں! تم فکر نہ کرو۔ میں شہزادی کو ضرور لاؤں گا۔''

جب رات ہو گئی تو شہزادہ اسی طرح آہستہ سے اٹھا اور کھڑاؤں پہن کر بولا۔

''اے کھڑاؤں! مجھے شہزادی کوکلاں کے محل میں پہنچادو۔''

اس نے اتنا کہا اور پھر دوسرے ہی لمحے وہ شہزادی کے محل میں تھا۔ شہزادی تو اس کی طرف سے بے غم ہو چکی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ اس کی چیزیں چرانے والا نوجوان پھانسی پا چکا ہے۔ اس لیے وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ شہزادے نے آہستہ سے اس کی انگشتری اٹھائی اور واپس آ کر اپنے گھر میں سو رہا۔ دوسرے روز صبح شہزادی جب بیدار ہوئی تو اس نے دیکھا' پھر اس کی انگشتری غائب ہے۔ اب بھلا انگشتری کون لے جا سکتا تھا؟ چور کو تو پھانسی ہو چکی تھی۔ اس نے دل میں سوچا۔

''شاید میں کہیں رکھ کے بھول گئی ہوں۔''

وہ اتنا سوچ کر خاموش ہو رہی لیکن دوسری رات پھر شہزادہ اس کا ہار اٹھا لایا۔ صبح جب شہزادی نے یہ دیکھا کہ آج اس کا ہار غائب ہے تو اس کا دل دھڑکا۔ لیکن اسکی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ جب چور کو پھانسی دے دی گئی ہے تو اب یہ چیزیں کون چرا رہا ہے؟ کنیزوں باندیوں میں اتنی جرأت نہیں ہو سکتی تھی کہ شہزادی کی بیش قیمت چیزیں چرا لیں اور باہر سے کوئی محل میں آ نہیں سکتا تھا۔ شہزادی اسی شش و پنج میں تھی کہ تیسری رات شہزادہ جب شہزادی کے محل میں گیا تو اپنے ساتھ اپنی چادر اور دیگ بھی لیتا گیا۔ محل میں پہنچ کر وہ دبے پاؤں شہزادی کی مسہری کے پاس گیا۔ اس وقت شہزادی کوکلاں گہری نیند سو رہی تھی۔ شہزادے نے ہولے سے اپنا ایک پاؤں مسہری کے ساتھ باندھ دیا اور کھڑاؤں کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

''اے کھڑاؤں! مجھے میرے وطن میرے باپ کے شاہی باغ میں لے چلو۔''

اتنا کہنے کے ساتھ ہی وہ شہزادی کوکلاں کی مسہری سمیت فضا میں اڑنے لگا اور چند ہی لمحوں میں اپنے ملک پہنچ گیا۔ جب وہ اپنے باپ کے شاہی باغ میں اُترا تو شہزادی ابھی تک مسہری پر گہری نیند میں تھی۔ شہزادہ اسے اس طرح سوتے ہوئے دیکھ کر سوچنے لگا۔

''ابھی رات باقی ہے۔ کیوں نہ تھوڑی دیر میں بھی آرام کر لوں۔ اب شہزادی کہیں جا تو سکتی نہیں'' اور یہ سوچ کر اس نے مسہری سے بندھا ہوا اپنا پاؤں کھول دیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی

تینوں چیزیں قریب ہی رکھ دیں اور خود بھی مسہری پر ایک طرف لیٹ کر سو گیا۔

صبح ہی صبح جب شہزادی کوکلاں نیند سے بیدار ہوئی تو اس نے اپنے آپ کو محل کی بجائے ایک باغ میں سوئے ہوئے پایا۔ وہ بڑی حیران تھی یہ کیا ماجرا ہے؟ اس نے دیکھا تو ایک طرف شہزادہ بے خبر سو رہا تھا اور مسہری کے پاس ہی زمین پر ایک چادر، ایک دیگ اور کھڑاؤں رکھی ہوئی تھی۔ یہ دیکھ کر شہزادی سمجھ گئی کہ یقیناً یہ نوجوان مجھے ان چیزوں کی مدد سے اڑا کر یہاں لے آیا ہے۔ وہ دھیرے سے مسہری سے نیچے اتری اور پھر گہری نیند سوئے ہوئے شہزادے کو نہایت آہستہ سے اٹھا کر زمین پر لٹا دیا۔ شہزادہ اس وقت اس قدر بے خبر سویا ہوا تھا کہ اسے پتہ بھی نہ چلا کہ اس کا جادو اسی پر چل رہا ہے۔ جب شہزادی اسے زمین پر لٹا چکی تو اس نے دیگ، چادر اور کھڑاؤں کو مسہری پر رکھا اور دیگ کو مخاطب کرتے ہوئے بولی۔

''اے دیگ! مجھے وہیں لے چل جہاں سے لائی ہے۔''

مگر مسہری اپنی جگہ سے نہ ہلی۔ اس نے اب چادر کو مخاطب کر کے کہا۔

''اے چادر! مجھے وہیں لے چل جہاں سے لائی ہے۔''

لیکن اس بار بھی مسہری اسی جگہ پڑی رہی۔ شہزادی کو یہ بھی خطرہ تھا کہ کہیں شہزادہ جاگ نہ پڑے۔ اب کی اس نے کھڑاؤں پہن کر مسہری کو پکڑ لیا اور بولی۔

''اے کھڑاؤں! مجھے وہیں لے چلو جہاں سے لائی ہو۔''

کھڑاؤں سے اس کا اتنا کہنا تھا کہ آن کی آن میں شہزادی مسہری سمیت اپنے محل میں جا پہنچی۔ وہ شہزادے کی تینوں چیزیں بھی اپنے ساتھ لے آئی تھی۔

ادھر جب شہزادہ دن چڑھے اٹھا تو یہ دیکھ کر بہت پریشان ہوا کہ وہاں نہ شہزادی کوکلاں تھی اور نہ اسے اپنی تینوں چیزیں دکھائی دے رہی تھیں۔ اب وہ دل میں پچھتا رہا تھا کہ کاش میں یوں بے خبر نہ سوتا!

لیکن اب تو جو ہونا تھا' وہ ہو چکا تھا۔ وہ جس طرح پہلے اپنے گھر سے خالی ہاتھ نکلا تھا اسی طرح ایک بار پھر بے سروساماں ہو کر رہ گیا تھا۔ ایک تو اس کے جی میں آئی کہ کیوں نہ باپ کے پاس چلا جاؤں۔

مگر پھر اس نے اپنے دل میں اس بات کا پکا ارادہ کر لیا کہ

''اب تو چاہے کچھ ہو' میں شہزادی کوکلاں کو ساتھ لے کر ہی گھر جاؤں گا۔''

اور یہی کچھ سوچ کر وہ اپنے ماں باپ سے ملے بغیر پھر واپس شہزادی کوکلاں کے دیس کی طرف چل دیا۔

کالے کوسوں کا سفر اور شہزادہ پیدل۔ نہ کوئی ساتھی اور نہ سہارا لیکن اس نے مشکلات اور مصائب کی پروا نہ کی اور ہمت سے کام لے کر اپنا سفر جاری رکھا۔ وہ دن رات چلتا اور جب کہیں تھک کر نڈھال ہو جاتا تو وہاں کچھ دیر آرام کر لیتا۔ جنگلوں میں سے پھل پھلاری کھا کر پیٹ بھر لیتا اور پھر سے اپنا سفر جاری رکھتا۔ اسی طرح چلتے چلاتے ایک روز وہ نہ جانے کس منزل سے گزر رہا تھا کہ تھک ہار کر بے دم سا ہو گیا۔ اس نے دل میں سوچا۔

''چند گھڑیاں آرام کر لوں۔ پھر آگے چلوں گا۔''

قریب ہی ایک بہت بڑا گھنا درخت تھا' وہ اس کی چھاؤں میں لیٹ گیا۔ اس درخت کی دو شاخوں پر ایک طوطا اور ایک مینا بیٹھے ہوئے تھے۔ شہزادہ ابھی غنودگی کے عالم ہی میں تھا کہ اس نے سنا' طوطا اور مینا آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ مینا کہنے لگی۔

''اے طوطے! کوئی بات سناؤ۔''

جواب میں طوطا بولا۔

''پہلے تم سناؤ!''

اس پر مینا نے کہا۔

''جس شاخ پر میں بیٹھی ہوں اگر اس شاخ کے کوئی پتے کھا لے تو وہ انسان سے بندر

بن سکتا ہے۔''

اس کے جواب میں طوطے نے کہا۔

''یہ کون سا کمال ہے۔ جس شاخ پر میں بیٹھا ہوں' اگر بندر بننے والا آدمی اس کے پتے کھالے تو وہ دوبارہ انسان کے رُوپ میں آ سکتا ہے۔''

طوطا اور مینا تھوڑی دیر باتیں کرنے کے بعد اڑ گئے۔ ان کے جاتے ہی شہزادے نے اٹھ کر دونوں شاخوں سے تھوڑے تھوڑے پتے توڑ کر الگ باندھ لیے۔ اور اس کے بعد وہ پھر سے اپنی منزل کی طرف چل دیا۔

شہزادی کوکلاں کا شہر اتنا دور تھا کہ شہزادہ نہ جانے کتنا عرصہ سفر کرتا رہا۔ راستے میں کوئی شہر آ جاتا تو وہ کچھ روز وہاں ٹھہر جاتا۔ تھوڑی بہت محنت مزدوری کرتا اور اس کے بعد پھر آگے کی طرف چل دیتا۔ اس طرح کئی برسوں کے بعد آخر کار وہ پھر سے شہزادی کوکلاں کے شہر میں پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر وہ سیدھا اسی بڑھیا کے پاس گیا۔ اسے اپنی بپتا کی پوری کہانی سنائی اور پھر پہلے کی طرح اس کا بیٹا بن کر رہنے لگا۔

شہزادہ شہزادی کوکلاں کے شہر پہنچ تو گیا تھا لیکن اڑنے والی کھڑاؤں نہ ہونے کی وجہ سے اب وہ بے بس تھا۔ اب نہ وہ رات کے وقت شہزادی کے محل میں جا سکتا تھا اور نہ اس سے ملنے کی کوئی اور سبیل تھی۔ اس پر بھی اس نے ہمت نہ ہاری اور کوئی ایسی تدبیر سوچنے لگا جس سے اپنی کھوئی ہوئی دیگ' چادر اور کھڑاؤں دوبارہ حاصل کر سکے۔ اس نے کچھ روز شہر میں ادھر ادھر محنت مزدوری کی اور جب چار پیسے جمع ہو گئے تو ایک روز وہ بہت سے لڈو لایا۔ اس نے ان لڈوؤں میں سے پانچ لڈو الگ کر کے ان میں درخت کے وہ پتے پیس کر ڈال دیئے جو وہ ساتھ لایا تھا اور جن کے کھانے سے انسان بندر بن جاتا تھا۔ اس کے بعد اس نے بوڑھی بھٹیارن سے کہا۔

''ماں! آج تم میرا ایک بہت ضروری کام کر دو۔''

بڑھیا خوش ہو کر بولی۔

''بتاؤ بیٹا! کیا کام ہے؟ میں ضرور کروں گی۔''

شہزادے نے اسے وہ سارے لڈو دیئے اور کہا۔

''یہ تمام لڈو شہزادی کو کلاں کے محل میں لے جاؤ اور وہاں اس کی سہیلیوں اور کنیزوں کو بانٹ دینا۔ جب کوئی پوچھے تو کہہ دینا' میرے بیٹے کے گھر میں خوشی ہوئی ہے۔''

اتنا کہنے کے بعد اس نے وہ پانچ لڈو بھی اسے دیئے جن میں اس نے درخت کے پتے پیس کر ڈال دیئے تھے اور ساتھ ہی کہا۔

اور یہ پانچ لڈو صرف شہزادی کو دینا یہ کسی اور کو ہرگز مت دینا!

بڑھیا بولی۔

''اچھا بیٹا! میں ایسے ہی کروں گی۔''

بڑھیا لڈو لے کر محل میں چلی گئی اور شہزادے کی ہدایت کے مطابق اس نے سارے لڈو شہزادی کو کلاں کی سہیلیوں اور کنیزوں میں بانٹ دیے۔ اس کے بعد وہ الگ سے رکھے ہوئے پانچ لڈو لے کر شہزادی کے پاس گئی اور اسے پیش کرتے ہوئے کہا۔

''میرے بیٹے کے ہاں خوشی ہوئی ہے۔ میں چاہتی ہوں میری خوشی میں آپ بھی شریک ہوں۔''

شہزادی کو بھلا لڈوؤں کی کیا ضرورت تھی لیکن اس نے بڑھیا کا دل رکھنے کی خاطر اس سے وہ پانچوں لڈو لے کر رکھ لیے۔ رات کو جب وہ سونے کے لیے مسہری پر لیٹی تو یوں ہی اس کا جی چاہا اور اس نے ایک لڈو اٹھا لیا۔ سوچا۔

''آخر لڈو کھانے میں کیا حرج ہے؟''

اور یہ خیال کر کے اس نے وہ لڈو کھا لیا۔ لڈو کھانے کی دیر تھی کہ حسین و جمیل شہزادی کو کلاں دیکھتے ہی دیکھتے بندریا کے رُوپ میں بدل گئی۔ دوسرے روز صبح جب بادشاہ کو اس بات کا علم ہوا کہ شہزادی بندریا بن گئی ہے تو بہت گھبرایا۔ پہلے تو اسے یقین نہ آتا تھا۔ کہنے لگا۔

''یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک انسان بندر بن جائے؟''

مگر جب اس نے خود آ کر اپنی آنکھوں سے شہزادی کو بندریا کے رُوپ میں دیکھا تو ہکا بکا رہ گیا۔ ایسا عجیب وغریب واقعہ تو اس نے زندگی میں نہ کبھی دیکھا اور نہ سنا تھا۔ اسے یہ خیال بھی تھا کہ لوگ کیا کہیں گے۔ شہزادی بندریا بن گئی۔

بڑی بدنامی کی بات تھی۔ بادشاہ نے ملک کے کونے کونے سے وید حکیم بلوائے' دیس بدیس کے جادوگروں اور سیانوں سے رابطہ قائم کیا لیکن کوئی بھی شخص شہزادی کو دوبارہ انسانی رُوپ میں نہ لا سکا۔ جب بادشاہ ہر طرح کی کوشش کر کے تھک ہار گیا تو اس نے پورے ملک میں ڈونڈی پٹوادی اور اعلان کر دیا کہ:

''جو شخص شہزادی کو دوبارہ انسانی رُوپ میں لے آئے گا اسے آدھی بادشاہی دینے کے علاوہ شہزادی کی اس سے شادی کر دی جائے گی۔''

اس اعلان کے بعد دور دور سے وید سیانے اور جادوٹونے کرنے والے آ آ کر قسمت آزمائی کرنے لگے مگر کسی سے بھی شہزادی دوبارہ انسانی رُوپ میں نہ آ سکی اور یہ دیکھ کر بادشاہ روز بروز مایوس ہوتا گیا۔

ایک روز شہزادے نے حلیہ تبدیل کیا اور اپنے آپ کو سادھو ظاہر کرتے ہوئے دربار میں پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے نوبت بجادی اور دعویٰ کیا کہ وہ شہزادی کا علاج کر سکتا ہے۔ شاہی خادموں نے اسی وقت اسے بادشاہ کے حضور میں پیش کر دیا۔ بادشاہ نے اسے دیکھا تو پوچھا۔

''تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟''

شہزادہ جو اس وقت سادھو کے بھیس میں تھا اس نے جواب دیا۔

''جہاں پناہ! میں ایک سادھو ہوں اور شہزادی کا علاج کرنے آیا ہوں۔''

اس پر بادشاہ مایوسی کے لہجے میں بولا۔

''اے سادھو! میرے ملک کے بڑے بڑے ماہر اس کے علاج میں ناکام ہو چکے ہیں۔ تم اس کا علاج کیا کرو گے؟''

شہزادے نے کہا۔

''عالی جاہ! مایوسی گناہ ہے۔ میں بھی قسمت آزمائی کے لیے آیا ہوں۔''

یہ سن کر بادشاہ کہنے لگا۔

''مگر یہ بات ذہن میں رکھ لو اگر تم شہزادی کو دوبارہ انسانی رُوپ میں نہ لا سکے تو تمہاری سزا موت ہوگی۔''

شہزادہ سر جھکا کر بولا۔

''مجھے منظور ہے۔''

پھر اس نے بادشاہ سے عرض کیا۔

''لیکن اس سلسلے میں مجھے چند روز کی مہلت دی جائے اور اس کے ساتھ ہی مجھے شہزادی کے محل میں رہنے کی اجازت مرحمت کی جائے۔''

بادشاہ نے اسی وقت خادموں کو حکم دیا کہ:

''اس سادھو کو محل میں شہزادی کے پاس پہنچا دیا جائے۔''

اسے چند روز کی مہلت بھی دے دی گئی تھی۔ گو بادشاہ اسے شہزادی کے علاج کی اجازت دے چکا تھا لیکن اسے اس بات کا کامل یقین تھا کہ اب شہزادی کو کوئی انسانی رُوپ میں نہیں لا سکتا۔ سب کوششیں بیکار ہیں۔

بادشاہ کے حکم کے مطابق شہزادے کو شہزادی کو کلاں کے پاس محل میں پہنچا دیا گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے کنیزوں باندیوں سے کہا:

''ہمیں اکیلا چھوڑ دیا جائے!''

اور جب سب کنیزیں اور باندیاں وہاں سے چلی گئیں تو اس نے شہزادی کو چھیڑتے

ہوئے کہا:

''دیکھا مجھے چھوڑ کر بھاگ آنے کی سزا؟''

شہزادی جو اس وقت بندریا کے رُوپ میں تھی' اس کے آگے ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی۔

''خدا کے لیے میری خطا معاف کر دو اور مجھے اس عذاب سے نجات دلاؤ۔''

اس پر شہزادہ بولا۔

''پہلے یہ بتاؤ کہ میری دیگ' چادر اور کھڑاؤں کہاں رکھی ہیں؟''

جواب میں شہزادی خاموش رہی تو وہ پھر بولا۔

''یاد رکھو! جب تک یہ تینوں چیزیں میرے حوالے نہ کرو گی میں تمہیں انسانی رُوپ میں نہیں لاؤں گا!''

شہزادی اس وقت مجبور تھی۔ وہ تو ہر صورت میں اس مصیبت سے چھٹکارا چاہتی تھی۔ اس لیے اس نے شہزادے کو بتا دیا کہ تمہاری تینوں چیزیں وہاں رکھی ہیں جا کر لے لو۔ یہ سن کر شہزادے نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنی چیزیں قبضے میں کیں اور پھر شہزادی کو ان پتوں کا لڈو کھلایا جنہیں کھا کر دوبارہ انسان کے رُوپ میں بدلا جا سکتا تھا۔ بندریا نے لڈو کھایا ہی تھا کہ آن کی آن میں شہزادے کے سامنے حسین و جمیل شہزادی کو کلاں بیٹھی ہوئی تھی۔ اسی وقت بادشاہ کو خبر کر دی گئی کہ:

''شہزادی پھر سے انسانی رُوپ میں آ گئی ہے۔''

وہ دربار چھوڑ چھاڑ کے دوڑا دوڑا محل میں آیا تو دیکھا' واقعی اس کے سامنے شہزادی موجود تھی۔ یہ دیکھتے ہی بادشاہ نے بیٹی کو گلے لگا لیا اور محلوں میں ہر طرف خوشیاں منائی جانے لگیں۔ ان خوشیوں میں بادشاہ کو یہ بھی یاد نہ رہا کہ اس نے شہزادی کا علاج کرنے والے سے شہزادی کی شادی کا وعدہ کیا تھا۔ چنانچہ شہزادے نے بادشاہ کو اس کا عہد یاد دلاتے ہوئے عرض کیا۔

''جہاں پناہ! میں نے اپنے وعدہ پورا کر دیا ہے' اب آپ اپنا قول پورا کریں۔''

عین اس وقت بادشاہ کے دل میں خیال آیا۔

''میری بیٹی شہزادی ہے۔اس کی شادی اس سادھو سے کیسے کی جا سکتی ہے؟''

اس نے شہزادے سے کہا۔

''تم ایک غریب اور جہاں گرد سادھو ہو۔تم شہزادی سے کیسے شادی کر سکتے ہو؟ اگر تم چاہو تو اس کے بدلے میں جتنی دولت چاہو لے سکتے ہو۔''

مگر شہزادہ بولا۔

''عالی جاہ! آپ نے مجھے قول دیا ہے۔اور بادشاہوں کا قول کبھی جھوٹا نہیں ہوتا۔''

اب بادشاہ بڑی شش و پنج میں پڑ گیا۔کیا کرے اور کیا نہ کرے؟ اگر بیٹی کی شادی کر دے تو شہزادی کی زندگی تباہ ہو جائے گی اور اگر انکار کرے تو قول سے جھوٹا پڑتا ہے۔وہ اسی سوچ بچار میں کھویا ہوا تھا کہ یکا یک شہزادے نے اپنا سادھو کا بھیس اتار دیا اور پھر بادشاہ نے دیکھا' اس کے سامنے سادھو کی بجائے ایک حسین نوجوان کھڑا تھا۔اس کے بعد شہزادے نے بادشاہ کو اپنی ساری داستان سنائی اور بتایا کہ وہ بھی ایک شہزادہ ہے۔کس طرح اس کے والدین کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی۔پھر ایک بزرگ کی دعا سے وہ پیدا ہوا اور پھر کس طرح اسے بارہ سال کی عمر کو پہنچ کر مر جانا تھا۔اس لیے بارہ برس کا ہونے پر شہزادی کو کلاں کی چیزیں چرانے پر اسے پھانسی دے دی گئی اور اس طرح اس بزرگ کی بات سچ ثابت ہوئی۔پھر وہ چوروں سے حاصل کی ہوئی چادر سے زندہ ہو گیا۔اس کے بعد وہ شہزادی کو لے گیا اور جب شہزادی اسے چھوڑ کر چلی آئی تو وہ کئی برسوں کا سفر طے کر کے دوبارہ اسے حاصل کرنے کے لیے یہاں تک پہنچا۔پھر اس نے کس طرح شہزادی کو بندریا بنایا اور اب کس طرح پھر سے اسے انسانی روپ میں لے آیا ہے۔یہ سب بتانے کے بعد وہ بادشاہ سے بولا۔

''میں نے جہاں پناہ کو اپنی داستان سنا دی ہے۔اب حضور جو فیصلہ کریں مجھے منظور ہے۔''

بادشاہ اس کی کہانی سے بہت متاثر ہوا اور اب جب اسے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ شہزادی

کا علاج کرنے والا سادھو نہیں بلکہ ایک شہزادہ ہے تو وہ بہت خوش ہوا۔ اس نے بڑھ کے اسے گلے لگا لیا اور کہا۔

''شہزادی کی شادی تم سے ہوگی۔''

پھر اس نے وزیر کو حکم دیا۔

''آج ہی شادی کی تیاریاں شروع کر دی جائیں۔''

اس موقعے پر شہزادے نے عرض کیا۔

''عالی جاہ! مجھے ایک بات کی اور اجازت دی جائے۔''

وہ کیا؟ کہو جو مرضی ہے کہو۔

بادشاہ نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ اس پر شہزادہ بولا۔

''جہاں پناہ! مجھے اپنے ماں باپ سے بچھڑے ہوئے بارہ برس ہو چکے ہیں۔ جب میں گھر سے نکلا تھا تو بارہ برس کا تھا اور اب چوبیس برس کا ہو چکا ہوں۔ ان بارہ برس کے عرصہ میں ان کا نہ جانے کیا حال ہوا ہوگا؟ وہ یہی سمجھ رہے ہوں گے کہ میں بارہ برس کا ہو کر مر چکا ہوں مگر خدا کی قدرت سے میں اب تک زندہ ہوں۔ اس لیے میں چاہتا ہوں اپنی اس خوشی میں اپنے ماں باپ کو بھی شریک کروں۔''

بادشاہ نے اسی وقت شہزادے کے ماں باپ کے پاس اپنے ایلچی بھیج دیئے کہ وہ وہاں جا کر شہزادے کے زندہ ہونے اور اس کی شادی کی اطلاع پہنچائیں اور خود بیٹی کی شادی کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔

چند روز میں شہزادے کے ماں باپ بھی شاہی اہتمام سے وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے پورے بارہ برس کے بعد بیٹے کو دیکھا تھا۔ وہ تو یہی سمجھے ہوئے تھے کہ ان کا بیٹا مر چکا ہے لیکن اب جو اسے اپنے سامنے زندہ دیکھا تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ ماں باپ نے اسے گلے لگایا اور شہزادہ بھی ان سے مل کے بہت خوش ہوا۔

جس روز شہزادے اور شہزادی کوکلاں کی شادی ہو رہی تھی' اس روز تمام لوگ یہ دیکھ کر حیران ہو رہے تھے کہ صرف ایک چھوٹی سی دیگ میں پکے ہوئے چاول پورے شہر میں تقسیم ہو رہے تھے لیکن اس کے باوجود وہ دیگ اسی طرح بھری ہوئی دکھائی دے رہی تھی اور پھر لوگوں نے یہ بھی دیکھا کہ شہزادے کے ساتھ ساتھ ایک بوڑھی عورت بھی تھی جسے کوئی نہیں جانتا تھا مگر وہ خوشی میں پاگل ہوئی جا رہی تھی۔ کہتے ہیں' وہ دن اور آج کا دن' پھر کسی بھٹیارن کے پاس کوئی شہزادہ آ کر نہیں ٹھہرا اور نہ ہی اس کا بیٹا بنا۔ بعض کا کہنا ہے کہ اب چندے آفتاب و چندے مہتاب شہزادی کوکلاں ہی نہیں رہی تو پھر حسین و جمیل شہزادہ کہاں سے آ کر بھٹیارن کا بیٹا بنے گا۔

.....o.....

# گیدڑ کا وعدہ

پرانے زمانے کا ذکر ہے۔ کسی شہر میں ایک جولاہا رہتا تھا جو غیر شادی شدہ تھا۔ اس نے اپنے گھر ہی میں ایک ہاتھ کی کھڈی لگا رکھی تھی جس پر وہ دن بھر کپڑا بنتا اور اس سے جو تھوڑی بہت آمدنی ہوتی اس سے اس کی گزر بسر ہو جاتی۔ اس کی آمدنی اتنی کم تھی کہ مشکل سے اپنا پیٹ بھر سکتا تھا اس لیے اس نے اپنی شادی کے بارے میں کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ اس کا جی چاہا' آج کھچڑی کھائی جائے۔ اس نے کئی دنوں سے کھچڑی نہیں کھائی تھی۔ چنانچہ وہ بازار سے چاول اور مونگ کی دال خرید کر لایا اور بڑے چاؤ سے کھچڑی تیار کی۔ جب کھچڑی پک کر تیار ہو گئی تو اس نے اسے ایک بڑی سی تھالی میں ڈال کر رکھ دیا تا کہ ٹھنڈی ہو جائے۔ پھر اس نے سوچا۔

''جب تک کھچڑی ٹھنڈی ہوتی ہے اتنی دیر میں' آج کا بنا ہوا کپڑا دکان دار کو دے آتا ہوں۔''

یہ سوچ کر وہ کھچڑی کو وہیں چھوڑ کر خود کپڑا بیچنے کے لیے بازار چلا گیا۔ اتفاق سے اتنے میں ایک گیدڑ بھی جنگل سے گھومتا گھامتا ادھر آ نکلا۔ اس نے جولاہے کا گھر خالی دیکھا تو اندر گھس آیا۔ آگے نظر پڑی تو ایک بڑی سی تھالی میں تازہ تازہ کھچڑی رکھی ہوئی تھی۔ گیدڑ بھوکا تو تھا ہی' اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور جلدی جلدی کھچڑی کھانے میں لگ گیا مگر ابھی وہ پوری کھچڑی ختم بھی نہ کر نے پایا تھا کہ اچانک باہر سے جولاہا آ گیا۔ اسے تو خود جلدی تھی کہ جلدی سے گھر جاؤں اور کھچڑی کھاؤں۔ اس لیے وہ اونے پونے داموں کپڑا بیچ کر اُلٹے پاؤں گھر آ گیا تھا۔ لیکن اب جو اس نے واپس آ کر یہ دیکھا کہ گیدڑ مزے سے کھچڑی کھا رہا ہے تو اس نے جلدی سے دروازے کے کواڑ بند کیے اور گیدڑ کو پکڑ کے رسی سے باندھ دیا۔ اس کے بعد اس نے ایک موٹا سا ڈنڈا پکڑا

اور اس کی جی بھر کے مرمت کی۔ وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد اُٹھتا اور ڈنڈا لے کر گیدڑ کی ٹھکائی شروع کر دیتا اور جب تھک جاتا تو پھر اپنے کام کاج میں لگ جاتا۔ گیدڑ دل میں سوچنے لگا۔

''اگر یہ مجھے اسی طرح مارتا رہا تو میرا زندہ بچنا محال ہے۔''

وہ مار بھی کھائے جا رہا تھا اور وہاں سے بچ نکلنے کی ترکیبیں بھی سوچ رہا تھا مگر بندھا ہوا تھا' بھاگ سکتا نہیں تھا۔ لہٰذا مجبوراً پٹ پٹا کر خاموش ہو جاتا۔''

رات جوں توں کر کے گزر گئی اور پھر جب دوسرے روز جولاہا حسب معمول اپنا بنا ہوا کپڑا بیچنے کے لیے بازار گیا تو گیدڑ سوچنے لگا' یہی موقع ہے بچ نکلنے کا۔ کوئی نہ کوئی ترکیب کرنی چاہیے۔ وہ کچھ دیر تک بیٹھا سوچتا رہا اور آخر ایک ترکیب اس کے ذہن میں آئی۔ اس نے تین چار گھیرے لے کر اپنے آپ کو رسی میں اور بھی جکڑ لیا اور اس کے بعد زور زور سے اس طرح چیخنے لگا جیسے اپنے ساتھیوں کو بلا رہا ہو۔ وہاں سے جنگل بالکل قریب ہی تھا' اس لیے جب دوسرے گیدڑوں نے اس کی آواز سنی تو جواب میں وہ بھی اونچی آواز میں بولنے لگے۔ جنگل میں جو گیدڑ اس کے جواب میں بولنے لگے تھے' ان میں ایک گیدڑ ایسا بھی تھا جو اس گیدڑ کا دوست تھا جو کھچڑی کھا کر مصیبت میں پھنس گیا تھا۔ اس نے جب اپنے دوست کی آواز سنی تو یہ جاننے کے لیے کہ وہ اس وقت کہاں ہے' اس نے اور زیادہ زور سے بولنا شروع کر دیا۔ جب اس کو اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ اس کا دوست شہر میں ہے تو وہ اس کی تلاش میں اس طرف چلا آیا اور پھر ڈھونڈتا ڈھونڈتا جولاہے کے گھر تک آ گیا۔ اس نے کان لگا کر سنا تو اس کے ساتھی کی آواز اسی گھر میں سے آ رہی تھی۔ یہ دیکھ کر اس نے گھر کے اندر جھانکا تو دیکھا آگے وہ رسیوں میں بندھا ہوا تھا۔ اس نے اندر آ کر حیران ہوتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''کیوں دوست؟ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟''

رسیوں میں بندھے ہوئے گیدڑ کی اس وقت تک اس قدر پٹائی ہو چکی تھی کہ اس کا سارا جسم سوج گیا تھا اور اس وجہ سے وہ بہت موٹا تازہ دکھائی دے رہا تھا۔ جب اس کے دوست نے

اس سے یہ پوچھا کہ وہ یہاں کیا کر رہا ہے؟ تو اس نے اپنے درد کو چھپاتے ہوئے، قدرے مسکرا کے کہا۔

''ہم تو عیش کر رہے ہیں دوست! تم جنگلوں میں مارے مارے پھرو۔''

دوسرے گیدڑ نے اس کی طرف دیکھا تو واقعی وہ موٹا تازہ ہو رہا تھا۔ اس نے رشک بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''پھر بھی کچھ مجھے بھی بتاؤ۔ تمہیں یہ عیش کیسے حاصل ہوا؟''

رسیوں میں بندھے ہوئے گیدڑ نے بڑی چالاکی اور مکاری سے کام لیتے ہوئے کہا۔

''میں تمہیں اس کا راز بتانے پر تیار ہوں۔ مگر ایک شرط پر!''

''وہ کیا؟ مجھے جلدی بتاؤ۔''

دوسرے گیدڑ نے اشتیاق سے دریافت کیا۔

''وہ شرط یہ ہے کہ تم وعدہ کرو کسی اور کو نہیں بتاؤ گے۔''

''بالکل نہیں! ہرگز نہیں! تم مجھ سے وعدہ لے سکتے ہو۔''

اس کے جواب میں بندھے ہوئے گیدڑ نے کہا۔

''دراصل بات یہ ہے کہ ایک بہت ہی نیک اور رحم دل آدمی نے مجھے پکڑ لیا ہے۔ وہ میری بہت زیادہ حفاظت کر رہا ہے۔ تم دیکھ نہیں رہے کہ اس نے مجھے رسیوں میں جکڑ رکھا ہے تاکہ میں اسے چھوڑ کر نہ چلا جاؤں۔''

اس نے اپنے جسم سے بندھی ہوئی رسیوں کی طرف اشارہ کیا اور بولا۔

''دیکھو میں صرف دو روز میں کس قدر موٹا ہو گیا ہوں۔ وہ آدمی روزانہ مجھے حلوہ پوریاں کھلاتا ہے اور میری بہت خدمت کرتا ہے۔''

دوسرا گیدڑ اس کی باتیں سن رہا تھا اور دل ہی دل میں سوچ رہا تھا۔ اے کاش! یہ موقع مجھے مل جائے۔ حلوہ پوریوں کے نام ہی سے اس کے منہ میں پانی آ رہا تھا۔ بندھے ہوئے گیدڑ

نے جب یہ دیکھا کہ اس کا دوست گیدڑ اس کے فریب میں آ چکا ہے تو وہ آہستہ سے بڑی رازداری سے کہنے لگا۔

''تم میرے دوست ہو۔ میں تمہارے لیے یہ کر سکتا ہوں کہ تم میری رسیاں کھول دو اور میں تمہیں اپنی جگہ باندھ دیتا ہوں۔ اس طرح تم بھی دو تین روز میں بالکل میری طرح موٹے تازے ہو جاؤ گے اور مزے کرو گے۔''

باہر سے آنے والا گیدڑ بیوقوف تو بن ہی گیا تھا۔ وہ خوش ہو کر بولا۔

''ہاں دوست! اچھا ہے' تمہاری مہربانی سے میں بھی دو چار روز حلوہ پوریاں کھالوں گا۔ لو میں تمہاری رسیاں کھولتا ہوں۔ تم اپنی جگہ مجھے باندھ دو۔''

اس کے بعد اس نے بندھے ہوئے گیدڑ کی رسیاں کھول دیں۔ بندھے ہوئے گیدڑ نے خود آزاد ہو کر اپنی جگہ اسے باندھ دیا اور وہاں سے چلتا بنا۔''

ادھر جب جولاہا اپنا کپڑا بیچ کر واپس گھر آیا تو اس نے آتے ہی قریب پڑا ہوا ڈنڈا اٹھایا اور گیدڑ کی ٹھکائی شروع کر دی۔ اسے کیا معلوم تھا کہ یہ وہی گیدڑ ہے یا دوسرا؟ اس نے اپنا غصہ نکالنے کے لیے اس پر وہ بے بھاؤ کی برسائیں کہ نیا گیدڑ چیختا رہ گیا۔ وہ بہت گھبرایا کہ یہ کیسا حلوہ پوری ہے جو مجھے مل رہا ہے؟ تھوڑی دیر تک تو وہ پٹتا رہا لیکن جب اس نے دیکھا کہ جولاہا کسی صورت بس ہی نہیں کر رہا تو وہ اس سے کہنے لگا۔

''تم مجھے اس طرح کیوں مار رہے ہو؟ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟''

ادھر جولاہے نے جب یہ دیکھا کہ گیدڑ باتیں کر رہا ہے تو بہت حیران ہوا۔ سوچنے لگا' اس سے پہلے تو یہ نہیں بولتا تھا اب کیسے باتیں کرنے لگا ہے؟ اس نے دل میں خیال کیا' یقیناً پہلے یہ مجھے بیوقوف بنا رہا تھا' اس لیے اس نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ اب جبکہ اس کی خوب پٹائی ہو چکی ہے تو باتیں بھی کرنے لگا ہے۔ اس نے اسے ایک دو ڈنڈے اور جڑے اور کہا۔

''میں جب تک اپنی کھچڑی کا بدلہ نہ لے لوں گا اس وقت تمہیں مارتا رہوں گا۔ تم نے

میری کھچڑی کیوں کھائی تھی؟''

گیدڑ کو اب پتہ چلا کہ پہلے گیدڑ نے جولاہے کی کھچڑی کھالی تھی اور اسی لیے اس نے اسے باندھ رکھا تھا۔ اس نے جولاہے سے کہا۔

''میں نے تمہاری کوئی کھچڑی نہیں کھائی۔''

اتنا کہہ کر اس نے اسے بتایا۔

''میں جب ادھر آیا تو یہاں ایک گیدڑ رسیوں میں بندھا ہوا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ اگر تم میری جگہ بندھ جاؤ تو روزانہ حلوہ پوریاں کھانے کو ملیں گی۔ لہٰذا میں نے اسے کھول دیا اور وہ مجھے اپنی جگہ باندھ کر خود چلا گیا ہے۔ اب تم آئے ہو تو تم نے آتے ہی میری پٹائی شروع کر دی ہے۔''

گیدڑ کی ساری باتیں سن کر جولاہا بولا۔

''میں تمہارے سب مکر جانتا ہوں۔''

اس کے ساتھ ہی اس نے گیدڑ کی کمر پر دو تین ڈنڈے اور جڑ دیئے۔ اب تو گیدڑ اور بھی گھبرایا کہ یہ تو مجھے جان سے مار ڈالے گا۔ چنانچہ اس نے جولاہے کی منت سماجت کر کے کہا۔

''اگر تم مجھے آزاد کر دو تو میں تمہاری شادی بادشاہ کی بیٹی سے کرا دوں گا۔''

''کیا کہا؟''

جولاہے کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اس نے تعجب سے پوچھا۔

''بادشاہ کی بیٹی سے میری شادی؟ یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ کہاں میں ایک غریب جولاہا اور کہاں شہزادی؟ کیا تم مجھے بیوقوف بنا رہے ہو؟''

مگر گیدڑ نے اسے یقین دلاتے ہوئے جواب دیا۔

''میں سچ کہہ رہا ہوں۔ میں تمہاری شادی بادشاہ کی بیٹی سے کرا دوں گا۔''

''کیا واقعی؟ مگر مجھے تو یقین نہیں آ رہا؟''

جولاہے نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

''میں تم سے وعدہ کر رہا ہوں۔ میں اپنی بات پوری کروں گا۔''

گیدڑ کی اس یقین دہانی پر جولاہے نے اسے آزاد کر دیا۔ آزاد ہونے کے بعد گیدڑ اس سے کہنے لگا۔

''تم گھر میں میرا انتظار کرو۔ میں بہت جلد تمہارے لیے خوش خبری لے کر آؤں گا۔''

گیدڑ وہاں سے رخصت ہو کر چل دیا اور شہر سے نکل کر سیدھا دریا پر پہنچ گیا۔ اس نے تیر کر دریا پار کیا اور دوسرے کنارے پر پہنچ کر انسان کا رُوپ بدل لیا۔ دریا کے اس پار ایک دوسرے بادشاہ کی سلطنت تھی جس کے محل دریا سے کچھ ہی فاصلے پر واقع تھے۔ اس نے اپنے آپ کو ایلچی بنالیا اور اس بادشاہ کے دربار میں پہنچ گیا۔ بادشاہ نے اسے دیکھا تو دریافت کیا۔

''اے اجنبی! تو کون ہے اور یہاں کس غرض سے آیا ہے؟''

جواب میں اس نے سر جھکا کر عرض کیا۔

''جہاں پناہ! میں آپ کے پڑوسی ملک کے بادشاہ کا ایلچی ہوں۔''

بادشاہ نے جب یہ سنا تو اس سے بڑی عزت سے پیش آیا۔ اپنے قریب بیٹھنے کو جگہ دی اور دریافت کیا۔

''اے ایلچی! کہو تمہارے بادشاہ کا ہمارے لیے کیا پیغام ہے؟''

ایلچی ادب سے بولا۔

''عالی جاہ! ہمارا بادشاہ ابھی تک کنوارا ہے اور اس نے آپ کی بیٹی کے لیے پیغام بھیجا ہے۔''

اتفاق کی بات تھی کہ اس بادشاہ کی ایک بیٹی تھی جو جوان تھی اور بادشاہ اس کے رشتہ کے لیے پریشان تھا۔ وہ اسی انتظار میں تھا کہ کسی سلطنت سے رشتے کا پیغام آئے تو وہ بیٹی کی شادی کرے۔ اب جو اس نے یہ دیکھا کہ پیغام اپنے آپ آ گیا ہے تو وہ بہت خوش ہوا۔ اس نے ایلچی سے کہا۔

''ہمیں یہ رشتہ منظور ہے۔''

ساتھ ہی اس نے شادی کی تاریخ بھی طے کر دی اور ایلچی کو بہت سے قیمتی تحائف دے کر رخصت کیا۔ ایلچی وہاں سے رخصت ہو کر پھر دریا پر آیا۔ وہاں آ کر اس نے دوبارہ گیدڑ کا رُوپ دھارا اور دریا پار کر کے شہر کی طرف چل دیا۔ شہر میں پہنچ کر وہ سیدھا جولاہے کے پاس گیا۔ آگے جولاہا تو پہلے ہی سے اس کا منتظر تھا۔ وہ اسے دیکھتے ہی پوچھنے لگا۔

''کیا خوشخبری لائے؟''

گیدڑ نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

''تمہاری شادی کی بات طے ہوگئی ہے اور فلاں تاریخ کو تمہاری شادی ہے۔''

یہ سن کر جولاہے نے گھبرا کر کہا۔

''مگر میرے پاس تو پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے۔''

''تم اس کی فکر نہ کرو۔ بس اس تاریخ کو تیار رہنا۔''

گیدڑ نے اتنا کہا اور جولاہے کو حیران و پریشان چھوڑ کر چلا گیا۔

حقیقت یہ تھی کہ جولاہے کو ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کی شادی کسی شہزادی سے ہو سکتی ہے۔ یہ ان ہونی بات تھی لیکن جب مقررہ تاریخ کو صبح ہی صبح گیدڑ اس کے پاس پہنچ گیا تو اسے اور بھی تعجب ہوا۔ گیدڑ نے آتے ہی اس سے کہا۔

''جلدی کرو اور میرے ساتھ چلو۔ آج تمہاری شہزادی سے شادی ہے۔''

بھلا جولاہے کو کون سا ساز و سامان لینا تھا۔ وہ خاموشی کے ساتھ گیدڑ کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ گیدڑ اسے ساتھ لیے شہر سے باہر آ گیا اور پھر وہ دونوں دریا کے کنارے پر پہنچ گئے۔ اس وقت دریا پر ایک دھوبی کپڑے دھونے کے لیے آیا ہوا تھا۔ گیدڑ نے اس دھوبی کو سونے کی ایک مہر دی اور کہا۔

''تمہارے پاس جس قدر کپڑے ہیں یہ سب اردگرد درختوں اور جھاڑیوں پر پھیلا دو۔''

دھوبی کو مفت میں سونے کی مہر مل گئی تھی۔ اسے اور کیا چاہیے تھا۔ اس نے اپنے تمام

کپڑے جو وہ گٹھے باندھ کر دھونے کے لیے لایا تھا' گیدڑ کے کہنے کے مطابق دریا کے کنارے والے درختوں اور جھاڑیوں پر پھیلا دیئے۔ گیدڑ نے جب دیکھا کہ دھوبی نے کپڑے پھیلا دیئے ہیں تو وہ ایک روئی بیچنے والے کے پاس گیا اور اسے سونے کی ایک مہر دے کر کہا۔

''تم دُھنی ہوئی روئی کے چند گٹھے دریا کے کنارے پہنچا دو۔''

روئی بیچنے والے نے مہر لے کر دُھنی ہوئی روئی کے گٹھے دریا پر پہنچا دیئے اور جب یہ سب کچھ ہو چکا تو گیدڑ نے جولاہے سے کہا۔

''دیکھو! اب جیسا میں تم سے کہوں ویسا ہی کرنا۔''

جولاہے نے جواب دیا۔

''ہاں! جیسے تم کہو گے میں ویسے ہی کروں گا۔''

اس کے بعد گیدڑ نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''میں دریا کے اس پار جا رہا ہوں۔ تم مجھے جاتے ہوئے دیکھتے رہنا۔ جب یہ دیکھو کہ میں بادشاہ کے محل میں داخل ہو رہا ہوں تو دھوبی سے کہنا کہ وہ اپنے تمام کپڑے اتار کر لے جائے جو اس نے درختوں اور جھاڑیوں پر پھیلائے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی تم دُھنی ہوئی روئی کے بڑے بڑے گالے بنا کر تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد دریا میں پھینکنا شروع کر دینا۔ باقی میں سب ٹھیک کر لوں گا۔''

گیدڑ جولاہے کو یہ ہدایت دے کر خود تیر کر دریا کے پار چلا گیا۔ دوسرے کنارے پر پہنچ کر اس نے پھر ایلچی کا رُوپ دھار لیا اور بادشاہ کے محل کی طرف چل دیا۔

دوسری طرف بادشاہ شہزادی کی شادی کی پوری پوری تیاریاں کیے بیٹھا تھا اور شاہی بارات کا منتظر تھا۔ اس نے اسی انتظار میں محل اور شاہی بارات کا منتظر تھا۔ اس نے اسی انتظار میں محل پر چڑھ کر دیکھا تو دریا کے دوسری طرف دھوبی نے جو کپڑے درختوں اور جھاڑیوں پر پھیلا رکھے تھے وہ دور سے اسے اس طرح دکھائی دیئے جیسے خیمے لگے ہوئے ہوں۔

انہیں دیکھ کر بادشاہ سمجھا کہ شاہی بارات نے دریا کے دوسرے کنارے پر پڑاؤ ڈال رکھا ہے اور اب وہ آیا ہی چاہتی ہے۔ چنانچہ وہ اسی انتظار میں بیٹھا تھا۔

گیدڑ ایلچی کے رُوپ میں جوں ہی بادشاہ کے محل کے پاس پہنچا پیچھے جولاہے نے اس کی ہدایت کے مطابق دھوبی سے کہا کہ وہ جلدی جلدی اپنے تمام کپڑے درختوں اور جھاڑیوں سے اتار لے۔ اس کے ساتھ ہی وہ دُھنی ہوئی روئی کے بڑے بڑے گالے بنا کر دریا میں پھینکنے لگا۔ دریا میں دُھنی ہوئی روئی کے ڈوبتے تیرتے بڑے بڑے گالے دور سے یُوں دکھائی دے رہے تھے جیسے دریا میں کشتیاں تیر اور ڈوب رہی ہوں۔

ادھر جیسے ہی ایلچی بادشاہ کے محل میں داخل ہوا اس نے رونا پیٹنا شروع کر دیا۔ اسے اس طرح روتا پیٹتا دیکھ کر بادشاہ بہت حیران ہوا۔ اس نے گھبرا کے پوچھا۔

''تمہیں کیا ہوا؟ شہزادی کی بارات کہاں ہے؟''

ایلچی نے اسی طرح روتے ہوئے کہا۔

''بادشاہ سلامت! بہت برا ہوا۔ ہمارا بادشاہ بارات کے ساتھ دریا پار کر رہا تھا کہ دریا میں اچانک زبردست طوفان آ گیا۔ تمام ساز و سامان' امیر و وزیر' رشتہ دار اور فوج کے آدمی کشتیوں سمیت ڈوب گئے۔''

اور ہمارا ہونے والا داماد کہاں ہے؟ کیا وہ بھی ڈوب گیا؟

بادشاہ نے پریشان ہو کر دریافت کیا جس کے جواب میں ایلچی کہنے لگا۔

''عالی جاہ! خوش قسمتی سے صرف میں اور بادشاہ سلامت زندہ بچے ہیں اور وہ بھی تن کے کپڑوں کے ساتھ بلکہ بادشاہ سلامت کا تو لباس بھی جھیر جھیر ہو گیا تھا' ایک غریب آدمی سے کپڑے لے کر انہیں پہنائے گئے ہیں۔''

''مگر وہ اس وقت کہاں ہے؟''

بادشاہ نے بے حد پریشان ہو کر پوچھا۔

''حضور! اس وقت وہ دریا کے کنارے تنہا بیٹھے ہیں۔''

یہ سنتے ہی بادشاہ نے فوراً اپنے وزیروں امیروں کو حکم دیا کہ ابھی جائیں اور ہمارے ہونے والے داماد کو پوری شان وشوکت کے ساتھ محل میں لائیں۔ حکم کی دیر تھی۔ اسی وقت امیر وزیر فوج کے سپاہی لے کر دریا پر پہنچ گئے۔ اس وقت تک دھوبی اپنے تمام کپڑے سمیٹ کر جا چکا تھا اور دُھنی ہوئی روئی کے بڑے بڑے گالے بہہ کر پانی میں ڈوب چکے تھے۔ صرف دوسرے کنارے پر جولاہا اکیلا حیران بیٹھا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اسی وقت کشتی کے ذریعے جولاہے کو دریا پار کرایا گیا اور پھر بڑی شان وشوکت اور شاہی اعزاز کے ساتھ محل میں پہنچا دیا گیا۔ اس طرح جولاہے اور شہزادی کی شادی بڑی دھوم دھام کے ساتھ ہوگئی۔

شادی کے بعد ایلچی نے بادشاہ سے عرض کیا۔

''جہاں پناہ! اگر حضور اجازت دیں تو ایک بات عرض کروں؟''

بادشاہ بولا۔

''ضرور کہو۔ ہماری طرف سے اجازت ہے۔''

ایلچی نے بڑی عاجزی کے ساتھ کہا۔

''عالی جاہ! آپ کے داماد کا سب کچھ لٹ چکا ہے۔ ماں باپ' رشتہ دار' وزیر' امیر سب ڈوب گئے ہیں اور اب وہ بالکل تنہا ہیں۔ پیچھے معلوم نہیں اب تک حکومت پر بھی کسی نے قبضہ کر لیا ہو کیونکہ بارات کی تباہی کی خبر وہاں پہنچ گئی ہوگی۔ اس لیے ان کا واپس جانا بیکار ہے۔ کیوں نہ انہیں یہیں رہنے پر مجبور کیا جائے۔''

بادشاہ پہلے ہی سے یہی سوچ رہا تھا۔ دراصل اسے اپنی بیٹی سے بے انتہا محبت تھی۔ ایک بیٹی کے سوا اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اسے ایلچی کی یہ تجویز پسند آئی۔ اس نے اپنے دل میں سوچا' اس طرح بیٹی بھی نظروں کے سامنے رہے گی اور مجھے سلطنت کے کاموں میں ایک ہاتھ بٹانے والا بھی مل جائے گا۔ اس نے ایلچی سے کہا۔

''کیا ہمارا داماد یہ بات مان جائے گا؟''

ایلچی جھٹ سے بولا۔

''حضور! یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔ میں انہیں راضی کرلوں گا۔''

بادشاہ خوش تھا کہ اب اس کی بیٹی اسی کے پاس رہے گی۔ چنانچہ شہزادی کو الگ محل دے دیا گیا۔ جہاں جولاہا شاہی شان وشوکت کے ساتھ رہنے لگا۔ چند روز تک گیدڑ بھی ایلچی کے رُوپ میں ان کے پاس رہا اور پھر ایک روز جولاہے سے کہنے لگا۔

''دیکھو! میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دکھایا ہے۔ اب مجھے اجازت دو تا کہ میں بھی اپنے ساتھیوں سے جاملوں۔''

جولاہے نے بہت روکنا چاہا لیکن وہ نا مانا اور رخصت ہو کر ایک بار پھر گیدڑ کے رُوپ میں آ کر اپنے پرانے ساتھیوں سے جاملا۔

.....o.....

# عقلمند عورت

اگلے وقتوں کی بات ہے۔ کسی شہر میں ایک آدمی رہتا تھا۔ اس کی بیوی مر چکی تھی اور اس کا ایک بیٹا تھا جس کے ساتھ وہ ہنسی خوشی زندگی گزار رہا تھا۔ جب ایک بیٹا جوان ہو گیا تو اس نے اس کی شادی کر دی اور شادی کے کچھ عرصہ بعد وہ خود بھی اللہ کو پیارا ہو گیا۔

باپ نے اپنے پیچھے اچھی خاصی دولت چھوڑی تھی' اس لیے اس کا بیٹا اپنی بیوی کے ساتھ کچھ عرصہ تک تو بڑے مزے اور عیش میں دن گزارتا رہا۔ اس نے نہ تو کوئی تجارت کی اور نہ کہیں ملازمت کے لیے گیا۔ بس گھر میں بیٹھا گل چھرے اڑاتا رہا۔ مگر دولت تو ڈھلتی چھاؤں ہے۔ بھلا کب تک ساتھ دیتی؟ آہستہ آہستہ ان کی جمع پونجی ختم ہونا شروع ہو گئی اور پھر ایک وقت ایسا آ گیا جب ان کے پاس کچھ بھی نہ رہا۔ کچھ دن تک تو وہ زیور وغیرہ بیچ کر گزر بسر کرتے رہے لیکن وہ بھی کب تک؟ یہ حالات دیکھ کر اس کی بیوی نے اس سے کہا۔

''بھلے آدمی! اب تو گھر میں کھانے تک کو نہیں رہا۔ جاؤ' اتنے دن گھر میں بیٹھ کر کھا لیا اب کہیں جا کر کچھ کما کے لاؤ۔''

لیکن مصیبت یہ تھی کہ وہ کوئی ہنر بھی نہیں جانتا تھا۔ باپ جب تک زندہ تھا اس کے پاس پیسے دھیلے کی کمی نہ تھی اس لیے اس نے بیٹے کو کوئی ہنر سکھانے کا سوچا بھی نہ تھا۔ نہ اسے پڑھایا لکھایا تھا اور نہ یہ خیال کیا تھا کہ بیٹے پر کبھی برے دن بھی آ سکتے ہیں۔ اب جب کہ وہ ان حالات سے دوچار ہوا تو اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے؟ دوسری بات یہ تھی کہ اس کی بیوی بے انتہا خوبصورت تھی۔ مگر وہ جس قدر حسین تھی اتنی ہی عقل مند اور دانا بھی تھی۔ تاہم وہ دل ہی دل میں ڈر رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔

''اگر میں یہاں سے کہیں چلا گیا تو ہوسکتا ہے اس کو کوئی اور لے جائے۔''

یہی سوچ سوچ کر وہ کچھ روز تک ٹال مٹول کرتا رہا مگر اس دوران میں گھر کی قیمتی اشیاء ایک ایک کر کے سب بِک گئیں اور جب نوبت فاقوں تک آ گئی تو بیوی زور دے کر کہنے لگی۔

''گھر بیٹھے تو کنویں بھی ختم ہو جاتے ہیں اور اب تو گھر میں کوئی ایسی قیمتی چیز بھی نہیں بچی جسے بیچ کر کچھ دن گزارا کیا جائے۔''

پھر اس نے شوہر کو سمجھاتے ہوئے مشورہ دیا۔

''اگر میری مانو تو کسی دوسرے شہر جا کر قسمت آزمائی کرو۔ ہوسکتا ہے اللہ پھر ہمارے دن پھیر دے اور اچھا وقت ہمارا ساتھ دینے لگے۔''

بیوی کی بات اپنی جگہ ٹھیک ہی تھی لیکن اسے یہی دھڑکا تھا کہ کہیں میرے جانے سے بیوی ہاتھ سے نہ چلی جائے۔ اس لیے وہ کہنے لگا۔

''دراصل میں ایک بات سے ڈر رہا ہوں۔''

بیوی پوچھنے لگی۔

''وہ کیا بات ہے؟ مجھے بھی بتاؤ۔''

اس نے جواب میں کہا۔

''تم بہت خوبصورت ہو اور مجھے ڈر ہے کہ اگر میں کسی دوسرے شہر چلا گیا تو تمہیں کوئی لے جائے گا۔ پھر میں تمہیں کہاں ڈھونڈوں گا؟''

یہ سن کر بیوی نے اسے سمجھایا۔

''تم میری فکر نہ کرو۔ میں اپنی حفاظت خود کرلوں گی۔''

مگر شوہر بولا۔

''مجھے یقین نہیں آتا۔ تم عورت ذات ہو اپنی حفاظت کیونکر کرو گی؟''

بیوی نے اسے بہت سمجھانے کی کوشش کی لیکن جب وہ کسی صورت نہ مانا تو اس نے

اسے ایک چھوٹی سی ڈبیا دی جس میں ایک نہایت خوبصورت اور خوشبو میں مہکتا ہوا پھول تھا۔ ڈبیا دے کر وہ اس سے بولی۔

''یہ ڈبیا اپنے پاس رکھو۔ اس میں جو پھول ہے' یہ جب تک تر و تازہ رہے گا تم سمجھ لینا میں بالکل ٹھیک ہوں اور گھر میں ہوں اور اگر کبھی اس پھول کو مرجھایا ہوا دیکھو تو جان لینا کہ مجھ پر کوئی مصیبت آ پڑی ہے۔''

شوہر کو یہ ترکیب پسند آئی۔ واقعی اس طرح وہ اپنے گھر سے دور رہ کر بھی بیوی کے حالات سے باخبر رہ سکتا تھا اور آسانی سے کہیں بھی جا سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے بیوی سے کہا۔

''یہ ترکیب ٹھیک ہے۔ اب میں کسی دوسرے شہر جا سکتا ہوں۔''

اس نے بیوی سے وہ ڈبیا لی اور رخصت ہو کر چل دیا۔

گھر سے نکل کر وہ شمال کی جانب کسی دوسرے شہر کی تلاش میں چل نکلا اور چلتے چلاتے ایک دوسری بادشاہی میں پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے چند روز نئے حالات اور شہر کا جائزہ لیا۔ پھر کسی نہ کسی طرح اسے شاہی دربار میں نوکری مل گئی اور وہ وہاں رہنے لگا۔

اب یہ اس کا معمول تھا کہ وہ روزانہ صبح و شام' دونوں وقت ڈبیا نکال کر اس میں سے پھول دیکھتا' اسے ہمیشہ کی طرح تر و تازہ اور مہکتا ہوا پا کر دوبارہ ڈبیا بند کر کے جیب میں رکھ لیتا اور اپنے کام کاج میں لگ جاتا۔ اس کے ساتھ دوسرے شاہی ملازم روزانہ اسے اس طرح ڈبیا کھول کر پھول سونگھتے دیکھتے تو بڑے حیران ہوتے۔ یہ بات ان کے لیے عجیب و غریب تھی۔ انہوں نے آج تک کوئی ایسا پھول نہیں دیکھا تھا جو ہمیشہ تر و تازہ رہتا ہو اور جسے کوئی ڈبیا میں بند کر کے رکھتا ہو۔ وہ اس بات سے حیران تھے کہ وہ روزانہ پھول کو اس طرح دیکھتا اور سونگھتا کیوں ہے؟ سب ایک دوسرے سے کہتے۔

''یارو! یہ اس طرح باقاعدگی سے روزانہ ڈبیا سے پھول نکال کر کیوں دیکھتا اور سونگھتا ہے؟''

[illegible] کی سمجھ میں نہ آتی تھی۔ آخر ایک دن انہوں نے اس سے دریافت کیا۔

''تم روزانہ ڈبیا کھول کر اس طرح پھول کو کیوں دیکھتے ہو؟ اور ہم نے یہ بھی دیکھا کہ یہ پھول پہلے روز کی طرح تروتازہ ہے۔ مرجھایا تک نہیں۔ اس میں کیا راز ہے؟''

پہلے تو اس نے اپنے ساتھیوں کو باتوں میں ٹالنا چاہا اور بولا۔

''نہیں۔ کوئی خاص بات نہیں۔ بس پھول ہے!''

لیکن جب نے اسے اصل بات بتانے پر اصرار کیا تو اس نے انہیں بتایا کہ:

''دراصل بات یہ ہے کہ میری بیوی بہت زیادہ خوبصورت ہے۔ جب میں گھر سے چلنے لگا تھا تو مجھے اس بات کا خوف تھا کہ کہیں کوئی شخص میری غیر حاضری میں میری بیوی کو نہ لے جائے۔ جب میں نے اپنے خدشے کا ذکر اپنی بیوی سے کیا تو اس نے مجھے یہ ڈبیا دے دی جس میں ایک پھول ہے اور ساتھ ہی یہ کہا۔ اس میں جو پھول ہے یہ جب تک تروتازہ رہے گا اس وقت تک سمجھ لینا کہ میں بالکل ٹھیک ہوں اور گھر میں ہوں اور اگر یہ مرجھا جائے تو جان لینا میں کسی مصیبت میں گرفتار ہوں یا کہیں چلی گئی ہوں۔''

اتنا کہہ کر اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اسی لیے میں روزانہ ڈبیا کھول کر دیکھ لیتا ہوں کہ پھول تروتازہ ہے یا مرجھا گیا ہے!''

اس کے ساتھیوں نے جب اس کی یہ بات سنی تو وہ اور بھی متعجب ہوئے۔ ایسی عجیب وغریب بات تو انہوں نے نہ کبھی سنی اور نہ دیکھی تھی۔ انہوں نے بادشاہ کے پاس جا کر عرض کیا۔

''جہاں پناہ! اگر جان کی امان پائیں تو ایک ایسی عجیب وغریب بات عرض کریں جو حضور نے آج تک نہ سنی ہوگی اور نہ کبھی دیکھی ہوگی۔''

بادشاہ حیران ہو کر بولا۔

''وہ کون سی بات ہے جو مابدولت کے علم میں نہیں ہے؟''

پھر اس نے کہا۔

''ہم تمہیں جان بخشی کا قول دیتے ہیں۔ کہو وہ کیا بات ہے؟''

جواب میں خادموں نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔

''عالی جاہ! فلاں خادم کے پاس ایک چھوٹی سی ڈبیا ہے جس میں ایک ایسا پھول ہے جو کبھی مرجھاتا نہیں۔''

یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ بادشاہ تعجب سے بولا۔

''اگر وہ پھول ہے تو مرجھائے گا بھی!''

جواب میں خادم دست بستہ ہو کر بولے۔

''حضور والا! ہم نے بھی کبھی ایسا پھول نہیں دیکھا لیکن اس خادم کے پاس یہ پھول موجود ہے۔''

پھر انہوں نے بادشاہ کو اس کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

''وہ ہر روز' صبح و شام ڈبیا کھول کر اس پھول کو دیکھتا ہے۔ ہم نے اس سے اس کی وجہ دریافت کی تو اس نے ہمیں بتایا کہ اس کی بیوی انتہائی خوبصورت ہے اور اسے اس بات کا خدشہ تھا کہ اس کی غیر موجودگی میں کوئی اسے لے جائے گا' اس لیے اس کی بیوی نے اسے ڈبیا میں پھول دیا اور کہا۔ تم اسے روزانہ دیکھ لیا کرنا۔ اگر پھول تر و تازہ ملے تو سمجھ لینا کہ میں ٹھیک ہوں اور گھر میں موجود ہوں لیکن اگر پھول مرجھا جائے تو یہ جان لینا کہ میں کسی مصیبت میں گرفتار ہوں۔''

یہ سب کچھ عرض کرنے کے بعد خادموں نے عرض کیا۔

''اگر جہاں پناہ کو ان خادموں کی بات پر یقین نہیں تو حضور خود اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔''

بادشاہ نے ان خادموں کو تو رخصت کر دیا لیکن وہ خود بڑے اچنبھے میں پڑ گیا۔ یہ عجیب ماجرا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ بار بار سوچ رہا تھا۔

''یہ کیسے ہوسکتا ہے؟''

''ایسا کیوں کر ممکن ہے؟''

اس نے اپنے وزیر خاص سے مشورہ کیا۔ وہ بھی خادموں کی ساری بات سن چکا تھا۔ اس نے بادشاہ سے کہا۔

''جہاں پناہ! اگر یہ بات واقعی صحیح ہے تو پھر وہ عورت نہایت حسین ہونے کے ساتھ ساتھ عقلمند بھی ہوگی!''

اب بادشاہ دل ہی دل میں اس کی بیوی کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ ایسی ترکیبیں نکالنے لگا جس سے اس کی بیوی کو خود دیکھ سکے۔ پھول کا قصہ سن کر اس کا اشتیاق اور بھی بڑھ گیا تھا۔ اس نے سوچا۔

''جس عورت کے ہاتھ سے دیا گیا پھول ہمیشہ تر و تازہ رہتا ہے وہ خود کتنی حسین ہوگی؟''

کافی سوچ بچار کے بعد اس نے ایک ترکیب نکالی۔ دوسرے ہی روز اس آدمی کی تنخواہ بڑھا دی گئی اور اس کے ساتھ ہی دربار کے تمام خادموں کو حکم دیا گیا کہ:

''سب اپنے اپنے بیوی بچّے یہاں لے آئیں۔ ان سب کو رہنے کے لیے جگہ دی جائے گی۔''

بادشاہ کا خیال تھا کہ اس طرح وہ خادم بھی اپنی بیوی کو یہاں لے آئے گا اور میں اسے آسانی سے دیکھ لوں گا۔ اس نے تمام خادموں کو چند دن کی مہلت دے دی تاکہ وہ اپنے بیوی بچّے لا سکیں۔

حکم ملتے ہی تمام خادم اپنے اپنے شہر چلے گئے اور وہ بھی اپنی بیوی کو لانے کے لیے اپنے گھر پہنچ گیا۔ گھر جا کر اس نے بیوی کو سارا قصہ سنایا کہ اس طرح وہ روزانہ ڈبیا کھول کر پھول دیکھا تھا اور اس طرح دوسرے شاہی ملازموں کے پوچھنے پر اس نے یہ راز انہیں بتا دیا۔ چنانچہ اب بادشاہ نے دربار کے تمام خادموں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے اپنے بیوی بچّے ساتھ لے کر آئیں۔ پھر وہ بولا۔

''اور اب میں تمہیں ساتھ لے جانے کے لیے آیا ہوں۔''

اس نے بیوی کو یہ بھی بتایا۔

''اگر ہم واپس نہیں گئے تو ہمیں زندہ کولہو میں پلوا دیا جائے گا۔''

اس کی بیوی نے ساری بات سن کر اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''تم بے فکر رہو۔ میں کوئی ترکیب سوچتی ہوں۔''

دراصل وہ یہ بات اچھی طرح سمجھ گئی تھی کہ اس کے بارے میں بادشاہ کی نیت ٹھیک نہیں ہے اور محض اسے دیکھنے کی خاطر اس نے تمام خادموں کے بیوی بچے بلوائے ہیں تاکہ کسی کو اس کے ارادوں کا علم نہ ہو سکے۔ اب وہ ایسی کوئی ترکیب سوچنے لگی جس سے وہاں جانے سے بچ جائے۔ بہت سوچ بچار کے بعد آخر اس کے ذہن میں ایک بات آئی۔ اس نے اپنے شوہر سے کہا۔

''تم واپس جاؤ اور جب بادشاہ تم سے پوچھے کہ تم اپنی بیوی ساتھ کیوں نہیں لائے' تو اس سے کہہ دینا' میری بیوی پر لوگوں کا بہت قرض ہے۔ جب تک وہ قرض ادا نہیں ہوتا اس کا یہاں آنا مشکل ہے۔''

چنانچہ وہ اپنی بیوی کے کہنے کے مطابق واپس اسی بادشاہی میں آ گیا۔ جب مقررہ تاریخ پر بادشاہ نے دیکھا کہ تمام خادم اپنی اپنی بیوی ساتھ لے آئے ہیں مگر وہ اکیلا ہی واپس آ گیا ہے تو اس نے خادم کو بلا کر پوچھا۔

''ہمارے حکم کے مطابق تم اپنے بیوی بچے ساتھ کیوں نہیں لائے؟''

جواب میں اس نے ہاتھ باندھ کر بڑی عاجزی سے عرض کی۔

''عالی جاہ! میری بیوی پر بہت سے لوگوں کا قرض واجب ہے اس لیے اس کا یہاں آنا مشکل ہے۔ اگر وہ یہاں آتی ہے تو قرض خواہ اسے نہیں آنے دیتے۔''

یہ جواب سن کر بادشاہ بہت سٹپٹایا کہ اس کا یہ حربہ بیکار گیا۔ اس نے دل میں سوچا' اس کے ساتھ کوئی اور ہاتھ کرنا چاہیے۔ کوئی ایسی ترکیب کی جائے جس سے اسے بیوی لائے بغیر چارہ

نہ رہے۔اس نے اپنے وزیر با تدبیر سے رائے طلب کی تو اس نے کہا۔

''جہاں پناہ! اس خادم کی رائے تو یہ ہے کہ اس کی بیوی کو یہاں لانے کے لیے کٹنیاں بھیجی جائیں۔اس کے بغیر اس کا آنا مشکل ہے۔''

بادشاہ کو یہ ترکیب پسند آئی۔وہ بولا۔

''ہاں! تم ٹھیک کہتے ہو۔اس کی بیوی کو بلانے کا یہی ایک طریقہ ہے۔''

اس کے بعد اس نے وزیر کو حکم دیا۔

''آج ہی ایسی کٹنیاں بلائی جائیں جو یہ کام بخوبی سرانجام دے سکیں۔''

بادشاہ کے حکم کی دیر تھی' ملک بھر کی چالاک اور ماہر سے ماہر کٹنیاں بلا لی گئیں۔جب کٹنیاں حاضر ہوگئیں تو وزیر نے بادشاہ سے عرض کیا۔

''بادشاہ سلامت! حکم کے مطابق کٹنیاں حاضر ہیں۔''

بادشاہ نے کٹنیوں کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

''بتاؤ! تم میں سب سے زیادہ ہوشیار اور چالاک کون ہے؟''

جواب میں ایک کٹنی بولی۔

''جہاں پناہ! میں آسمان پر جا سکتی ہوں مگر واپس نہیں آ سکتی۔''

دوسری نے کہا۔

''عالی جاہ! میں آسمان پر جا بھی سکتی ہوں اور واپس بھی آ سکتی ہوں!''

تیسری نے عرض کیا۔

''بادشاہ سلامت! میں اگر چاہوں تو آسمان کو تھگلی لگا سکتی ہوں!''

جب بہت سی کٹنیاں اپنی اپنی چالاکی' ہوشیاری اور مہارت کے بارے میں بتا چکیں تو آخر میں دو بوڑھی کٹنیاں پیش ہوئیں۔انہوں نے کہا۔

''حضور والا! ہم دونوں آسمان پر جا سکتی ہیں' واپس بھی آ سکتی ہیں اور آسمان کو تھگلی

بھی لگا سکتی ہیں۔اس کے ساتھ ہم دونوں پاتال میں اتر کو لوٹ سکتی ہیں اور سات سمندر پار کی خبر لا سکتی ہیں۔''

بادشاہ کو یہ دونوں کٹنیاں پسند آئیں۔کہنے لگا۔

''یہ دونوں ٹھیک ہیں۔ان کے سپرد یہ کام کیا جائے۔''

اسی وقت ان دونوں بوڑھی کٹنیوں کو بہت سی دولت دے دی گئی اور ان کے سپرد یہ کام کیا گیا کہ وہ اس خادم کے گھر جائیں اور اس کی بیوی کا تمام قرض چکا کر جس طرح بھی ہو' دھوکے یا چالاکی سے اسے اپنے ساتھ لے آئیں۔جب وہ دونوں رخصت ہونے لگیں تو بادشاہ نے انہیں خبردار کیا۔

''یاد رکھو!اگر تم نے یہ کام نہ کیا تو تم دونوں کو زندہ جلا دیا جائے گا۔''

بادشاہ سے رخصت ہو کر دونوں کٹنیاں اس خادم کے پاس گئیں اور کسی نہ کسی بہانے سے اس کے شہر کا پتہ معلوم کر لیا۔اس کے بعد وہ اپنی مہم پر روانہ ہو گئیں۔

دونوں کٹنیاں ہفتوں کا سفر دنوں میں طے کرتی ہوئیں اس شہر میں پہنچ گئیں جہاں شاہی خادم کی بیوی رہتی تھی۔انہوں نے لوگوں سے پوچھ پاچھ کر اس کا گھر معلوم کیا اور وہاں جا کر دروازے پر دستک دے دی۔اس کی بیوی نے دروازہ کھولا تو دو اجنبی بوڑھی عورتوں کو اپنے سامنے کھڑا پایا۔

''تم کون ہو؟اور تمہیں مجھ سے کیا کام ہے؟''

اس نے ان سے پوچھا۔جواب میں کٹنیاں بولیں۔

''ہمیں تمہارے شوہر نے بھیجا ہے اور ہم تمہیں لینے آئی ہیں۔''

کٹنیوں کا یہ جواب سن کر وہ معاملے کی تہہ تک پہنچ گئی۔وہ تو پہلے ہی سے اس کی منتظر تھی کہ اب اسے بلانے کے لیے کوئی نیا حربہ استعمال کیا جائے گا۔ وہ اس سلسلے میں چوکس تھی۔ اس نے کٹنیوں پر یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ وہ ان کی چال سے باخبر ہو گئی ہے بلکہ خوشی خوشی ان کو گھر

میں لائی' عزت سے بٹھایا اور خاطر تواضع کی۔ دونوں کٹنیاں اپنے دل میں خوش تھیں کہ ان کی ترکیب کارگر ثابت ہو رہی ہے' اب وہ انعام میں بادشاہ سے اتنی دولت پائیں گی کہ باقی زندگی مزے سے گزار سکیں گی۔ انہوں نے اس سے کہا۔

''تم اب چلنے کی تیاری کر لو۔ تمہارے خاوند نے ہمیں کہا تھا کہ ہم تمہیں جلد سے جلد لے آئیں۔''

جواب میں اس نے معصوم بنتے ہوئے کہا۔

''مجھے اپنے خاوند کے پاس جانے میں کیا اعتراض ہو سکتا ہے مگر مجبوری یہ ہے' مجھ پر بہت لوگوں کا قرض واجب ہے۔ جب تک وہ سارا چکا نہ دیا جائے میں یہاں سے کیسے جا سکتی ہوں؟''

کٹنیاں تو پہلے اس کا انتظام کر کے آئی تھیں۔ وہ بولیں۔

''تم اس کی فکر نہ کرو۔ تمہارے خاوند نے ہمیں قرض چکانے کے لیے پیسے دیئے ہیں۔ ہمیں بتاؤ تم پر کتنا قرض ہے لوگوں کا؟ ہم ابھی سارا ادا کیے دیتی ہیں۔''

وہ بھی یہ بات اچھی طرح سمجھ گئی تھی کہ یہ مجھے لے جانے کے لیے ہر طرح سے تیار ہو کر آئی ہیں اور مجھے لے جائے بغیر نہ ٹلیں گی۔ مگر وہ بیوقوف نہیں تھی۔ اس نے بھی اپنی جگہ پورا پورا بندوبست کر رکھا تھا۔ جب کٹنیوں نے اس سے قرض چکانے کے لیے کہا تو وہ بولی۔

''مجھے تو کچھ ٹھیک سے پتہ نہیں۔ میں دکانداروں سے دریافت کرتی ہوں کہ ان کا مجھ پر کتنا قرض واجب ہے۔ وہی صحیح طور پر بتا سکیں گے۔''

ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ تم انہیں بلا لاؤ۔

دونوں نے دل میں خیال کیا' اس طرح وہ جھوٹ بھی نہیں بول سکے گی اور ہمیں اتنا ہی روپیہ دینا پڑے گا جتنا اس پر قرض ہو گا۔

عورت گھر سے نکل کر محلّے کے مختلف دکانداروں کے پاس گئی اور انہیں سکھا پڑھا دیا کہ

وہ اس کے گھر آ کر اس سے اپنا قرض طلب کریں۔ وہ جس قدر روپیہ طلب کریں گے اس میں سے آدھا حصہ ان کا ہوگا۔ بھلا دکانداروں کو اور کیا چاہیے تھا؟ نہ کچھ لیا نہ دیا اور مفت میں دولت مل رہی تھی۔ وہ اکٹھے ہو کر اس کے گھر پر آ گئے اور اس کے کہنے کے مطابق اپنا قرض چکانے کا مطالبہ کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر کٹنیوں نے فرداً فرداً سب سے پوچھا۔

''تمہارا کتنا قرض واجب ہے؟''

کسی نے چار سو بتایا' کوئی ہزار روپیہ طلب کرنے لگا اور کسی نے ڈیڑھ ہزار کا مطالبہ کیا۔ اس طرف مختلف دکانداروں نے مختلف رقم بتائی۔ کٹنیوں نے ان سب کو ان کے مطلوبہ روپے دیئے اور اس عورت سے کہنے لگیں۔

''اب تم چلنے کی تیاری کرو۔''

اس پر اس نے جواب دیا۔

''اب میرے چلنے میں کیا دیر ہے؟''

پھر اس نے بڑی نرمی سے کٹنیوں سے کہا۔

''آیئے! پہلے کھانا تو کھا لیجیے۔ اس کے بعد سفر کی تیاری کرتے ہیں۔''

دونوں کٹنیوں کو اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ ان کی مہم کامیاب ہو چکی ہے لہٰذا وہ دونوں خوشی خوشی کھانے کے لیے اٹھیں اور اس کمرے میں چلی گئیں جہاں ان کے لیے کھانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ کمرے میں ایک بڑی سی چارپائی پڑی تھی جس پر دھلی ہوئی سفید چادر بچھی تھی۔ عورت نے ان سے کہا۔

''آپ یہاں بیٹھیں۔ میں آپ کے لیے کھانا نکالتی ہوں۔''

اور پھر جوں ہی دونوں کٹنیاں اس چارپائی پر بیٹھیں دھڑام سے نیچے ایک گہرے گڑھے میں جا گریں۔ دراصل وہ چارپائی بغیر بان کے تھی اور اس پر چادر اس طرح بچھائی گئی تھی کہ کسی کو پتہ نہ چل سکتا تھا کہ اس کے نیچے ایک گہرا گڑھا کھدا ہوا ہے' جو اس عورت نے پہلے ہی

سے ایسے وقت کے لیے تیار کر رکھا تھا۔ اب جب کٹنیاں چارپائی پر بیٹھیں تو پلک جھپکتے میں گڑھے میں جا گریں۔ انہوں نے گھبرا کر چیخنا چلانا شروع کیا تو عورت نے کہا۔

''اگر تم نے ذرا بھی شور کیا تو میں تم پر جلتا ہوا تیل ڈال کر تمہیں ہمیشہ کے لیے ختم کر دوں گی۔ اگر اپنی زندگی چاہتی ہو تو چپکی بیٹھی رہو!''

کٹنیاں بری پھنسی تھیں۔ کیا کر سکتی تھیں۔ جان کے خوف سے خاموش ہو کر گڑھے میں بیٹھ رہیں۔ ان کی ساری چالاکی اور ہوشیاری ڈھیر ہو کر رہ گئی تھی۔ اب نہ وہ کسی کو مدد کے لیے پکار سکتی تھیں اور نہ خود کچھ کر سکتی تھیں۔ کہاں تھوڑی دیر پہلے دونوں انعام واکرام کے خواب دیکھ رہی تھیں اور کہاں اب گڑھے میں دم سادھے بیٹھی سوچ رہی تھیں کہ

''اب کیا کریں؟''

عورت نے جب دیکھا کہ دونوں کٹنیاں اب کہیں نہیں بھاگ سکتیں تو اس نے گڑھے پر ایک بڑا سا تختہ رکھ کر بند کر دیا اور خود ان دکانداروں کے پاس گئی جو قرض خواہ بن کے آئے تھے۔ اس نے وعدے کے مطابق آدھا حصہ ان کو دیا اور باقی دولت خود لا کر گھر میں رکھ لی۔ اس کے بعد اس کا یہ معمول بن گیا کہ ہر روز صبح اور شام چار روٹیاں اور کچھ سالن گڑھے میں پھینک دیتی۔ تھوڑا سا پانی پلا دیتی اور اس طرف کٹنیاں گڑھے میں بند اپنی زندگی کے دن گننے لگیں۔

ادھر تو یہ ہو رہا تھا اور دوسری طرف بادشاہ اس انتظار میں بیٹھا تھا کہ کٹنیاں آج آتی ہیں' کل آتی ہیں لیکن ان کا آنا تو رہا ایک طرف' ان کی کوئی خبر تک نہ آئی۔ بادشاہ حیران بھی تھا اور پریشان بھی۔ جوں جوں دن گزرتے جا رہے تھے اسے اپنی یہ چال بھی ناکام ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ اس عورت کو دیکھنے کا شوق اور بڑھا جا رہا تھا۔ آخر جب کافی عرصہ بیت گیا اور دونوں کٹنیاں واپس نہ آئیں تو بادشاہ کو فکر لاحق ہوئی۔ اس نے اپنے وزیر خاص سے اپنا خدشہ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

''مابدولت کا خیال ہے کہ کٹنیاں یقیناً کسی مصیبت میں گرفتار ہو گئی ہیں۔''

وزیر کی بھی یہی رائے تھی۔ وہ کہنے لگا۔

''جہاں پناہ! اس خادم کے دل میں بھی یہی دھڑکا ہے۔''

لیکن سوال یہ ہے کہ اب کیا کیا جائے؟

بادشاہ نے فکرمند ہوتے ہوئے اپنے وزیر سے رائے طلب کی جس پر وزیر بولا۔

''اگر حضور اس غلام کی رائے مانیں تو ہمیں دو ٹھگ روانہ کرنے چاہئیں۔ ٹھگ کٹنیوں سے زیادہ ہوشیار ہوتے ہیں۔ وہ ضرور اس عورت کو لانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔''

بادشاہ کہنے لگا۔

''ہاں! تمہاری رائے مناسب معلوم ہوتی ہے۔ اب ہمیں ٹھگ ہی بھیجنے چاہئیں۔''

اسی وقت دو انتہا درجہ کے جہاں دیدہ ٹھگ طلب کیے گئے۔ بادشاہ نے انہیں بہت سی دولت دی اور کہا۔

''جس طرح بھی ہو اس عورت کو ساتھ لانا۔ اگر تم اسے اپنے ساتھ لانے میں کامیاب ہو گئے تو تمہیں مزید انعام و اکرام سے نوازا جائے گا۔''

عالی جاہ! ہمیں کامل یقین ہے کہ ہم اسے لانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ آپ فکر نہ کریں۔

دونوں ٹھگوں نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا اور پھر سفر کی تیاریاں کرنے لگے۔ انہوں نے اس عورت کا اتہ پتہ معلوم کیا اور بادشاہ سے رخصت چاہی۔ جب وہ چلنے لگے تو بادشاہ بولا۔

''یہ بات یاد رکھو! اگر تم اسے لانے میں ناکام رہے تو تمہیں قتل کرا دیا جائے گا۔''

دونوں ٹھگوں نے بادشاہ کا یہ حکم بھی سنا اور اپنے سفر پر چل دیئے۔ انعام کا لالچ تھا اور اپنی جان کا خوف' انہوں نے دنوں کا سفر گھنٹوں میں اور ہفتوں کا دنوں میں طے کیا۔ آخر کار اسی شہر میں پہنچ گئے جہاں وہ عورت رہتی تھی۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے عورت کا گھر تلاش کیا اور جا کر دروازے پر دستک دے دی۔ دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز سن کر عورت باہر آئی تو اس نے دیکھا' دو

اجنبی آدمی کھڑے تھے۔اس نے انہیں غور سے دیکھا تو اسے کچھ شک ہوا کہ ہو نہ ہو یہ بھی کٹنیوں کے ساتھی ہی معلوم ہوتے ہیں۔وہ ان سے پوچھنے لگی۔

''تم لوگ کون ہو اور کس سے ملنا چاہتے ہو؟''

جواب میں دونوں ٹھگ بولے۔

''ہمیں تمہارے خاوند نے بھیجا ہے ہم تمہیں لینے آئے ہیں۔''

یہ جواب سنتے ہی اس کا شک یقین میں بدل گیا۔وہ سمجھ گئی کہ بادشاہ نے اسے بلانے کے لیے یہ نئی چال چلی ہے۔وہ اسے کسی نہ کسی طور بلا کر ہی رہے گا۔لیکن یہ سب کچھ جانتے اور سمجھتے ہوئے بھی اس نے بڑی عقلمندی سے کام لیا۔انہیں اس بات کا احساس تک نہ ہونے دیا کہ وہ ان کی نیت بھانپ گئی ہے۔اس نے انجان بنتے ہوئے کہا۔

''میرا خاوند مجھے بلا رہا ہے تو مجھے جانے میں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔''

پھر وہ لہجے میں قدرے اداسی پیدا کر کے کہنے لگی۔

''دراصل مجبوری یہ ہے کہ مجھ پر بہت سے لوگوں کا قرض واجب ہے۔جب تک میں اسے نہ چکا دوں یہاں سے کیسے جا سکتی ہوں؟''

ٹھگ جلدی سے بولے۔

''تم گھبراؤ نہیں۔تمہارے خاوند کو معلوم تھا کہ تم مقروض ہو۔اس لیے اس نے ہمارے ہاتھ دولت بھی بھیجی ہے تاکہ تمہارا قرض چکایا جا سکے۔''

پھر وہ پوچھنے لگے۔

اچھا! ہمیں بتاؤ، تمہیں کس قدر قرض چکانا ہے؟''

''مجھ بیچاری کو کیا معلوم۔میں ان دکانداروں کو بلا لاتی ہوں جن کا مجھ پر قرض ہے۔وہی صحیح طور پر بتا سکیں گے۔''

''ہاں! ہاں! تم ان تمام دکانداروں کو بلا لاؤ تاکہ ہم تمام قرض چکا دیں۔''

دونوں ٹھگ خوش ہو کر بولے۔ وہ دل میں سوچ رہے تھے کہ ہماری چال کامیاب ہو گئی ہے۔ اب ہم اسے لے جانے میں ناکام نہیں رہیں گے اور بادشاہ سے منہ مانگا انعام پائیں گے۔ اس وقت انہیں اپنی ذہانت اور چالاکی پر فخر محسوس ہو رہا تھا۔

ادھر تو یہ دونوں اپنی جگہ خوش ہو رہے تھے اور دوسری طرف عورت سوچ رہی تھی کہ جس قدر جلد ہو ان کو بھی ٹھکانے لگا دے۔ وہ یہی کچھ سوچتی ہوئی پہلے کی طرح محلے کے مختلف دکانداروں کے پاس گئی اور انہیں قرض مانگنے کے لیے سکھا پڑھا آئی۔ وہ تو جیسے پہلے ہی سے تیار بیٹھے تھے چنانچہ چند منٹ گزرے ہوں گے کہ ایک ساتھ کئی دکانداروں نے اس کے گھر پر آ کر اپنے اپنے قرض کی واپسی کا مطالبہ شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر ٹھگوں کو یقین ہو گیا کہ واقعی اس پر لوگوں کا قرض واجب ہے اور اسی لیے وہ نہیں جا رہی تھی۔ انہوں نے ایک ایک دکاندار سے دریافت کیا۔

''تمہارا اس پر کتنا قرض واجب ہے؟''

جواب میں پھر مختلف دکانداروں نے اپنی اپنی رقم بتائی۔ کسی نے پانچ سو بتائے' کوئی ہزار کا مطالبہ کرنے لگا اور کوئی ڈیڑھ ہزار بتانے لگا۔ جو کسی نے مانگا ٹھگوں نے انہیں دے دیا۔ جب سب دکاندار پیسے لے کر چلے گئے تو ٹھگ عورت سے کہنے لگے۔

''لو! تمہارا تمام قرض چک گیا۔ اب تم چلنے کی تیاری کرو۔''

عورت بولی۔

''اب چلنے میں کیا دیر ہے!''

اس کے بعد اس نے ٹھگوں سے کہا۔

''پہلے تم لوگ کھانا کھا لو۔ پھر سفر کی تیاری کرتے ہیں۔''

ٹھگوں کو کھانا کھانے پر کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ وہ خوشی خوشی اس کے ساتھ اندر چلے گئے اور کمرے میں بچھی ہوئی چارپائی پر بیٹھ گئے۔ لیکن جوں ہی وہ چارپائی پر بیٹھے' اس کے ساتھ

ہی دونوں اس گہرے گڑھے میں جا گرے جہاں پہلے ہی سے دو کٹنیاں بند تھیں۔ انہوں نے گھبرا کر کٹنیوں کو دیکھا تو اب ان کی سمجھ میں آیا کہ کٹنیاں واپس کیوں نہیں پہنچیں۔ انہوں نے پریشان ہو کر شور کرنا چاہا تو عورت بولی۔

''اگر تم میں سے کسی ایک نے بھی شور کیا تو میں اوپر سے جلتا ہوا تیل ڈال کر سب کو ختم کر دوں گی۔ اگر جان کی سلامتی چاہتے ہو تو خاموش بیٹھے رہو!''

ٹھگ بے بس تھے۔ آخر وہ بھی دونوں کٹنیوں کی طرح خاموش ہو رہے اور دل ہی دل میں اس مصیبت سے نجات حاصل کرنے کی ترکیبیں سوچنے لگے۔ عورت پہلے تو دونوں وقت چار چار روٹیاں گڑھے میں پھینکتی تھی لیکن اب اس نے آٹھ روٹیاں دینا شروع کر دیں۔ اس طرح ٹھگ اور کٹنیاں اپنی بدقسمتی کے دن شمار کرنے لگے۔

دوسری طرف بادشاہ اور وزیر حیران تھے کہ آخر ہوا کیا؟ کٹنیاں گئیں تو واپس نہیں آئیں اور ٹھگ بھیجے تو اب تک ان کی کوئی خیر خبر نہیں؟ یہ سب کے سب کس آفت میں پھنس گئے؟ انہوں نے سوچا' یقیناً اس عورت نے اپنی ذہانت سے انہیں گرفتار کر لیا ہے یا پھر وہ کسی دوسری مصیبت میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ لیکن اب انہوں نے بھی اپنے دل میں یہ عہد کر لیا تھا کہ:

''چاہے کچھ بھی کیوں نہ ہو جائے وہ اسے بلا کر ہی دم لیں گے۔''

ایک روز بادشاہ نے وزیر سے کہا۔

''اے وزیر با تدبیر! دونوں کٹنیاں بھی ناکام ہو گئیں۔ ٹھگ بھی ہار گئے۔ اب تم خود جاؤ اور اس عورت کو اپنے ساتھ لاؤ۔''

بادشاہ کا حکم تھا۔ وزیر کی کیا مجال تھی جو انکار کرتا۔ اس نے دست بستہ عرض کی۔

''جو حضور کی مرضی۔ خادم کل ہی روانہ ہو جائے گا۔''

چنانچہ وزیر نے اپنے سفر کا ضروری سامان ساتھ لیا' کچھ آدمی ہمراہ لیے اور اس شہر کی طرف چل دیا جہاں وہ عورت رہتی تھی اور جہاں اس نے کٹنیوں اور ٹھگوں کو قید رکھا تھا۔

کئی روز کا سفر طے کرتا ہوا وزیر چلتا چلا تا اسی شہر جا پہنچا اور پھر پوچھتا پچھا تا اس کے گھر پہنچ گیا۔ وہاں جا کر اس نے دروازے پر دستک دی۔ وہ عورت تو پہلے ہی سے منتظر تھی۔ وہ جانتی تھی کہ ٹھگوں اور کٹنیوں کی خبر نہ پا کر ان کے پیچھے کوئی نہ کوئی ضرور آئے گا۔ اس لیے جوں ہی اس نے دروازہ کھول کر وزیر کو دیکھا' سب کچھ سمجھ گئی کہ اب بادشاہ نے خود وزیر کو بھیجا ہے۔ پھر بھی اس نے انجان بن کر پوچھا۔

''تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟''

وزیر نے اسے دیکھا تو دنگ رہ گیا۔ واقعی وہ بے انتہا حسین تھی۔ اس نے جواب دیا۔

''میں فلاں بادشاہ کا وزیر ہوں۔ تمہیں تمہارے خاوند نے بلایا ہے اور میں تمہیں لینے کے لیے آیا ہوں۔''

عورت عقلمند اور چالاک تھی۔ اس نے اپنے دل میں سوچا۔ یہ وزیر ہے اور اسے آسانی سے بیوقوف نہیں بنایا جا سکتا۔ یہ سوچ کر وہ بڑی انکساری سے بولی۔

آیئے! اندر تشریف لایئے!

اور جب وزیر گھر کے اندر آ گیا تو وہ بولی۔

''حضور! اگر مجھے میرے شوہر نے بلایا ہے تو مجھے جانے میں کیا عذر ہو سکتا ہے۔ پھر آپ نے اس کے لیے خود آنے کی زحمت کی ہے' میری کیا مجال کہ انکار کر سکوں؟''

اتنا کہنے کے ساتھ ہی اس نے ایک نظر وزیر کا جائزہ لیا اور یہ جان کر کہ وزیر بھی اس کی باتوں میں آ جائے گا' اس سے کہنے لگی۔

''دراصل بات یہ ہے کہ مجھ پر کچھ لوگوں کا قرض واجب ہے۔ جب تک وہ ادا نہ ہو جائے میرا یہاں سے جانا مشکل ہے۔''

یہ سن کر وزیر جھٹ سے بولا۔

''تم پر کتنا قرض ہے؟ مجھے بتاؤ میں ابھی ادا کیے دیتا ہوں۔''

جواب میں عورت پہلے کی طرح بولی۔

''حضور! مجھ بیچاری کو کیا معلوم؟ میں ان دکانداروں کو بلا لاتی ہوں' آپ خود ہی ان سے دریافت کرلیں۔''

''ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ تم انہیں ابھی بلاؤ۔ میں ان سے خود پوچھ لیتا ہوں۔''

وزیر نے کہا اور اس کے ساتھ ہی وہ عورت پھر محلّے کے مختلف دکانداروں کے پاس گئی اور ان سے کہا۔ تم لوگ پھر مجھ سے قرض کی واپسی کا مطالبہ کرنے میرے گھر آؤ۔ پہلے کی طرح آدھا تمہارا اور آدھا میرا۔ اس کے بعد وہ ان سے کہنے لگی۔

''مگر اس دفعہ تم لوگ زیادہ سے زیادہ رقم بتانا!''

دکاندار اس کی ہدایت کے مطابق اس کے گھر آئے تو وزیر نے باری باری سب سے پوچھا۔

''اس عورت پر تمہارا کتنا قرض ہے؟''

جواب میں تمام دکانداروں نے اب کی بار بہت بڑھا چڑھا کر رقم بتائی جو وزیر نے اسی وقت سب کو ادا کردی اور جب سب دکاندار چلے گئے تو اس نے عورت سے کہا۔

''تمہارا قرض ادا ہوگیا۔ اب تم چلنے کی تیاری کرو!''

وزیر تو اس جلدی میں تھا کہ جیسے بھی ہو جلد سے جلد عورت کو ساتھ لے کر چلتا بنے اور عورت یہ سوچ رہی تھی کہ وزیر کو کس طرح چکمہ دے؟ اس نے وزیر سے کہا۔

''حضور! میرے خاوند نے اتنے عرصہ کے بعد مجھے بلایا ہے۔ اسے مجھ سے جدا ہوئے کئی برس گزر چکے ہیں۔ اس لیے میں پالکی کے بغیر نہیں جاؤں گی!''

وزیر کہنے لگا۔

''اس میں کیا دیر لگتی ہے؟ تم فکر نہ کرو۔ میں ابھی پالکی کا بندوبست کیے دیتا ہوں۔ بس تم تیار ہو جاؤ۔''

یہ کہہ کر وہ پالکی کا انتظام کرنے چلا گیا اور عورت لپک کر کمرے میں اس گڑھے کے

پاس آئی جہاں دونوں کٹنیاں اور ٹھگ قید تھے۔ اس نے ان سے کہا۔

تم لوگ اپنے گھر جانا چاہتے ہو یا ہمیشہ کے لیے اس گڑھے میں بند رہنا پسند کرتے ہو؟

سب نے ہاتھ جوڑ کر عاجزی سے کہا۔

''خدا کے لیے ہم پر رحم کرو اور ہمیں اس مصیبت سے نجات دلا دو۔ ہم زندگی بھر تمہارے احسان مند رہیں گے۔

اس پر عورت بولی۔

''پہلے بتاؤ تم چیخو چلاؤ گے تو نہیں؟''

جواب میں کٹنیوں اور ٹھگوں نے اس سے عہد کیا کہ وہ بولیں گے بھی نہیں۔ جیسا وہ کہے گی وہی کریں گے۔ جب وہ چاروں اسے عہد دے چکے تو اس نے چاروں کو گڑھے میں سے باہر نکالا اور ان سے کہا۔

''جو میں تم سے کہوں وہی کرنا۔ اس طرح تم اپنے گھر پہنچ جاؤ گے۔''

وہ چاروں اس بات سے بالکل بے خبر تھے کہ وزیر خود آیا ہوا ہے۔ انہوں نے تو صرف یہ سوچا کہ جس طرح بھی ہو اس قید سے چھٹکارا حاصل کرو۔ لہٰذا وہ ہاتھ جوڑ کر بولے۔

''ہم تمہاری ہر بات حکم سمجھ کر بجالائیں گے۔''

اس کے بعد اس عورت نے دونوں ٹھگوں اور دونوں کٹنیوں کے منہ کالے کیے اور وزیر کا انتظار کرنے لگی۔ ادھر وزیر کو تو پہلے ہی جلدی تھی اس نے جوں توں کر کے پالکی کا انتظام کیا اور کہاروں کو لے کر آ پہنچا۔

''لو! پالکی بھی آ گئی۔ اب تم جلدی چلو۔''

وزیر کے اتنا کہنے پر عورت نے جواب دیا۔

''آپ باہر ٹھہر جائیں اور جب میں پالکی میں بیٹھ کر اندر سے کنڈی ہلاؤں تو کہاروں سے کہہ دیں کہ وہ پالکی اٹھا لیں اور چل دیں۔''

پھر وہ بولی۔

''میں اپنے ساتھ اپنے شوہر کے لیے کچھ تحفے بھی لے کے جا رہی ہوں اس لیے کہاروں کو یہ بھی بتا دیجیے کہ پالکی کا وزن زیادہ ہوگا۔''

بھلا وزیر کو اس پر کیا اعتراض ہو سکتا تھا؟ وہ تو کسی نہ کسی طور اسے لے جانا چاہتا تھا۔ اس لیے بولا۔

''تم فکر نہ کرو۔ بوجھ زیادہ ہوتا ہے تو ہونے دو۔''

چنانچہ وزیر تو گھر کے باہر جا کر کھڑا ہو گیا۔ عورت نے جلدی سے اندر آ کر دونوں کنیزوں اور ٹھگوں سے کہا۔

''جلدی کرو اور پالکی میں بیٹھ جاؤ اور جب تم چاروں پالکی میں بیٹھ جاؤ تو اندر سے کنڈی ہلا دینا۔ اس طرح تم سب اپنے اپنے گھر پہنچ جاؤ گے۔''

ان کو اور کیا چاہیے تھا؟ خدا خدا کر کے قید سے رہائی مل رہی تھی۔ انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور چاروں جلدی سے پالکی میں بیٹھ گئے۔ پھر انہوں نے پالکی کے دروازے کی کُنڈی ہلائی تو وزیر سمجھا، عورت پالکی میں بیٹھ چکی ہے چنانچہ اس نے کہاروں کو اشارہ کیا اور کہار پالکی اٹھا کر چل دیے۔

وزیر راستہ بھر دل میں سوچتا رہا کہ اب بادشاہ اس کی ذہانت اور فراست کا قائل ہو جائے گا۔ جو کام اور کوئی نہ کر سکا وہ اس نے کر دکھایا ہے۔ اب اسے بیش قیمت انعام و اکرام سے نوازا جائے گا۔ وہ اسی طرح تمام سفر کے دوران منصوبے بناتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کا اپنا شہر آ گیا۔ وہ سیدھا بادشاہ کے حضور پیش ہوا اور سلام عرض کرنے کے بعد بڑے فخر سے بولا۔

''جہاں پناہ! یہ خادم اس خوبصورت عورت کو لے آیا ہے!''

ہمیں بھی دکھایا جائے کہ وہ عورت کون ہے؟

بادشاہ بڑے اشتیاق سے بولا اور اس کے ساتھ ہی وزیر نے کہاروں کو پالکی کا پردہ

اٹھانے کا اشارہ کیا۔ مگر جوں ہی پالکی کا پردہ اٹھا سب کے سب ہکا بکا ہو کر دیکھنے لگے۔ پالکی میں ایک خوبصورت عورت کی بجائے دو بھوتنے اور دو بھوتنیاں باہر نکل آئیں۔ بادشاہ اپنی جگہ حیران تھا اور وزیر اپنی جگہ پریشان کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے؟ میں تو اس خوبصورت عورت کو لایا تھا پھر یہ چاروں کہاں سے آ گئے؟ ابھی سب اسی شش و پنج میں گرفتار تھے کہ دونوں کٹنیوں اور دونوں ٹھگوں نے ہاتھ جوڑ کر سارا قصہ کہہ سنایا اور بتایا کہ انہیں کس طرح دھوکے سے قید کیا گیا اور کس طرح وہ پالکی میں یہاں تک آئے۔ اس کے بعد وہ اپنے آپ کو بے قصور بتاتے ہوئے کہنے لگے۔

''عالی جاہ! اس میں ہم غلاموں کی کوئی خطا نہیں ہے۔''

ان کی کہانی سن کر وزیر تو اپنی جگہ شرمندہ تھا ہی لیکن اب بادشاہ کو بہت غصہ آ رہا تھا۔ یہ سوچ سوچ کر اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی کہ ایک عورت سب کو مسلسل بیوقوف بنائے جا رہی ہے۔ اس نے غصے میں کانپتے ہوئے وزیر سے کہا۔

''اس خادم کو اسی وقت ہمارے سامنے پیش کیا جائے!''

حکم کی دیر تھی کہ خادم حاضر تھا۔ وہ بیچارہ ڈر رہا تھا کہ خدا جانے اب کیا آفت آئے۔ بادشاہ نے اسے حکم دیا۔

''ہمارے حضور میں ایک ایسا جانور پیش کرو جس کے سات رنگ ہوں!''

اتنا کہنے کے بعد بادشاہ نے پھر کہا۔

''اگر تم نے سات رنگ کا جانور پیش نہ کیا تو تمہارا زن بچہ کولہو میں پلوا دیا جائے گا۔''

شاہی حکم سنتے ہی بیچارہ خادم تھر تھر کانپنے لگا۔ وہ سمجھ گیا کہ بادشاہ بہت ناراض ہے اور اب اس کا عتاب نازل ہونے میں دیر نہیں لیکن وہ کرے بھی تو کیا کرے؟ نہ ہاں کرتے بنتی تھی اور نہ حکم عدولی کا حوصلہ تھا۔ پھر مصیبت یہ تھی کہ آج تک نہ اس نے کبھی سات رنگ کا جانور دیکھا تھا اور نہ کبھی اس کے بارے میں سنا ہی تھا۔ تاہم اس نے ہاتھ باندھ کر عرض کی۔

''حضور والا! اس کے لیے مجھے ایک ماہ کی مہلت دی جائے۔''

''ہاں! تمہیں ایک ماہ کی مہلت دی جاتی ہے۔''

اسے ایک ماہ کی مہلت دے دی گئی لیکن وہ اب پریشان تھا کہ سات رنگ کا جانور کہاں سے لائے؟ جب اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو اس نے سوچا۔

''کیوں نہ چل کے اپنی بیوی سے مشورہ کروں؟ ہوسکتا ہے وہ اس نئی مصیبت سے بچنے کی کوئی سبیل نکال لے۔''

اور یہ سوچ کر وہ اپنے شہر کی طرف چل دیا۔

جب وہ کئی دنوں کا سفر طے کر کے اپنے گھر پہنچا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ جہاں اس کا ایک معمولی سا گھر تھا وہاں اب ایک خوبصورت اور شاندار مکان نظر آ رہا ہے۔ پہلے تو وہ سمجھا کہ شاید میں غلطی سے کسی دوسرے مکان پر آ گیا ہوں لیکن جب اس نے تصدیق کر لی اور اسے یقین ہو گیا کہ واقعی یہ اس کا اپنا گھر ہے تو بڑا متعجب ہوا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیسے اور کیوں کر ہو گیا؟ جب وہ اپنے گھر میں گیا تو اس کی بیوی نے ساری داستان بتائی کہ کس طرح اس نے دکانداروں کو اپنے ساتھ ملا کر کٹنیوں' ٹھگوں اور وزیر سے دولت حاصل کی اور اس دولت سے یہ شاندار مکان تعمیر کرایا۔ پھر کس کس طرح اپنے آپ کو بچانے کے لیے انہیں دھوکہ دیا۔ شوہر بیوی کی باتیں سن کر بہت خوش ہوا لیکن اس کی یہ خوشی وقتی تھی۔ اسے فوراً یاد آیا کہ اگر ایک ماہ کے اندر اندر اس نے بادشاہ کے حضور میں سات رنگوں والا جانور پیش نہ کیا تو اسے بیوی سمیت زندہ کو لہو میں پلوا دیا جائے گا۔ یہ سوچتے ہی اس کی ساری خوشی جاتی رہی اور وہ کچھ اداس سا ہو گیا۔ اس کی بیوی نے اس سے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا۔

''اگر میں نے ایک ماہ کے اندر سات رنگ کا جانور پیش نہ کیا تو ہم دونوں کو زندہ کو لہو میں پلوا دیا جائے گا۔ بادشاہ کا یہی حکم ہے۔''

اس پر اس کی بیوی اسے تسلی دیتے ہوئے بولی۔

''تم اس کی فکر نہ کرو۔ اللہ اس کا انتظام بھی کر ہی دے گا۔ پھر اس نے خاوند سے کہا۔

بس تم کل ہی مجھے ساتھ لے کر واپس چل دو! وقت کم ہے۔''

دوسرے روز وہ بیوی کے کہنے کے مطابق اسے ساتھ لے کر اس شہر کے سفر پر روانہ ہو گیا جہاں وہ شاہی دربار میں ملازم تھا۔ جب وہ واپس پہنچے تو اس کی مہلت میں ابھی کچھ دن باقی تھے۔ بیوی چلتے وقت اپنے ساتھ بہت سی دولت بھی لے آئی تھی اس لیے اس نے شوہر سے کہا۔

''یہ دولت لو اور تم فوری طور پر میرے لیے ایک بڑے سے مکان کا الگ بندوبست کر دو۔''

چنانچہ انہوں نے ایک بڑا سا مکان خرید لیا جہاں وہ دونوں رہنے لگے۔ جب مہلت میں صرف دو دن باقی رہ گئے تو عورت اپنے خاوند سے کہنے لگی۔

''اب تم یُوں کرو۔ کہیں سے کبوتروں' چڑیوں' طوطوں اور موروں کے بہت سے پر اکٹھے کر کے لاؤ۔''

ساتھ ہی اس کی تاکید کی۔

''دیکھنا! اس بات کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے۔ بس ایک دن کے اندر اندر پروں کا انتظام کرو۔''

اس نے جیسے تیسے کر کے ایک ہی دن میں مختلف پرندوں کے بے شمار پر اکٹھے کر کے بیوی کے آگے لا کر رکھ دیئے۔ اب بیوی بولی۔

''بھاگ کے جاؤ! بازار سے ایک من گوند خرید کر لاؤ!''

وہ اسی وقت بازار سے ایک من گوند بھی خرید لایا اور جب یہ سب چیزیں آ گئیں تو اس کی بیوی نے گھر میں دو گڑھے کھودے۔ ایک گڑھے میں من بھر گوند آٹے میں گھول کر ڈال دیا اور دوسرے گڑھے میں پرندوں کے پر بھر دیے اور ان دونوں گڑھوں پر بغیر بان کی دو چارپائیاں بچھا کر ان پر نہایت صاف اور خوبصورت چادریں بچھا دی۔ پھر دوسرے روز صبح جب ایک ماہ کی مہلت کا آخری دن تھا' اپنے خاوند سے کہنے لگی۔

''اب تم دربار میں جا کر بادشاہ کو اطلاع دے دو کہ میں سات رنگ کا جانور لے آیا ہوں۔''

ساتھ ہی اس نے یہ بھی سمجھایا۔

''اگر بادشاہ تم سے یہ پوچھے کہ سات رنگوں والا جانور کہاں ہے؟ تو اس سے کہنا وہ میرے گھر میں ہے۔اور میری بیوی نے کہا ہے' آپ سات رنگ کا جانور دیکھ سکتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ حضور خود رات کو بارہ بجے میرے گھر تشریف لائیں۔''

بیوی نے جس طرح اسے سمجھایا تھا' اس نے اسی طرح جا کر بادشاہ سے عرض کر دیا۔

جب بادشاہ نے پوچھا۔

''کیا تم سات رنگوں والا جانور لے آئے ہو؟''

تو اس نے ہاتھ باندھ کر جواب دیا۔

''جہاں پناہ! میں نے آپ کی حکم کی تعمیل کر دی ہے۔''

بادشاہ نے دریافت کیا۔

''وہ سات رنگ کا جانور کہاں ہے؟''

اس نے سر جھکا کر عرض کیا۔

''عالی جاہ! میری بیوی نے کہا ہے' آپ اسے دیکھ سکتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ حضور خود رات کو بارہ بجے میرے گھر تشریف لائیں۔''

جب بادشاہ نے یہ سنا کہ خادم اپنی بیوی کو بھی ساتھ لے آیا ہے اور سات رنگوں والا جانور بھی موجود ہے تو اپنی جگہ حیران بھی ہوا اور خوش بھی! زیادہ خوشی اسے اس بات کی تھی کہ چلو یہ اپنی بیوی کو تو لے آیا۔اب میں آسانی سے اس خوبصورت عورت کو دیکھ سکوں گا جس کے لیے اتنے پاپڑ بیلنا پڑے۔اس نے اپنی دلی خوشی کو ظاہر نہ کرتے ہوئے شاہی رعب سے کہا۔

''جاؤ! اپنی بیوی سے کہہ دو۔ مابدولت آج رات کو بارہ بجے تمہارے گھر پر آئیں گے

اور سات رنگوں والا جانور دیکھیں گے۔"

خادم واپس گھر چلا آیا۔ پھر جوں ہی رات کے بارہ بجنے کے قریب ہوئے بادشاہ سات رنگوں والا جانور دیکھنے کی تیاری کرنے لگا۔ اس نے دل میں سوچا۔ اگر دربار کے دوسرے خادموں کو اس بات کا پتہ چل گیا کہ اس طرح بادشاہ ایک معمولی خادم کے گھر گیا ہے اور وہ بھی رات کے وقت تو بڑی رسوائی ہوگی۔ اس لیے بہتر یہ ہے کسی کو بتائے بغیر چوری چھپے جاؤں۔ یہ سوچ کر اس نے عام خادموں کا سا بھیس تبدیل کیا اور چھپتا چھپاتا اس خادم کے گھر پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر بادشاہ نے دیکھا تو واقعی اس خادم کی بیوی بہت خوبصورت تھی۔ اتنی خوبصورت کہ اس کی بیویاں اور شہزادیاں اس کے حسن کے آگے ہیچ تھیں۔ اس نے اس کے بارے میں جیسا سنا تھا' وہ اس سے بھی کہیں زیادہ حسین تھی۔

عورت نے بادشاہ کو بڑی تعظیم سے خوش آمدید کہا اور بولی۔

یہ ہم غریبوں کی خوش نصیبی ہے کہ جہاں پناہ ہمارے غریب خانے پر تشریف لائے ہیں۔"

پھر اس نے ایک چارپائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کیا۔

"حضور تشریف رکھیں!"

بادشاہ چارپائی کی طرف بڑھا۔ جوں ہی اس پر بیٹھا دھڑام سے نیچے اس گڑھے میں جا گرا جو آٹے میں ملے ہوئے گیلے گوند سے بھرا ہوا تھا۔ میاں بیوی نے جلدی سے آگے بڑھ کر بادشاہ کو گڑھے سے باہر نکالا اور معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"جہاں پناہ! ان خادموں نے آپ سے دوسری چارپائی پر بیٹھنے کے لیے عرض کیا تھا۔"

یہ سب اتنی جلدی میں ہوا کہ بادشاہ کچھ سوچ بھی نہ سکا۔ پھر وہ اپنی جگہ شرمندہ بھی ہو رہا تھا کہ گڑھے میں گر گیا ہے اس لیے خاموشی سے دوسری چارپائی پر بیٹھ گیا۔ مگر یہاں بھی وہی

ہوا۔اس کے بیٹھتے ہی' دوسرے لمحے وہ ایک دوسرے گڑھے میں تھا۔ گیلے گوند سے تو وہ پہلے ہی لتھڑا ہوا تھا' اُپر جو پروں سے بھرے ہوئے گڑھے میں گرا تو اس کے سارے جسم' سر اور ہاتھوں پر رنگا رنگ کے پر چپک گئے۔میاں بیوی نے پھر جلدی سے آگے بڑھ کر بادشاہ کو گڑھے میں سے باہر نکالا۔اس وقت بادشاہ بالکل سات رنگوں والا جانور بن چکا تھا۔گوند کی وجہ سے اس کے سارے جسم پر رنگا رنگ کے پر نظر آ رہے تھے۔یہ دیکھ کر عورت بادشاہ سے کہنے لگی۔

''جہاں پناہ! آپ کے حکم کے مطابق سات رنگوں والا جانور حاضر ہے!''

ادھر بادشاہ کا یہ حال کہ کاٹو تو بدن میں خون نہیں۔ایک بادشاہ اور یہ درگت؟ لیکن اب کرے تو کیا کرے؟

اگر کسی کو پتہ چل جائے تو سارے ملک میں بدنامی ہو جائے اور بادشاہی جانے کا خطرہ الگ۔ناچار خون کے گھونٹ پی کر چپکا ہو رہا ہے۔عورت نے اپنے شوہر سے کہا۔

''جاؤ! اس سات رنگے جانور کو شاہی محل کا راستہ دکھاؤ۔''

اتنا کہنے کے ساتھ ہی وہ بادشاہ سے مخاطب ہو کر بولی۔

''عالی جاہ! اگر جسم سے چپکے ہوئے پر نہ اتریں تو پکتے ہوئے پانی میں بیٹھ جایئے گا۔ آسانی سے اتر جائیں گے۔''

اس وقت بادشاہ نے یہی غنیمت جانا کہ وہ کسی نہ کسی طرح خاموشی سے محل میں پہنچ جائے۔مارے ندامت کے اس کی زبان بند ہو چکی تھی۔وہ چپ چاپ وہاں سے نکل گیا کہ اس وقت تو چلوں' صبح دیکھ لوں گا ان کو۔ایسی سزا دوں گا کہ دنیا یاد رکھے گی۔''

جب بادشاہ چلا گیا تو بیوی نے خاوند سے کہا۔

جس قدر جلد ہو سکے اس بادشاہی سے نکل چلو!

انہوں نے جلدی جلدی تھوڑا بہت ضروری سامان باندھا اور راتوں رات اپنے سفر پر روانہ ہو گئے تاکہ صبح ہونے تک یہاں سے دور نکل جائیں۔

دوسری طرف جب مصیبت کا مارا بادشاہ چھپتا چھپاتا شاہی محل میں پہنچا تو اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اب کیا کرے؟

حالت ایسی تھی کہ اپنی ملکاؤں کو بتا نہیں سکتا تھا۔ اگر خادم اسے دیکھ لیں تو اور بھی بدنامی کا ڈر تھا۔ اسی سوچ بچار میں صبح ہوگئی اور صبح تک جسم سے چپکا ہوا گوند سوکھ گیا جس کی وجہ سے جسم پر پر اس طرح جڑ پکڑ گئے جیسے واقعی اُگے ہوں۔ اب تو اسے اور بھی پریشانی ہوئی۔ اگر جسم سے پر اکھاڑنے کی کوشش کرتا تو اس کے ساتھ ہی جلد بھی ادھڑنے لگتی اور مارے درد کے بلبلانے لگتا۔ آخر اس نے اپنے ایک خاص خادم کو بھیج کر وزیر کو بلوایا اور جب وزیر آیا تو اسے رات کا سارا قصہ سنایا۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ:

''اس عورت نے کہا تھا۔ اگر جسم سے پر نہ اتریں تو کھولتے ہوئے پانی میں بیٹھ جائیں' سب اتر جائیں گے۔''

یہ سنتے ہی وزیر نے اسی وقت خادموں کو پانی گرم کرنے کا حکم دیا۔ پھر جب ایک بڑے سے کڑھاؤ میں پانی کھولنے لگا تو انہوں نے بادشاہ کو اس میں اتار دیا۔ اس طرح پر تو کیا اترتے البتہ کھڑاؤ کے کھولتے ہوئے پانی میں چند ہی منٹ لگے اور بادشاہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے موت کی آغوش میں چلا گیا۔ اس واقعہ کو پیش آئے ان گنت صدیاں بیت چکی ہیں۔ اب نہ وہ بادشاہ رہا نہ وہ وزیر! اب نہ وہ خوبصورت عقلمند عورت موجود ہے اور نہ اس کا خاوند! لیکن وہ دن اور آج کا دن' کہتے ہیں کسی بادشاہ نے اپنے کسی خادم کی بیوی پر بری نظر نہیں ڈالی اور نہ کسی کو سات رنگوں والا جانور لانے کا حکم دیا۔

.....o.....

# سگھڑ سیانی

کسی شہر میں ایک تاجر رہتا تھا۔ اس کا ایک بیٹا تھا جس کی چار بیویاں تھیں۔ ان میں سے تین تو انتہا درجہ کی بیوقوف اور پھوہڑ تھیں لیکن سب سے چھوٹی بیوی جہاں خوبصورتی اور جوانی میں سب سے آگے تھی وہاں وہ عقلمند اور سلیقہ شعار بھی تھی۔

کرنا خدا کا ایسا ہوا کہ وہاں کا بادشاہ کسی وجہ سے اس تاجر سے ناراض ہو گیا اور اس نے وزیر کو بلا کر حکم دیا۔

''اس تاجر کو اس کے خاندان سمیت' آج ہی ملک بدر کر دیا جائے!''

بادشاہ بڑا سخت مزاج اور ضدی طبیعت کا مالک تھا اس لیے وزیر بھی اس کے حکم پر عمل کرانے پر مجبور تھا۔ اس نے سر جھکا کر عرض کیا۔

''جو حضور کا حکم! ایسا ہی کیا جائے گا۔''

اس پر بادشاہ نے مزید کہا۔

''اور اس تاجر کو یہ بھی بتا دیا جائے کہ اگر وہ پھر کبھی اس ملک میں واپس آیا تو اسے قتل کرا دیا جائے گا۔''

وزیر نے پھر سر جھکا کر کہا۔

''حضور کی مرضی کے مطابق ہو گا۔''

بادشاہ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا۔

''اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ تاجر یا اس کے خاندان کا کوئی فرد اپنے ساتھ کوئی سامان نہیں لے جا سکتا۔ بس جو کپڑے ان کے تن پر ہوں' انہیں کے ساتھ جلاوطن کر دیا جائے۔''

حضور اطمینان رکھیں۔ ایسا ہی کیا جائے گا۔

وزیر نے پھر سر جھکا کر کہا اور اسی وقت بادشاہ کے حکم کے مطابق سپاہیوں کو تاجر کے پاس بھیج دیا تا کہ وہ اسے جلاوطنی کے احکام پہنچا دیں اور اسے فوری طور پر خاندان سمیت شہر بدر کر دیا جائے۔ حکم ملتے ہی سپاہی تاجر کے گھر پہنچ گئے اور اسے بتایا۔

''بادشاہ کا حکم ہے کہ تمہیں اپنے گھر والوں سمیت آج اور اسی وقت شہر بدر کر دیا جائے۔''

یہ حکم سن کر تاجر اور اس کے گھر والے ہکا بکا رہ گئے۔ اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔

''مگر میرا قصور کیا ہے؟''

''ہمیں اس کا علم نہیں ہے۔''

سپاہیوں نے جواب دیا۔

''ہمیں جو حکم ملا ہے، ہم اس پر عمل کرانے آئے ہیں۔''

اس کے ساتھ ہی انہوں نے تاجر کو یہ بھی بتایا کہ:

''ہمیں یہ بھی حکم ملا ہے کہ تمہیں کوئی چیز ساتھ نہ لے جانے دی جائے۔ جو کپڑے تم لوگوں نے اس وقت پہن رکھے ہیں بس انہیں میں چلے جاؤ۔''

تاجر، اس کا بیٹا اور بیٹے کی چاروں بیویاں بہت گھبرائیں مگر وہ کیا کر سکتے تھے؟ بادشاہ کا حکم ماننے سے انکار کرتے تو سب کی جان جاتی تھی۔ وہ اس شش و پنج میں تھے کہ تاجر کے بیٹے کی سب سے چھوٹی بیوی نے سپاہیوں کی منت سماجت کرتے ہوئے کہا۔

''اگر آپ اجازت دیں تو میں سفر کے لیے چند روٹیاں پکا لوں؟''

''نہیں! ہمیں اس کا حکم نہیں ہے۔''

ایک سپاہی نے بڑے رعب سے کہا۔ اس پر وہی بیوی بولی۔

''معلوم نہیں ہمیں کتنا لمبا سفر طے کرنا پڑے اور نہ جانے ہم کہاں جائیں۔ اس لیے ہم پر اتنی عنایت کریں اور مجھے اجازت دے دیں کہ میں سفر کے لیے چند روٹیاں پکا لوں۔ راستہ میں

اگر کہیں بھوک لگی تو ہم اپنا پیٹ تو بھر سکیں گے۔''

سپاہیوں کو ان پر رحم آ گیا۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ:

''بیچاروں کو چند روٹیاں پکا ہی لینے دو۔ اس میں کیا حرج ہے؟ آخر یہ بھوکے پیاسے کب تک سفر کریں گے؟''

چنانچہ انہوں نے چھوٹی بیوی سے کہا۔

'''اچھا! ہم یہیں کھڑے ہیں تم جلدی جلدی چند روٹیاں پکا لو۔ اگر بادشاہ کو اس بات کا علم ہو گیا تو وہ تمہارے ساتھ ہمیں بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔''

چھوٹی بیوی جلدی سے بولی۔

''آپ فکر نہ کریں۔ میں ابھی پکا لیتی ہوں۔''

اس نے جلدی جلدی ایک پرات میں آٹا ڈال کر گوندھنا شروع کر دیا اور آٹا گوندھتے میں وہ چار بیش قیمت ہیرے بھی آٹے میں ڈال لیے جو ان کے گھر میں موجود تھے۔ پھر اس نے جوں توں کر کے روٹیاں پکائیں۔ ان روٹیوں میں چار روٹیاں ایسی تھیں جن میں سے ہر ایک کے اندر ایک بیش قیمت ہیرا چھپا ہوا تھا۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد اس نے سپاہیوں سے کہا۔

''دیکھ لیجیے! ہم ان روٹیوں کے سوا اپنے ساتھ کچھ نہیں لے جا رہے۔''

سپاہیوں نے روٹیاں لے جانے کی اجازت تو دے ہی دی تھی لہٰذا تاجر اپنے بیٹے اور اپنی چاروں بہوؤں کو ساتھ لے کر کسی دوسرے دیس کے سفر پر روانہ ہو گیا۔

وہ کئی روز تک سفر کرتے رہے۔ جب چلتے چلتے تھک جاتے تو کہیں کچھ دیر کے لیے آرام کر لیتے۔ بھوک لگتی تو اپنے ساتھ لائی ہوئی روٹیوں میں سے کچھ کھا کر پیٹ بھر لیتے۔ تاجر کے بیٹے کی چھوٹی بیوی جو روٹیاں پکا کے ساتھ لائی تھی' اس نے ان میں سے وہ چار روٹیاں چھپا کے الگ رکھ لی تھیں جن میں بیش قیمت ہیرے چھپے ہوئے تھے اور باقی روٹیاں ایک ایک کر کے ختم ہو گئیں۔ یہاں تک کہ وہ چلتے چلاتے ایک دوسرے ملک میں چلے گئے جہاں کوئی دوسرا بادشاہ

حکومت کرتا تھا۔ جب وہ وہاں پہنچے اس وقت ان کے پاس پیسہ دھیلا کچھ بھی نہیں تھا جس کی وجہ سے وہ بازار سے بھی کوئی چیز خرید نہ سکتے تھے۔ انہوں نے شہر میں ایک چھوٹا موٹا مکان کرائے پر لیا اور وہاں ٹھہر گئے۔ تاجر نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

''ہماری جان تو کسی نہ کسی طرح بچ گئی ہے مگر اب کھانے پینے کا بندوبست کہاں سے ہوگا؟''

بیٹا بھی پریشان تھا۔ اگر بادشاہ انہیں کچھ ساتھ لانے کی اجازت دے دیتا تو وہ اتنی دولت تو ساتھ لا ہی سکتے تھے جس سے کچھ روز آرام سے گزر جاتے۔ یہ سوچ سوچ کر سب اپنی اپنی جگہ اداس اور فکر مند تھے۔ تاجر کو یہ بات معلوم تھی کہ اس کے سارے گھرانے میں اس کی چھوٹی بہو سب سے زیادہ عقل مند ہے۔ وہ یقیناً کوئی نہ کوئی ایسی ترکیب سوچ لے گی جس سے شاید ان کی مشکل آسان ہو جائے۔ اسی لیے وہ اس سے کہنے لگا۔

بیٹی! اب ہمیں زندہ رہنے کے لیے کیا کرنا چاہیے؟ کوئی ترکیب بتاؤ! تم جانتی ہو اس وقت ہمارے پاس پیسہ دھیلا کچھ بھی نہیں ہے بلکہ اب تو تن کے کپڑے اگر پھٹ جائیں تو ہمارے پاس دوسرا جوڑا بھی نہیں جو پہن لیا جائے۔ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا کہ کیا کریں؟''

چھوٹی بہو نے لمحہ بھر کے لیے سوچا اور پھر اس نے اپنے پاس چھپائی ہوئی چار روٹیوں میں سے ایک روٹی نکالی اور اس میں سے بیش قیمت ہیرا نکال کر خسر کو دے کر کہا۔

''فی الحال آپ یہ ہیرا لیں اور بازار میں جا کر بیچ آئیں۔ اس سے کچھ دن تو ہمارے آسانی سے گزر جائیں گے۔ بعد کا اللہ مالک ہے۔ کوئی بندوبست ہو جائے گا۔''

تاجر اور اس کے بیٹے نے قیمتی ہیرا دیکھا تو بہت خوش ہوئے۔ پوچھنے لگے۔

''تم یہ کیسے لے آئیں؟''

جواب میں جب اس نے انہیں بتایا کہ اس طرح میں نے آٹا گوندھتے وقت یہ آٹے میں ملا دیا تھا اور پھر پیڑے میں رکھ کر اس طرح موٹی روٹی پکالی کہ یہ نظر نہ آ سکے۔ اس کی یہ بات سن کر انہیں اب یہ پتہ چلا کہ اس نے چلتے وقت روٹیاں پکانے پر اس قدر اصرار کیوں کیا تھا۔ ورنہ

وہ تو اب تک یہی سمجھے ہوئے تھے کہ اس نے صرف راستے کی بھوک کے خیال سے روٹیاں پکانے کی اجازت مانگی تھی۔ اب تو وہ واقعی اس کی ذہانت کے قائل ہو گئے تھے۔

تاجر نے اپنی چھوٹی بہو سے وہ ہیرا لیا اور اسے بیچنے کے لیے بازار کی طرف چل دیا۔ وہ راستہ بھر دل ہی دل میں اپنی بہو کی تعریف کرتا جا رہا تھا کہ اس نے انہیں ایک بڑی مشکل سے نجات دلا دی ہے۔ بازار میں چلتے چلتے اس نے ایک جوہری کی دکان دیکھی تو وہاں جا کر کہنے لگا۔

''میں اس شہر میں اجنبی ہوں۔ میرے پاس ایک قیمتی ہیرا ہے جسے میں بیچنا چاہتا ہوں۔''

جوہری نے ایک نظر اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''کون سا ہیرا ہے؟ مجھے دکھاؤ! اگر مجھے پسند آ گیا تو میں ضرور خرید لوں گا۔''

اور جب تاجر نے جیب میں سے ہیرا نکال کر اسے دکھایا تو جوہری کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں کیونکہ وہ ہیرا انتہائی قیمتی اور کم یاب تھا۔ اسے دیکھ کر جوہری کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اس نے اپنے دل میں اس بات کا تہیہ کر لیا کہ چاہے کچھ بھی ہو اس سے یہ ہیرا حاصل کر لینا چاہیے۔ وہ جوہری حقیقت میں جوہری نہیں تھا بلکہ ایک بہت بڑا ڈاکو تھا اور اس نے یہ دکان صرف اپنے اوپر پردہ ڈالنے کے لیے کی ہوئی تھی۔ اب جو اس نے دیکھا کہ مال خود ہی چل کے اس کے پاس آ گیا ہے تو وہ اپنے دل میں اسے ہتھیانے کے منصوبے بنانے لگا۔

''ہاں! میں اسے ضرور خرید لوں گا۔''

اس نے تاجر سے کہا اور پھر اپنے ایک نوکر کو مخاطب کر کے بولا۔

''جاؤ! اندر سے روپوں کی ٹوکری بھر کے لاؤ تا کہ میں اس شخص کو ہیرے کی قیمت ادا کر سکوں۔''

جب نوکر روپے لینے کے لیے دکان کے اندر چلا گیا تو جوہری تاجر کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے دکان میں ایک طرف رکھی ہوئی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''آیئے! اتنی دیر آپ کرسی پر تشریف رکھیے۔''

یہ سن کر تاجر خوشی خوشی دکان میں داخل ہوا اور آگے بڑھ کر کرسی پر بیٹھ گیا لیکن جوں ہی

وہ کرسی پر بیٹھا اس کے ساتھ ہی دھڑام سے ایک گہرے گھڑے میں جا گرا۔ دراصل وہ کرسی تاجر نے بنائی ہی اس لیے تھی۔ وہ کچے دھاگوں سے بنی ہوئی تھی اور اس کے اوپر ایک سفید کپڑا بچھا ہوا تھا تاکہ کسی کو شبہ نہ ہو سکے۔ اسی کرسی کے عین نیچے ایک بہت بڑا گڑھا کھدا ہوا تھا تاکہ بیٹھنے والا اچانک اس میں جا گرے اور یہی کچھ اس تاجر کے ساتھ ہوا۔ وہ ابھی کرسی پر بیٹھا ہی تھا کہ دوسرے ہی لمحے اس نے دیکھا وہ ایک گہرے گڑھے میں گرا ہوا تھا۔ جوہری نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس گڑھے پر ایک بڑا سا پتھر رکھ دیا۔ اس طرح اس نے بڑی آسانی سے اور بغیر کوئی قیمت ادا کیے وہ بیش قیمت ہیرا حاصل کر لیا۔

دوسری طرف جب تاجر واپس گھر نہ پہنچا تو اس کے گھر والے بہت پریشان ہوئے۔ انہوں نے سوچا' ہوسکتا ہے ہیرا بیچنے یا بھاؤ تاؤ کرنے میں دیر ہوگئی ہو لیکن جب شام ہوگئی اور وہ لوٹ کے نہ آیا تو ان کی پریشانی اور بھی بڑھ گئی۔ اسی انتظار میں رات بھی گزر گئی اور پھر دوسرا دن آ گیا مگر تاجر کا اب تک کہیں پتہ نہ تھا۔ جب وہ اس کے انتظار سے مایوس ہو گئے تو چھوٹی بیوی نے اپنے پاس چھپائی ہوئی باقی تین روٹیوں میں سے ایک روٹی نکالی اور اس میں سے دوسرا ہیرا نکال کر اپنے شوہر کو دیتے ہوئے بولی۔

''جاؤ اور باپ کو کہیں تلاش کرو۔''

پھر اس نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''یہ ہیرا اپنے پاس رکھو! اگر تمہیں باپ مل جائے تو اس کے پاس جو ہیرا ہے اسے بیچ کر کھانے پینے کا سامان اور کپڑے وغیرہ خرید لانا اور اگر وہ نہ مل سکے تو پھر یہ ہیرا بیچ کر گھر کے لیے سامان خرید لانا۔

''اچھا! جیسے تم نے کہا ہے میں ایسے ہی کروں گا۔''

تاجر کے بیٹے نے بیوی سے ہیرا لیا اور اپنے باپ کی تلاش میں چل دیا۔ وہ بہت دیر تک شہر کے مختلف بازاروں اور گلیوں میں گھومتا رہا کہ شاید کہیں اس کا باپ مل جائے لیکن اس قدر

تلاش کے باوجود اس کے باپ کا کہیں پتہ نہ چلا۔ اجنبی شہر تھا۔ وہ کسی سے اس سلسلے میں پوچھ گچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ بھلا اسے اور اس کے باپ کو وہاں کون جانتا تھا جو وہ کسی سے اس کے بارے میں دریافت کرتا۔ خود ہی ادھر ادھر گھوم کر ڈھونڈتا رہا مگر جب وہ کسی طور نہ مل سکا تو اس نے دل میں سوچا' اس طرح تو میں ہفتوں گھومتا پھروں تو جب بھی باپ کا ملنا مشکل ہے۔ گھر میں تمام لوگ میرے انتظار میں بیٹھے ہوں گے کیوں نہ وہ ہیرا فروخت کر کے گھر کے لیے سامان خرید لوں جو میں خود لایا ہوں۔ وہ یہی کچھ سوچتا ہوا ایک بڑے بازار میں سے گزر رہا تھا کہ سامنے ہی اسے جواہرات کی ایک بڑی دکان دکھائی دی۔ اتفاق کی بات ہے کہ یہ اسی جوہری کی دکان تھی جس نے اس کے باپ کو دھوکے سے گڑھے میں بند کر کے اس سے قیمتی ہیرا ہتھیا لیا تھا۔ تاجر کا بیٹا بھی اسی دکان تک پہنچ گیا۔ اس نے جوہری سے کہا۔

''میں اس شہر میں اجنبی ہوں اور میرے پاس ایک قیمتی ہیرا ہے۔ میں اسے فروخت کرنا چاہتا ہوں۔''

جوہری نے اسے تاڑتے ہوئے جواب دیا۔

''کون سا ہیرا ہے؟ مجھے دکھاؤ شاید میں خرید سکوں۔''

تاجر کے بیٹے نے جیب سے ہیرا نکال کر جوہری کے ہاتھ پر رکھ دیا اور ہیرا دیکھتے ہی جوہری سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو یہ بھی اس پہلے آدمی سے تعلق رکھتا ہے۔ اس نے جلدی سے اپنے ایک ملازم سے کہا۔

''جاؤ! اندر سے روپوں کی ایک ٹوکری بھر کے لاؤ تا کہ میں اس ہیرے کی قیمت ادا کر سکوں۔''

اس کے بعد اس نے تاجر کے بیٹے کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

''اندر آیئے! آپ اتنی دیر اس کرسی پر بیٹھیں۔ نوکر ابھی روپے لے کر آتا ہے۔''

تاجر کا بیٹا بھی اپنے باپ کی طرح جوہری کی چال سے بے خبر تھا۔ وہ آگے بڑھا اور ابھی کرسی پر بیٹھا ہی تھا کہ اس کے ساتھ ہی نیچے ایک گہرے گڑھے میں جا گرا۔ یہ کرسی بھی اسی طرح

کچے دھاگے سے بنی ہوئی تھی جس پر سفید کپڑا پڑا ہوا تھا اور اس کے نیچے ایک گڑھا کھدا ہوا تھا۔ تاجر کے بیٹے کو بھی اس بات کا اندازہ نہ ہو سکتا تھا کہ اس پر بیٹھنے سے وہ ٹوٹ جائے گی۔ چنانچہ اب وہ بھی اپنے باپ کی طرح ایک دوسرے گڑھے میں بند تھا جس پر جوہری نے ایک بڑا سا پتھر رکھ کر اسے اوپر سے بند کر دیا تھا۔ اس طرح جوہری کے ہاتھ اور یک بیش قیمت ہیرا مفت میں آ گیا تھا۔

دوسری طرف جب اس کی چاروں بیویوں نے دیکھا کہ خسر گیا تو وہ واپس نہیں آیا اور اب شوہر اسے تلاش کرنے گیا تو وہ بھی واپس نہیں لوٹا تو وہ بہت پریشان ہوئیں۔ اجنبی شہر، نہ کوئی واقف اور نہ پاس پیسہ! بہت سوچ بچار کے بعد سب سے چھوٹی بیوی نے اپنے ہاتھ کی انگلی سے وہ قیمتی انگشتری نکالی جو اتفاق سے اس کے ساتھ آ گئی تھی۔ اس نے اپنی سوتوں سے کہا۔

''تم یہاں بیٹھو! میں اسے بیچ کر کچھ خرید کر لاتی ہوں۔ بعد میں انہیں تلاش کریں گے۔''

وہ گھر سے نکل کر گھومتی گھامتی اسی بازار میں اور اسی جوہری کی دکان پر پہنچ گئی۔ وہاں پہنچ کر اس نے جوہری سے کہا۔

''میں اس شہر میں اجنبی ہوں اور میرے پاس۔۔۔!''

ابھی وہ اتنا ہی کہہ پائی تھی کہ آگے سے جوہری اس کی بات کاٹ کر جلدی سے بولا۔

''کیا تم ہیرا بیچنا چاہتی ہو؟''

''ہیرا؟ کون سا ہیرا؟''

وہ چونک پڑی۔ اس نے سوچا، اس کو کیسے معلوم ہے کہ میرے پاس ہیرا بھی ہے؟ یقیناً اس میں کوئی راز ہے۔ اس کے دل نے گواہی دی کہ ہو نہ ہو اس جوہری کو میرے خاوند اور سسر کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے۔ وہ یہ سوچتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ اس نے کسی اور دکان پر اپنی قیمتی انگشتری فروخت کی۔ گھر کے لیے کھانے پینے کا سامان اور کچھ کپڑے لتے خریدے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے ایک سپاہی کی مردانہ وردی بھی خرید لی اور گھر چلی آئی۔

دوسرے روز صبح ہی صبح تیار ہو کر اس نے مردانہ وردی پہنی۔ ایک تو وہ جوان تھی' دوسرے چہرے کے خدوخال بھی اچھے تھے لہٰذا جب اس نے مردانہ وردی پہنی تو وہ واقعی ایک وجیہہ نوجوان دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے اپنی سوتوں سے کہا۔

''تم تینوں گھر پر رہو! میں شوہر اور سسر کو تلاش کرنے جاتی ہوں۔''

وہ گھر سے رخصت ہو کر سیدھی بادشاہ کے دربار میں پہنچ گئی۔ اس وقت وہ عورت کی بجائے ایک خوبصورت نوجوان کے رُوپ میں تھی اور اسے کوئی پہچان نہ سکتا تھا۔ بادشاہ نے ایک اجنبی سپاہی کو اپنے دربار میں دیکھا تو دریافت کیا۔

''اے نوجوان! تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟''

اس نے عاجزی سے مردانہ آواز بنا کر عرض کیا۔

''حضور والا! میں ایک اجنبی ہوں۔ اپنے ملک میں ایک سپاہی تھا۔ اب چاہتا ہوں کہ حضور کے نمک خواروں میں شامل ہو کر کوئی خدمت انجام دوں۔''

بادشاہ اس کے حسن و جوانی سے بہت متاثر ہوا۔ اس نے خوش ہو کر وزیر سے کہا۔

''اس نوجوان کو آج ہی کسی خدمت پر مامور کر دیا جائے۔''

بادشاہ کے حکم کے مطابق اسے اسی دن ملازم رکھ لیا گیا۔ اور اب وہ ایک سپاہی تھی۔ اسی روز شہر سے باہر ایک شخص کو کسی جرم میں پھانسی دی گئی تھی اور رات کو اس کی لاش پر پہرہ دینے کے لیے اسے منتخب کیا گیا تھا۔ تلوار اور تیر کمان لیے وہ ویرانے میں لاش پر پہرہ دے رہی تھی کہ اچانک رات کو اسے ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی شیر دھاڑتا ہو۔ وہ چوکنا ہو کر کھڑی ہو گئی اور انتظار کرنے لگی کہ دیکھوں کیا مصیبت آتی ہے۔ دراصل وہاں سے قریب ہی ایک جنگل تھا جس میں ایک خوفناک راکھشس رہتا تھا۔ وہ اکثر رات کے وقت شہر میں آتا' کوئی نہ کوئی آدمی اٹھا کر لے جاتا اور اسے کھا جاتا۔ ایسا ایک عرصہ سے ہو رہا تھا اور سارا شہر اس سے خوف زدہ تھا۔ بادشاہ نے اسے قتل کرنے کے لیے بہت جتن کیے تھے لیکن آج تک راکھشس کو کوئی ختم نہیں کر سکا تھا۔

چنانچہ آج بھی راکھشش دور سے شیر کی طرح دھاڑتا ہوا آ رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ جہاں ایک شخص کو پھانسی دی گئی تھی وہاں ایک نوجوان پہرہ دے رہا ہے۔ یہ دیکھ کر اس نے جلدی سے ایک عورت کا رُوپ دھار لیا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ اس کے قریب آیا اور بڑی مظلوم آواز میں بولا۔

''بیٹا! میں ایک دکھیا عورت ہوں۔ تم اگر میری مدد کرو تو میں تمہارا احسان عمر بھر نہ بھولوں گی۔''

سپاہی نے پوچھا۔

''کہو! میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟''

جواب میں عورت روتے ہوئے کہنے لگی۔

''بادشاہ نے میرے شوہر کو پھانسی دے دی ہے اور میں چاہتی ہوں کہ ایک بار اس کی شکل دیکھ لوں۔ تم مجھے اس کی اجازت دے دو۔''

سپاہی نے جواب دیا۔

''جاؤ! وہ تمہارے شوہر کی لاش لٹک رہی ہے۔ جلدی سے جا کر دیکھ لو۔ جلدی کرو ورنہ کوئی دیکھ لے گا۔''

مگر عورت بولی۔

''بیٹا! پھانسی کا تخت بہت اونچا ہے۔ میں اس تک کیسے پہنچ سکتی ہوں؟''

یہ سن کر سپاہی آگے بڑھا اور اس نے عورت سے کہا۔

''اچھا آؤ! تم میرے کاندھے پر سوار ہو جاؤ اور اوپر ہو کر اپنے خاوند کا چہرہ دیکھ لو۔''

اس نے عورت کو کندھوں پر اٹھا لیا اور پھانسی کے تختے کے پاس لے گیا جہاں پھانسی پانے والے شخص کی لاش لٹک رہی تھی۔ مگر جوں ہی اس نے بُڑھیا کو اٹھا کر لاش کے قریب کیا' بُڑھیا نے لاش کو کھانا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر سپاہی سمجھ گیا کہ یہ عورت کے بھیس میں کوئی راکھشس ہے۔ اس نے جلدی سے عورت کو زمین پر پھینکا اور بجلی کی سی تیزی سے میان سے تلوار نکال کر اس

کا سرتن سے جدا کر دیا مگر راکھشس اپنے جادو کے زور سے آناًفاناً میں غائب ہو گیا۔ وہاں نہ اس کا سر تھا اور نہ دھڑ۔ البتہ جاتے میں اس کے پاؤں کی ایک پازیب وہیں گر پڑی تھی۔

جب صبح ہوئی تو سپاہی نے وہ پازیب اٹھائی اور سیدھا بادشاہ کے دربار میں پہنچ گیا۔ اس نے رات والا قصہ سارا بیان کیا کہ کس طرح راکھشس عورت بن کے آیا' کس طرح اس نے لاش کو کھانا شروع کر دیا اور پھر کس طرح اس نے تلوار سے اس کا سر قلم کر دیا لیکن وہ جادو کے زور سے غائب ہو گیا۔ اس کے بعد سپاہی بولا۔

''اس کے ثبوت میں اس کی یہ پازیب حضور کے سامنے پیش ہے۔''

بادشاہ اور اس کے درباری سپاہی کی بہادری پر بہت خوش ہوئے۔ بادشاہ نے دیکھا تو اس پازیب پر نہایت بیش قیمت جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اس نے خوش کر سپاہی سے کہا۔

''اے نوجوان! ہم تمہاری بہادری سے بہت خوش ہوئے ہیں۔''

پھر اس نے سپاہی کی طرف تحسین آمیز نظروں سے دیکھا اور بولا۔

''مانگو جو کچھ مانگتے ہو۔ ہم تمہاری ہر خواہش پوری کریں گے۔''

سپاہی نے دست بستہ عرض کیا۔

''حضور! خدا کا دیا آپ کا دیا میرے پاس سب کچھ ہے۔''

بادشاہ اصرار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''ہم تمہیں انعام سے نوازنا چاہتے ہیں۔ اس لیے جو بھی تمہاری تمنا ہے کہو۔''

سپاہی نے اس بار بھی وہی جواب دیا۔

''حضور! خدا کا دیا آپ کا دیا میرے پاس سب کچھ ہے۔''

اس بار بادشاہ نے بہت زیادہ اصرار کرتے ہوئے کہا۔

''اے نوجوان! یہ تیسری اور آخری بار ہے۔ مانگو جو بھی تم چاہتے ہو۔''

اس بار سپاہی نے عرض کیا۔

''اگر حضور کو کچھ دینا ہی ہے تو مجھے شہر کا سب سے بڑا بازار بخش دیں اور ساتھ ہی مجھے اس بات کا اختیار بھی دے دیں کہ وہاں جو لوگ اس وقت رہتے ہیں ان کی قسمت کا فیصلہ میرے ہاتھ میں ہو۔ میں انہیں چاہے سزا دوں' چاہے قتل کروں۔ خواہ جلاوطن کروں یا آزاد کروں۔ اس میں کوئی دخل نہ دیا جائے۔''

بادشاہ کے لیے یہ کون سی بڑی بات تھی۔ اس نے اسی وقت وزیر کو حکم دیا کہ:

''اسی وقت شہر کا بڑا بازار اس نوجوان کی ملکیت میں دے دیا جائے۔ اسے آزادی ہو گی یہ وہاں جو چاہے کرے!''

بادشاہ نے اسے مدد کے لیے چند سپاہی بھی دے دیئے اور تاجر کی چھوٹی بیوی جو اس وقت ایک سپاہی کے رُوپ میں تھی' ان سپاہیوں کو لے کر سیدھی شہر کے بڑے بازار میں اسی جوہری کی دکان پر گئی اور اس سے پوچھا۔

''بتاؤ! تمہارے پاس جو دو آدمی قیمتی ہیرے بیچنے آئے تھے وہ کہاں ہیں؟''

جوہری نے بڑی چالاکی سے لاعلمی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

''حضور! میرے پاس تو ایسا کوئی آدمی نہیں آیا۔''

جواب میں اس نے ڈانٹ کر کہا۔

''سچ سچ بتا دو۔ ورنہ تمہیں اسی وقت قتل کر دیا جائے گا۔''

جوہری ہاتھ جوڑ کر بولا۔

''حضور کو یقین نہ ہو تو آپ خود دکان کی تلاشی لے سکتے ہیں۔''

''اس کی دکان کی تلاشی لی جائے!''

اس نے اپنے ساتھ آنے والے سپاہیوں سے کہا۔ اور پھر تلاشی کے دوران انہوں نے کچے دھاگوں سے بنی ہوئی کرسیاں ہٹا کر دیکھا تو ان کے نیچے ایک ایک گڑھا تھا جس پر بھاری پتھر رکھے ہوئے تھے۔ جب پتھر ہٹائے گئے تو ان میں سے ایک میں تاجر اور دوسرے میں تاجر کا بیٹا بند

تھا۔ وہ دونوں اس وقت بھوک پیاس سے ادھ موئے ہو چکے تھے۔ انہیں جلدی جلدی گڑھوں میں سے نکالا گیا اور جوہری کو اسی وقت گرفتار کر کے دربار میں پیش کر دیا گیا۔ پھر اس نے بادشاہ کو بتایا۔

''حضور! اس خادم نے محض اس جوہری کو سزا دینے کے لیے اس بڑے بازار کا مطالبہ کیا تھا۔ یہ جوہری دراصل ایک ڈاکو ہے جس نے میرے سسر اور خاوند کو دھوکے سے اپنے پاس قید کر لیا تھا اور ان سے دو بیش قیمتی ہیرے ہتھیا لیے تھے جو وہ بیچنے کے لیے اس کے پاس گئے تھے۔''

بادشاہ اور اس کے تمام درباری بڑی حیرت سے یہ سب کچھ سن رہے تھے۔ اور اس وقت تو ان کے تعجب کی انتہا نہ رہی جب سپاہی نے زنانہ لباس کے اوپر پہنچی ہوئی اپنی وردی اتار دی۔ اور پھر سب نے دیکھا' ان کے سامنے سپاہی کی بجائے ایک حسین اور نوجوان عورت کھڑی تھی۔

حضور! اس کنیز نے اپنے خاوند اور سسر کو رہائی دلانے کے لیے یہ سارا کھیل کھیلا تھا۔

بادشاہ حیران تھا کہ ایک عورت اور اس قدر بہادر؟ لیکن وہ اس کی دلیری سے خوش تھا۔ اس نے حکم دیا۔

اس جوہری کو فوراً قتل کر دیا جائے!

اس کے بعد وہ اپنے تخت سے اتر کر عورت کے پاس آیا اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

''آج سے تم ہماری بیٹی ہو!''

اس طرح تاجر کے بیٹے کی سب سے چھوٹی بیوی اپنی دانشمندی اور ذہانت سے بادشاہ کی بیٹی بن گئی۔ بادشاہ نے ان کو ایک الگ محل دے دیا جہاں وہ سب اپنی باقی زندگی آرام اور سکون کے ساتھ ہنسی خوشی گزارنے لگے۔

کہا جاتا ہے یہ محض اس عقلمند عورت کی بہادری تھی جو اس کے بعد کبھی راکھشس نے اس شہر کا رخ نہیں کیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اب وہ اس شہر میں رہ رہی ہے۔

.....o.....

# دو بھائی

کسی زمانے میں ایک شہر میں دو بھائی رہتے تھے۔ بڑا بھائی امیر تھا لیکن اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اس کے برعکس چھوٹا بھائی بہت غریب تھا اور اس کے دو بیٹے تھے جو دونوں ہم شکل تھے۔ وہ روزانہ صبح سویرے شہر سے نکل جاتا۔ دن بھر جنگل میں لکڑیاں کاٹتا اور شام کو شہر میں لا کر بیچ دیتا۔ اس سے جو چار پیسے ملتے اس سے گزر بسر کرتا۔ اس طرح وہ' اس کی بیوی اور دونوں بچے مفلسی میں زندگی گزار رہے تھے۔

ایک روز حسب معمول وہ جنگل میں لکڑیاں کاٹ رہا تھا کہ اسے ایک جھاڑی میں کوئی چمکدار چیز دکھائی دی۔ اس نے آگے بڑھ کر اسے اٹھایا تو یہ سونے کا ایک پرتھا۔ اس بے چارے نے ساری زندگی غریبی اور تنگدستی میں گزاری تھی اور کبھی سونا دیکھا تک نہیں تھا۔ اس لیے اس پر کو دیکھ کر صرف اتنا سمجھا کہ یہ پرندوں کے عام پروں سے ذرا مختلف ہے۔ اس کا رنگ بھی سنہرا تھا اور یہ چمکیلا ہونے کے ساتھ ساتھ سخت بھی تھا۔ اس نے تھوڑی دیر تک اس کا جائزہ لیا اور پھر محض ایک خوبصورت اور انوکھی چیز سمجھ کر اسے گھر لے آیا۔ گھر آ کر وہ اپنے بڑے بھائی کے پاس گیا اور اسے وہ پر دکھاتے ہوئے بولا۔

''دیکھو! آج مجھے یہ عجیب و غریب پر ملا ہے۔''

جوں ہی بڑے بھائی نے پر دیکھا' وہ فوراً سمجھ گیا کہ یہ سونے کا ہے۔ اس نے پوچھا۔

''تمہیں یہ کہاں سے ملا ہے؟''

جواب میں چھوٹے غریب بھائی نے بتایا کہ:

''یہ مجھے جنگل سے ملا ہے۔''

امیر بھائی کا دل بے ایمان ہو گیا۔ اس نے سوچا۔ اگر اسے میں نے یہ بتا دیا کہ پر سونے کا ہے تو یہ مجھے نہیں دے گا اور خود جا کر بازار میں بیچ دے گا۔ اس لیے وہ کہنے لگا۔

''ہاں! اچھا ہے۔ مگر تمہارے کس کام کا؟ لاؤ اسے میں رکھ لیتا ہوں۔''

اس نے دو چار روپے دے کر غریب بھائی سے وہ پر لے لیا اور کہا۔

''ایسے پر اور بھی لاؤ۔ میں تمہیں اور پیسے دوں گا۔''

غریب بھائی کو جب ایک پر کے بدلے دو چار روپے مل گئے تو وہ بہت خوش ہوا۔ کہاں وہ دن بھر لکڑیاں کاٹتا تھا' محنت کرتا تھا اور تب کہیں جا کر اسے چند ٹکے ملتے تھے اور کہاں اب ایک پر کے اتنے پیسے مل گئے تھے۔ اس نے وہ پر اپنے بھائی کو دیا اور خوشی خوشی اپنے گھر آ گیا۔

کرنا خدا کا ایسا ہوا کہ جب دوسرے روز وہ معمول کے مطابق پھر جنگل میں لکڑیاں کاٹنے گیا تو اسے اسی جھاڑی کے قریب سے ایک ویسا ہی سونے کا پر مل گیا جیسا کل ملا تھا۔ پر دیکھ کر وہ پہلے سے بھی کہیں زیادہ خوش ہوا اور اپنے دل میں سوچنے لگا۔ چلو' آج پھر بڑے بھائی سے دو چار روپے مل جائیں گے۔ محنت بھی نہیں کرنا پڑے گی۔ وہ لکڑیاں کاٹنے کے بجائے پر لے کر سیدھا اپنے بھائی کے پاس پہنچ گیا اور بولا۔

''لو! آج پھر میں ویسا ہی سنہری پر لایا ہوں۔''

''کہاں ہے وہ پر؟''

امیر بھائی نے اشتیاق سے پوچھا اور جواب میں اس نے وہ پر اس کی طرف بڑھا دیا۔

''چلو' یہ بھی میں کسی نہ کسی کام میں لے آؤں گا۔''

بڑے بھائی نے اس طرح کہا جیسے وہ کوئی غیر اہم چیز ہو۔ اس کے بعد اس نے پر لے لیا اور اس کے بدلے میں اپنے چھوٹے بھائی کو دو چار روپے دے دیئے۔ اس کے ساتھ ہی اس سے کہنے لگا۔

''جس پرندے کے تم پر لائے ہو کل اس کا دھڑ بھی لانا۔ میں تمہیں زیادہ پیسے دوں گا۔''

''اچھا! میں کوشش کروں گا۔''

غریب بھائی نے سوچا۔ جب بڑا بھائی ایک معمولی پر کے بدلے من دو چار روپے دے دیتا ہے تو دھڑ کے بدلے تو یقیناً زیادہ دے گا۔ یہی سوچ کر وہ دوسرے روز صبح ہی صبح جنگل پہنچ گیا اور اِدھر اُدھر پرندے کو تلاش کرنے لگا۔ لیکن پرندہ وہاں بیٹھا ہوا تھا تو نہیں جو اسے فوراً مل جاتا۔ وہ دن بھر اس کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہا۔ مگر جب شام ہوگئی اور پرندہ اسے کہیں دکھائی نہ دیا تو وہ مایوس ہو گیا۔ آج اسی خوشی میں اس نے لکڑیاں بھی نہیں کاٹی تھیں کہ دھڑ مل جائے گا تو بہت سے پیسے ملیں گے۔ چنانچہ جب اندھیرا پھیل گیا تو وہ بے دل سا ہو کر واپس چلا آیا۔

اب وہ پھر روزانہ لکڑیاں کاٹنے کے لیے جنگل چلا جاتا تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ لکڑیاں کاٹنے میں اس کا دل نہ لگتا تھا۔ وہ ہر وقت اسی خیال سے اِدھر اُدھر دیکھتا رہتا کہ شاید اس پرندے کا دھڑ مل جائے اور بھائی سے روپے ملنے کا سہارا بن جائے۔ وہ کئی روز تک اسی جستجو میں رہا۔ قدرت خدا کی دیکھیے کہ ایک روز جب وہ حسب معمول جنگل میں لکڑیاں کاٹنے میں مصروف تھا اور پرندے سے مایوس ہو چکا تھا تو اچانک اس نے ایک جھاڑی میں کوئی چمکیلی سی چیز دیکھی۔ اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر دیکھا تو یہ اسی پرندے کا دھڑ تھا جس کی اسے کئی روز سے تلاش تھی۔ وہ بہت خوش ہوا اور لکڑیاں وغیرہ وہیں چھوڑ چھاڑ کر سیدھا اپنے بھائی کے پاس پہنچ گیا۔

''دیکھو! میں اس پرندے کا دھڑ بھی لے آیا ہوں۔''

اس نے خوش ہو کر اپنے بھائی سے کہا۔

''لاؤ مجھے دکھاؤ! کہاں ہے اس کا دھڑ؟''

بڑے بھائی نے اس سے پوچھا جس کے جواب میں غریب بھائی نے چمکتا ہوا پرندے کا دھڑ اس کی طرف بڑھا دیا۔

''یہ دیکھو!''

امیر بھائی نے اسے ہاتھ میں لے کر الٹ پلٹ کر دیکھا اور بولا۔

''یہ بھی تمہارے کس کام کا؟ شاید میرے کسی کام آ جائے۔''

اس کے بعد اس نے اپنے چھوٹے بھائی کو دس بیس روپے دے کر رخصت کر دیا۔ اس غریب کے لیے دس بیس روپے ہی بہت تھے۔ وہ اسی میں خوش ہو کر اپنے گھر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد امیر بھائی نے اپنی بیوی کو اپنے پاس بلایا اور کہا۔

''لو! اس پرندے کو پکاؤ۔ اس کے گردے میں کھاؤں گا اور دل تم کھانا۔''

بیوی بولی۔

''اتنے سے پرندے کے دل گردے کیا ہوں گے؟ اس کو پکانا خالی محنت ہی کرنا ہے۔''

مگر اس نے اسے سمجھاتے ہوئے بتایا۔

''تم نہیں سمجھتی ہو۔ اس کے دل گردے کھانے کے بعد جب ہم روزانہ صبح سو کر اٹھا کریں گے تو ہمارے تکیوں کے نیچے سے دو دو اشرفیاں نکلا کریں گی۔''

گو بیوی کو اس بات کا یقین نہیں تھا لیکن پھر بھی اس نے پرندے کا وہ دھڑ لے لیا۔ اس کے گردے اور دل نکالے اور ہنڈیا میں ڈال کر پکنے کے لیے چولہے پر چڑھا دیا۔ وہ تھوڑی دیر تک تو چولہے کے پاس بیٹھی اسے پکاتی رہی اور پھر اٹھ کر گھر کے دوسرے کاموں میں لگ گئی۔ اس طرح ہنڈیا چولہے پر اکیلی رہ گئی۔ اتفاق کی بات کہ اتنے میں غریب کے دونوں بیٹے کہیں سے کھیلتے ہوئے ادھر آ نکلے۔ اس وقت ان دونوں کو بڑے زور کی بھوک لگ رہی تھی۔ انہوں نے دیکھا تو ان کی چچی گھر کے اندر اپنے کام کاج میں مصروف تھی اور چولہے پر ہنڈیا میں کچھ پک رہا تھا۔ اس کا دھیان دوسری طرف دیکھ کر وہ دونوں چپکے سے چولہے کے پاس گئے اور ہنڈیا میں سے دل اور گردے نکال کر دونوں کھا لیے۔ اس کے بعد وہ دبے پاؤں وہاں سے بھاگ آئے تاکہ چچی دیکھ نہ لے۔

ادھر جب امیر بھائی کی بیوی اپنے کام کاج سے فارغ ہو کر صحن میں چولہے کے پاس آئی اور اس نے ہنڈیا پر سے ڈھکنا اٹھایا تو دل گردے غائب تھے۔ بڑی پریشان ہوئی۔ اب کیا

کرے؟ اس نے سوچا' اگر میں نے خاوند کو بتایا کہ دل گردے غائب ہو گئے ہیں تو وہ بہت ناراض ہوگا اور مارے گا بھی اور اگر اسے نہ بتاؤں تو اس کو کھانے کے لیے کیا دوں گی؟ یہی کچھ سوچتے سوچتے آخر اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ اس نے اسی وقت ایک مرغا منگوایا اور اس کا دل اور گردے نکال کر پکا لیے۔ جب اس کا شوہر گھر آیا تو اس نے اسی کے کہنے کے مطابق گردے اسے دے دیئے اور دل خود کھا لیا۔

''دیکھنا! اب روزانہ ہم دونوں کے تکیوں کے نیچے سے اشرفیاں نکلا کریں گی۔''

اس نے خوش ہو کر بیوی سے کہا۔ وہ اپنی جگہ مطمئن تھا کہ اس طرح اب ہر روز انہیں اشرفیاں مل جایا کریں گی اور ان کی دولت میں اضافہ ہوگا۔

اس کے برعکس جب دوسرے روز صبح غریب بھائی کے دونوں بیٹے سو کر اٹھے تو ان کے تکیوں کے نیچے دو دو اشرفیاں دیکھ کر ان کا غریب باپ بہت گھبرایا۔ اس نے پہلے تو یہ سوچا کہ شاید یہ دونوں کہیں سے چرا کر لائے ہیں لیکن دونوں بیٹوں نے ان اشرفیوں کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا اور بتایا کہ ہمیں ان کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔ ان کا یہ جواب سن کر غریب بھائی اس روز تو خاموش ہو رہا لیکن جب دوسری صبح پھر ان کے تکیوں کے نیچے سے کل کی طرح دو دو اشرفیاں نکلیں تو اور بھی گھبرایا۔ وہ اسے کوئی برا شگون خیال کر کے دل ہی دل میں ڈر رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ کسی کے تکیے کے نیچے سے اپنے آپ اشرفیاں کیسے نکل سکتی ہیں؟

وہ اسی وقت بھاگا بھاگا اپنے بڑے اور امیر بھائی کے پاس گیا اور گھبرائے ہوئے لہجے میں اسے بتایا۔

''بھائی! ہمارے ساتھ ایک عجیب بات ہوئی ہے۔''

امیر بھائی نے اس کی گھبراہٹ دیکھی تو پوچھنے لگا۔

''وہ عجیب بات کیا ہے؟ مجھے بھی بتاؤ۔''

جواب میں غریب بھائی کہنے لگا۔

''دو روز سے یہ ہو رہا ہے کہ صبح جب میرے دونوں بیٹے سو کر اٹھتے ہیں تو ان کے تکیوں کے نیچے سے دو دو اشرفیاں نکلتی ہیں۔''

بڑے بھائی نے اس کی بات سنی تو فوراً سمجھ گیا کہ کیا معاملہ ہے۔ وہ جان گیا کہ اس پرندے کے دل گردے چھوٹے بھائی کے بیٹے کھا گئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اس کے دل میں برائی نے جنم لے لیا۔ وہ سوچنے لگا اگر اب غریب بھائی کے بیٹے اسی کے پاس رہے تو روزانہ اشرفیاں نکالا کریں گی اور بہت جلد یہ بھی امیر ہو جائے گا لہٰذا کوئی ایسی ترکیب کرنی چاہیے جس سے اس کے دونوں بیٹے اس کے پاس نہ رہیں۔ چھوٹا بھائی غریب تو تھا ہی مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ بیوقوف بھی تھا۔ اس کی اس بیوقوفی اور معصومیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے امیر بھائی کہنے لگا۔

''یہ تو بہت برا شگون ہے۔ اب تمہارے سارے خاندان پر کوئی بھاری مصیبت نازل ہوگی۔''

اس کی بات سن کر غریب بھائی اور بھی گھبرا گیا اور جلدی سے پوچھنے لگا۔

''اس مصیبت سے بچنے کے لیے مجھے کیا کرنا چاہیے؟''

جواب میں بڑے بھائی نے چند لمحے سوچا اور پھر بولا۔

''اب مصیبت سے بچنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے۔''

اتنا کہنے کے ساتھ ہی اس نے اپنے غریب بھائی کے چہرے کی طرف دیکھا اور پھر کہنے لگا۔

''مگر تم یہ کام نہیں کر سکو گے اور سارا خاندان تباہ ہو جائے گا۔''

''نہیں نہیں! میں ضرور کروں گا۔ میں اپنے خاندان کو تباہی سے بچاؤں گا۔ تم مجھے بتاؤ وہ کون سا راستہ ہے؟''

غریب بھائی یہ سب کچھ ایک ہی سانس میں کہہ گیا۔ اور اس پر جادو چلتا دیکھ کر بڑا بھائی بولا۔

''تمہارے لیے بہتر یہ ہے کہ اپنے دونوں بیٹوں کو جنگل میں چھوڑ آؤ۔ اگر تم نے یہ نہ

کیا تو پھر اپنی اور اپنے خاندان کی تباہی کے لیے تیار ہو جاؤ۔''

''تم نے جو کہا ہے میں ایسے ہی کروں گا۔''

بیوقوف چھوٹے بھائی نے یہ کہا اور اپنے گھر چلا آیا۔

دوسرے روز صبح ہی صبح غریب بھائی نے اپنے دونوں بیٹوں کو اپنے ساتھ لیا اور جنگل کی طرف چل دیا۔ جنگل میں پہنچ کر ایک جگہ وہ بیٹوں سے کہنے لگا۔

''تم دونوں یہاں بیٹھو! میں ابھی آتا ہوں۔''

اور اس طرح وہ بھائی کی بات میں آ کر اپنے دونوں بیٹوں کو جنگل میں چھوڑ کر چلا آیا۔ دونوں لڑکے ابھی چھوٹے ہی تھے۔ وہ آپس میں اس قدر ہم شکل تھے کہ ایک دوسرے کو پہچاننا مشکل تھا۔ وہ بے چارے بھوکے پیاسے جنگل میں بیٹھے رہے کہ باپ ابھی آتا ہے' ابھی آتا ہے۔ لیکن ان کا باپ پلٹ کر نہ آیا۔ اتنے میں ادھر سے ایک شکاری کا گزر ہوا جو کسی دوسرے شہر کا رہنے والا تھا۔ اس نے دیکھا جنگ میں دو خوبصورت اور ہم شکل بچے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اسے ان پر پیار آ گیا اور اس نے ان سے دریافت کیا۔

''اے لڑکو! تم کون ہو اور یہاں کیسے آئے ہو؟''

لڑکوں نے شکار کو بتایا کہ اس طرح ان کا باپ ان کو یہاں چھوڑ گیا ہے اور واپس آنے کا کہہ گیا ہے مگر شکاری نے سوچا' شام ہونے کو آئی ہے اور ان کا باپ ابھی تک واپس نہیں آیا۔۔۔ ہو سکتا ہے وہ کسی جنگلی درندے کا شکار ہو گیا ہو۔ یہ سوچ کر اس نے پوچھا۔

''اگر تمہیں میں اپنے ساتھ لے چلوں تو کیا تم چلو گے؟''

دونوں لڑکے اس کے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو گئے اور شکاری انہیں ساتھ لے کر اپنے شہر آ گیا۔ اس شکاری کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اس نے دل میں سوچا۔ اللہ نے اسے دو بیٹے دے دیئے ہیں۔ انہیں دیکھ کر شکاری کی بیوی بھی بہت خوش تھی۔ اس طرح اب وہ دونوں اس شکاری کے گھر میں بیٹوں کی طرح پلنے بڑھنے لگے۔

جب وہ دونوں ذرا بڑے ہوئے تو شکاری نے انہیں شکار کا فن سکھانا شروع کر دیا۔ وہ جب شکار کے لیے جاتا تو انہیں بھی اپنے ساتھ لے جاتا۔ اس نے انہیں تیراندازی بھی سکھائی اور شکار کے طور طریقے بھی سمجھائے۔ یہاں تک کہ جب وہ جوان ہوئے تو اس وقت تک وہ ماہر شکاری بن چکے تھے۔ دونوں ہم شکل تو تھے ہی جب بڑے ہوئے تو دونوں کا قد بھی ایک جیسا ہی نکلا اور ان کی عادتیں بھی ایک ہی تھیں۔ پھر دونوں شکار کے فن اور تیراندازی میں بھی یک سے ماہر ہو گئے تھے۔ ایک روز انہوں نے شکاری سے کہا۔

''ہم کب تک آپ پر بوجھ بنے رہیں گے۔ اب ہمارا ارادہ ہے کہ ہم خود کمائیں اور اس کے لیے کسی دوسرے شہر میں جا کر قسمت آزمائی کریں۔''

شکاری اور اس کی بیوی نے انہیں اپنے بیٹوں کی طرح پالا تھا۔ وہ کہنے لگے۔

''اب تم ہی ہمارا سہارا ہو۔ ہماری مانو اور اپنا ارادہ بدل لو۔''

مگر دونوں بھائیوں نے اصرار کیا کہ:

''اب ہم خود کچھ کر کے دکھانا چاہتے ہیں۔''

شکاری نے بہتیرا سمجھایا' اس کی بیوی نے بھی انہیں بہت روکنا چاہا لیکن وہ نہ مانے۔ آخر مجبور ہو کر میاں بیوی نے انہیں جانے کی اجازت دے دی۔ شکاری نے انہیں شکار کے سامان سے پوری طرح لیس کر دیا اور جب وہ ان سے رخصت ہو کر چلنے لگے تو اس نے انہیں اشرفیوں کی ایک تھیلی دیتے ہوئے کہا۔

''یہ لو تم دونوں کی امانت ہے۔''

''ہماری امانت۔''

دونوں نے تعجب سے پوچھا۔ بھلا ان کے پاس اشرفیاں کہاں سے آ سکتی ہیں؟ وہ حیران ہو کر بولے۔

''مگر ہم نے تو آپ کو کوئی امانت نہیں دی تھی۔''

جواب میں شکاری اور اس کی بیوی نے انہیں بتایا کہ اس طرح ہر روز صبح کے وقت تم دونوں کے تکیوں کے نیچے سے دو دو اشرفیاں نکلا کرتی تھیں جو ہم جمع کرتے رہے ہیں اور اب یہ تم لوگوں کی امانت ہیں۔ یہ سن کر لڑکے بولے۔

''آپ ہمارے ماں باپ کی جگہ ہیں۔ ہم پر آپ کا حق زیادہ ہے۔''

انہوں نے بڑے اصرار سے اشرفیوں کی وہ تھیلی شکاری اور اس کی بیوی کو لوٹا دی۔ ان کو خدا حافظ کہا اور وہاں سے کسی دوسرے شہر کی طرف چل نکلے۔

شہر سے نکل کر دونوں بھائی مشرق کی طرف چلنے لگے اور چلا چل چلا چل ایک جنگل میں پہنچ گئے۔ جنگل میں سے گزرتے ہوئے وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے۔

''کوئی شکار کرنا چاہیے۔''

اتنے میں ایک شیرنی آتی دکھائی دی۔ اسے دیکھتے ہی دونوں نے جلدی سے اپنی اپنی کمان میں تیر چڑھائے لیکن ابھی وہ تیر چلانے ہی والے تھے کہ شیرنی ہاتھ باندھ کر ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور بولی۔

''تم مجھے نہ مارو اور اس کے بدلے میں میرے دو بچے لے لو۔''

انہیں شیرنی کی بے بسی پر رحم آ گیا۔ پھر انہوں نے یہ بھی سوچا کہ اسے مار کر ہمیں کرنا بھی کیا ہے؟ چنانچہ انہوں نے اس کے دو بچے لے کر اسے چھوڑ دیا اور دوبارہ اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔

ابھی وہ تھوڑی دور ہی گئے ہوں گے کہ انہوں نے ایک خرگوش کو بھاگتے ہوئے دیکھا۔ انہوں نے اس کا شکار کرنے کے لیے ابھی اپنی کمانیں سیدھی ہی کی تھیں کہ خرگوش کھڑا ہو کر عاجزی سے بولا۔

''تم مجھے نہ مارو اور اس کے بدلے میں میرے دو بچے لے لو۔''

خرگوش کی عاجزی پر دونوں کا دل پسیج گیا۔ انہوں نے خرگوش سے اس کے دو بچے لے

لیے اور اسے چھوڑ کر خود آگے چل دیئے۔

وہ جنگل میں چلے جا رہے تھے کہ راستے میں انہیں ایک ہنس نظر آیا۔ دونوں نے جلدی جلدی اپنی کمانوں میں تیر چڑھائے لیکن ہنس نے ان کی منت کرتے ہوئے کہا۔

''تم مجھے نہ مارو اور اس کے بدلے میں میرے دو بچے لے لو۔''

ان کو ہنس پر بھی رحم آ گیا اور انہوں نے اس سے اس کے دو بچے لے کر اسے چھوڑ دیا۔ اس کے بعد وہ پھر اپنے سفر پر رواں دواں ہو گئے۔

اب وہ پھر جنگل میں پیدل چل رہے تھے۔ چلتے چلاتے وہ بہت دور نکل گئے۔ ایک جگہ انہوں نے دیکھا کہ ایک ہرن جا رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی وہ شکار کے لیے تیار ہوئے مگر ہرن نے بھی ان کے قریب آ کر ہاتھ جوڑ کر کہا۔

''تم مجھے نہ مارو اور اس کے بدلے میرے دو بچے لے لو۔''

انہوں نے آپس میں کہا جہاں اتنوں کو چھوڑ دیا ہے اسے بھی چھوڑ دو۔ لہٰذا انہوں نے ہرن سے بھی اس کے دو بچے لے کر اسے چھوڑ دیا اور خود پھر آگے کی طرف چل دیئے۔

وہ کچھ دور اور آگے گئے تو انہیں ایک بندر نظر آیا۔ اسے دیکھتے ہی دونوں نے اپنی اپنی کمان سنبھال لی لیکن اس سے پیشتر کہ وہ تیر چلاتے' بندر عاجزی سے قریب آ کر بولا۔

''تم مجھے نہ مارو اور اس کے بدلے میں میرے دو بچے لے لو۔''

اور انہوں نے بندر کے بھی دو بچے لے کر اسے چھوڑ دیا۔ اس طرح اب ان کے پاس دو شیر' دو خرگوش' دو ہنس' دو ہرن اور دو بندر کے بچے ہو گئے تھے۔ انہوں نے ان سب کو ساتھ لیا اور اپنے سفر پر چلتے رہے۔

وہ چلتے رہے' چلتے رہے' یہاں تک کہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے دو راستے ہو جاتے تھے۔ ایک راستہ مشرق کی طرف جاتا تھا اور ایک مغرب کی طرف! دونوں بھائی وہاں پہنچ کر ٹھہر گئے اور سوچنے لگے۔ کس راستہ پر سفر جاری رکھیں؟ وہ ان میں سے کسی راستے کے بارے میں

کچھ نہیں جانتے تھے کہ وہ کہاں جاتا ہے۔ وہاں کھڑے بہت دیر تک سوچتے رہے اور آخر ایک دوسرے سے کہنے لگے۔

''بہتر یہ ہے کہ ایک بھائی مشرق کی طرف جائے اور ایک مغرب کی طرف!''

دونوں نے اس پر اتفاق کیا۔ چونکہ ان کے پاس پانچوں جانوروں کے دو دو بچّے تھے اس لیے انہوں نے ایک ایک بچّہ لے لیا۔ اس طرح دونوں بھائیوں کے پاس ایک شیر' ایک خرگوش' ایک ہنس' ایک ہرن اور ایک بندر کا بچّہ تھا۔ وہ ایک دوسرے سے رخصت ہونے لگے تو بڑے بھائی نے چھوٹے سے کہا۔

''ذرا ٹھہرو!''

پھر اس نے اپنا خنجر نکال کر قریب ہی ایک درخت میں گاڑ دیا اور بولا۔

''اگر ہم دونوں بھائیوں میں سے کوئی ایک دوسرے کی خیریت معلوم کرنا چاہے تو اس دوراہے پر آ جائے۔ اگر درخت میں گڑا ہوا یہ خنجر اسی طرح چمکتا ہوا ملے تو سمجھ لے کہ دوسرا بھائی خیریت سے ہے۔ لیکن اگر خنجر زنگ آلود دکھائی دے تو جان لے کہ اس کا بھائی کسی نہ کسی مصیبت میں گرفتار ہے۔''

اس کے بعد دونوں بھائی ایک دوسرے سے گلے ملے۔ جانوروں نے اپنے اپنے بھائیوں کو پیار کیا' اور سب ایک دوسرے سے رخصت ہو کر اپنی اپنی منزل کی طرف چل دیئے۔

چھوٹا بھائی جو مشرق کے راستے پر گیا تھا' اپنے پانچوں جانوروں سمیت چلتا چلا تا ایک شہر کے قریب پہنچ گیا۔ وہ بہت خوش ہوا کہ چلو کوئی منزل تو آئی۔ کئی روز ہو گئے کسی آدم زاد کی شکل تک نہیں دیکھی تھی۔ لیکن جب وہ شہر کے اندر داخل ہوا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہاں ہر شخص خاموش اور اداس گھوم رہا تھا۔ وہ جدھر دیکھتا اور جس پر نظر پڑتی' وہ چپ چاپ غم کی تصویر بنا نظر آ رہا تھا۔ وہ بڑا متعجب [illegible] یہ کس قسم کا شہر ہے؟ یہ لوگ اس قدر غمزدہ کیوں ہیں؟ اس نے اپنی زندگی میں آج تک [illegible] دیکھا نہ سنا تھا۔ آخر اس نے ایک راہ چلتے آدمی کو روک کر پوچھا۔

''یہاں ہر شخص اس طرح خاموش اور غمزدہ کیوں گھوم رہا ہے؟''

اس آدمی نے اسے بتایا۔

''ہر ماہ کی چودھویں رات کو یہاں ایک بہت بڑا اژدھا آتا ہے اور ہر بار ایک نوجوان لڑکی کو کھا جاتا ہے۔ آج بھی چودھویں تاریخ ہے اور آج بادشاہ کی بیٹی کی باری ہے۔ اس غم میں تمام لوگ خاموش اور غمزدہ نظر آ رہے ہیں۔''

اس نے آدمی سے دریافت کیا۔

''کیا آج تک اس اژدھا کو کوئی مار نہیں سکا؟''

''نہیں! وہ بہت بڑا اور خوفناک اژدھا ہے۔''

اس آدمی نے بتانا شروع کیا۔

''اسے کوئی نہیں مار سکتا۔ بادشاہ نے اعلان کیا ہے کہ جو شخص آج شہزادی کی جان بچا لے گا اس سے شہزادی کی شادی کر دی جائے گی اور وہ آدھی سلطنت کا وارث ہوگا۔''

اس آدمی سے یہ ساری تفصیل سننے کے بعد چھوٹے بھائی نے دل میں ارادہ کیا کہ وہ اژدھا کو ہلاک کرے گا۔ چنانچہ وہ پوچھتا پچھاتا بادشاہ کے محل میں پہنچ گیا اور دروازے کے باہر رکھی ہوئی نوبت بجا دی۔ نوبت کی آواز سنتے ہی بادشاہ نے اسی وقت اسے دربار میں طلب کیا اور پوچھا۔

''تم کون ہو اور کیا کہنا چاہتے ہو؟''

اس نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔

''بادشاہ سلامت! میں ایک اجنبی ہوں۔ میں شہزادی کی جان بچاؤں گا۔''

بادشاہ کو اس کی بات کا یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ بولا:

''اے نوجوان! اس اژدھا کو آج تک کوئی نہیں ہلاک کر سکا۔ اپنی جان کو موت کے منہ میں مت دو۔ ہم تمہیں ایک بار پھر سوچنے کا موقع دیتے ہیں۔''

مگر اس نے اسی طرح ہاتھ باندھ کر کہا۔

''جہاں پناہ! یہ غلام اچھی طرح سوچ سمجھ کر حاضر ہوا ہے۔ مجھے اس کی اجازت دی جائے۔''

جب وہ اپنی بات پر اڑا رہا تو بادشاہ کہنے لگا۔

''لیکن یہ بات یاد رکھو! اگر تم شہزادی کی جان بچانے میں کامیاب نہ ہوئے تو تمہیں بھی موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔''

جواب میں وہ سر جھکا کر بولا۔

''مجھے حضور کی یہ شرط منظور ہے۔''

تمام درباری اپنی اپنی جگہ حیران اس نوجوان کو دیکھ رہے تھے جو مفت میں اپنی جان گنوانے پر تلا ہوا تھا۔ مگر کوئی کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔ بادشاہ نے شاہی ملازموں کو حکم دیا۔

''اس نوجوان کو اسی جگہ پہنچا دیا جائے جہاں اژدھا آتا ہے اور جہاں اس وقت شہزادی موجود ہے۔''

شاہی ملازم اسے ساتھ لے جانے کے لیے آگے بڑھے تو اس نے بادشاہ سے عرض کی۔

''حضور! مجھے یہ بھی اجازت دی جائے کہ میں اپنے پانچوں جانور بھی ساتھ لے جاؤں۔''

''ہاں! تمہیں اس کی اجازت ہے۔''

بادشاہ کے اس فرمان کے ساتھ ہی شاہی خادم اس کے پانچوں جانوروں سمیت اُسے اس جگہ لے گئے جہاں رات کے وقت اژدھا کو آنا تھا اور جہاں اس وقت حسین و جمیل شہزادی بے بسی کی تصویر بنی بیٹھی تھی۔ اس نے شہزادی کو دیکھا اور شہزادی نے اس کو' مگر دونوں میں سے کسی ایک کے لب تک نہ ہلے۔ اسے شہزادی کی جوانی پر رحم آ رہا تھا اور شہزادی دل میں یہ سوچ رہی تھی کہ یہ کون اجنبی ہے جو میری خاطر موت سے کھیلنے آ گیا ہے۔ اس نے اپنے پانچوں جانوروں کو

ایک طرف بٹھا دیا اور خود اژدھا کا انتظار کرنے لگا۔

آہستہ آہستہ چاروں طرف اندھیرا پھیل گیا اور جب رات گہری ہوگئی تو اس نے دیکھا کہ ایک بڑا اژدھا خوفناک طریقے پر پھنکارتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ اس کے منہ سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے اور وہ پھنکارتا' آگ برساتا اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ شہزادی بیچاری خوف اور دہشت کے مارے بے حس و حرکت ایک طرف سہمی بیٹھی تھی مگر وہ اپنی جگہ ہوشیار اور تیار کھڑا تھا۔ جب اژدھا چند قدم کے فاصلے پر رک گیا تو اس نے منہ سے اگلتے ہوئے آگ کے شعلے اس کی طرف پھینکنا شروع کر دیئے تاکہ وہ آگ میں بھسم ہو جائے اور وہ شہزادی کو اٹھا کر لے جائے۔ ادھر جب شیر' خرگوش' ہنس' ہرن اور بندر نے دیکھا کہ اژدھا ان کے مالک کو جلانے لگا ہے تو وہ اس کی مدد کے لیے جلدی سے آگے بڑھے۔ جب اژدھا اپنے منہ سے آگ اگلتا تو وہ مٹی اٹھا اٹھا کر اس پر پھینکتے۔ اس سے آگ کے شعلے بجھ جاتے اور گرد و غبار کی وجہ سے اژدھا کو کچھ دکھائی نہ دیتا۔ اس طرح پانچوں جانوروں نے ایک ساتھ جلدی جلدی اس قدر مٹی پھینکی کہ اژدھا بالکل اندھا ہو کر رہ گیا۔ ادھر نوجوان نے اس موقع کو غنیمت جانا اور لپک کر تلوار کے تلے اوپر کئی وار کر کے اژدھے کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ جوں ہی شہزادی نے دیکھا کہ اس کو موت کی نیند سلانے کے لیے آنے والا اژدھا خود موت کی گود میں چلا گیا ہے تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اسے یُوں محسوس ہوا جیسے اس کے مردہ جسم میں پھر سے جان آ گئی ہو۔ اس نے اپنے گلے سے نولکھا ہار اتارا اور آگے بڑھ کر نوجوان کے گلے میں ڈال دیا تاکہ دوسرے روز وہ اس کو آسانی سے پہچان سکے جس نے اسے موت کے چنگل سے نجات دلائی ہے۔

کہتے ہیں وقت آ جائے تو نہیں ٹلتا۔ ہونی ہو کے رہتی ہے۔ ادھر تو شہزادی نے اس کے گلے میں ہار ڈالا اور ادھر تھوڑی دور پر بادشاہ کا ایک سپاہی کھڑا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس کی نیت خراب ہوگئی۔ اس نے اپنے دل میں سوچا' اگر میں اس آدمی کو قتل کر دوں اور صبح یہ کہہ دوں کہ اژدھے کو میں نے مارا ہے تو اس طرح شہزادی کی شادی مجھ سے ہو جائے گی اور میں آدھی سلطنت

کا وارث بن جاؤں گا۔ یہ خیال آتے ہی وہ اندھیرے میں آگے بڑھا اور تلوار سے نوجوان کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اس کے بعد وہ بھاگا بھاگا محل میں گیا اور اعلان کر دیا کہ اژدھے کو میں نے قتل کر کے شہزادی کی جان بچائی ہے۔ اژدھا تو واقعی مر چکا تھا۔ سب لوگوں میں یہی بات مشہور ہو گئی کہ سپاہی نے اسے قتل کیا ہے۔ یہ خبر بادشاہ تک بھی پہنچی۔ اس وقت بھلا بادشاہ کو یہ سوچنے کی فرصت کہاں تھی کہ اژدھے کو قتل کرنے والا کون ہے؟ اس کے لیے تو یہ بات بہت تھی کہ اس کی بیٹی زندہ سلامت بچ گئی ہے۔ لہٰذا اس نے سپاہی کا شاہانہ طور پر استقبال کیا اور ہر طرف خوشیاں منائی جانے لگیں۔

دوسری طرف صبح جب پانچوں جانور نے اپنے مالک کو مرا ہوا پایا تو بہت گھبرائے۔ وہ سب مل کر سوچنے لگے کہ اسے زندہ کیسے کریں؟ ہرن کہنے لگا۔

''فلاں جنگل میں ایک ایسی بوٹی ہے جو اگر کسی مردہ آدمی کے اعضا جوڑ کر اس کے جسم پر لگا دی جائے تو وہ پھر سے زندہ ہو جاتا ہے۔''

یہ سن کر بندر بولا۔

''اگر تم میں سے کوئی بوٹی لے آئے تو میں مالک کے کٹے ہوئے حصے جوڑ کر ان پر وہ بوٹی مل دوں گا اور اس طرح ہمارا مالک زندہ ہو سکتا ہے۔''

خرگوش کہنے لگا۔

''میں جلد سے جلد وہ بوٹی لا سکتا ہوں لیکن مجھے اس بات کا خطرہ ہے کہ راستے میں کوئی درندہ مجھے پھاڑ نہ کھائے۔''

ہنس کہنے لگا۔

''میں تمہارے اوپر اڑتا چلوں گا اور جہاں کوئی خطرہ دیکھوں گا تمہیں فوراً بتا دوں گا۔ اس طرح تم بوٹی لانے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔''

لیکن مالک کی لاش کی حفاظت کون کرے گا؟ مجھے تو بھی چاہے گا مار دے گا۔

ہرن نے فکر مند ہو کر کہا جس پر شیر بولا۔

''تم فکر نہ کرو۔ حفاظت کے لیے میں جو موجود ہوں۔''

اس کے بعد ہنس اور خرگوش تو ہرن کی بتائی ہوئی بوٹی لینے چلے گئے اور پیچھے بندر، شیر اور ہرن مالک کی لاش کی حفاظت کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔

وقت گزرتے دیر کیا لگتی ہے۔ آخر چند دنوں کی کوشش اور سفر کے بعد ہنس اور خرگوش ہرن کی بتائی ہوئی بوٹی لے کر واپس آئے۔ پانچوں جانور بہت خوش تھے کہ اب ان کا مالک زندہ ہو جائے گا۔ سب نے بندر سے کہا۔

''لو بھئی! جلدی کرو۔ اب صرف تمہارا کام باقی ہے۔''

بندر نے مالک کی کٹی ہوئی گردن اس کے جسم سے جوڑی اور اس پر وہ بوٹی مل دی۔ پھر چند ہی لمحوں بعد انہوں نے دیکھا کہ ان کا مالک کلمہ پڑھتا ہوا اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ بڑا پریشان تھا کہ کیا قصہ ہوا ہے؟ لیکن جانوروں نے اسے ساری کہانی سنائی اور بتایا کہ کس طرح ایک سپاہی نے حسد کی وجہ سے اسے قتل کر دیا اور کس طرح انہوں نے بوٹی حاصل کر کے اسے دوبارہ زندہ کیا ہے۔ اب وہ ساری بات سمجھ چکا تھا مگر اس نے سوچا اب کیا کرنا چاہیے؟ اژدھے کے قتل کے واقعہ کو کئی روز گزر چکے ہیں اور یہ بات سارے شہر میں مشہور ہو چکی ہو گی کہ اژدھے کو قتل کرنے والا وہی سپاہی ہے۔ پھر بھی اس کے دل نے کہا کیوں نہ قسمت آزمائی کی جائے؟ ہو سکتا ہے سچائی کی جیت ہو جائے۔ یہ خیال آتے ہی وہ سیدھا بادشاہ کے دربار میں پہنچ گیا۔ اس نے محل کے باہر رکھے ہوئے نقارے پر چوٹ لگائی اور فوراً ہی بادشاہ کے حضور طلب کر لیا گیا۔ بادشاہ نے اس سے دریافت کیا۔

''تم کیا چاہتے ہو؟''

اس نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا۔

''جہاں پناہ! اژدھے کو میں نے قتل کیا تھا۔ شہزادی کی جان میں نے بچائی تھی۔''

اس کی بات سن کر تمام درباری اور خود بادشاہ بھی ہنسنے لگا۔ کسی کو اس بات کا یقین نہیں آ رہا تھا۔ بھلا یہ کیسے ہوسکتا تھا؟ جس سپاہی نے اژدھے کو قتل کیا تھا وہ تو آدھی سلطنت کا مالک بھی بن چکا ہے اور شہزادی سے اس کی شادی ہونے والی ہے۔ بادشاہ نے ذرا غصّے میں کہا۔

''اے نوجوان! تمہیں معلوم ہے کہ تم ایک بادشاہ کے دربار میں جھوٹ بول رہے ہو۔ اور جھوٹ بولنے والے کی سزا کیا ہوتی ہے؟''

اس نے دست بستہ جواب دیا۔

''جہاں پناہ! یہ غلام سچ عرض کر رہا ہے۔''

تمہارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ تم نے شہزادی کی جان بچائی تھی؟

بادشاہ کے اس سوال پر اس نے اپنی جیب میں سے وہ ہار نکال کر بادشاہ کے سامنے رکھ دیا جو شہزادی نے اس کے گلے میں ڈالا تھا اور بولا۔

''عالی جاہ! یہ رہا میرا ثبوت۔''

بادشاہ نے اسی وقت شہزادی کو طلب کیا اور اس سے استفسار کیا۔

شہزادی! کیا یہ نوجوان سچ کہہ رہا ہے؟

''شہزادی فوراً اپنا ہار پہچان گئی تھی۔ اس نے کہا۔

''جہاں پناہ! یہ نوجوان سچ کہہ رہا ہے۔ یہی وہ شخص ہے جس نے اژدھے کو قتل کر کے میری جان بچائی تھی اور میں نے ہی نشانی کے لیے یہ ہار اس کے گلے میں ڈالا تھا۔''

یہ سنتے ہی بادشاہ آگ بگولا ہوگیا۔ اس نے اسی وقت حکم دیا۔

''اس سپاہی کو فوراً ہمارے حضور پیش کیا جائے جس نے جھوٹا دعویٰ کر کے ہمیں دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے۔''

جوں ہی اس سپاہی کو دربار میں پیش کیا گیا' بادشاہ نے جلادوں کو حکم دیا۔

''اس مکار کا ابھی سر قلم کر دیا جائے۔''

چنانچہ اس سپاہی کو اسی وقت قتل کر دیا گیا اور اس نوجوان سے شہزادی کی شادی کر دی گئی۔ اب وہ آدھی سلطنت کا مالک بن چکا تھا۔ چند ہی روز گزرے ہوں گے کہ بادشاہ کا آخری وقت آ پہنچا اور اس کے بعد وہ پوری بادشاہی کا والی بن گیا۔ مگر ہونی ہو کے رہتی ہے۔ راج کرتے کرتے ایک روز اس نے اپنے وزیر سے کہا۔

''آج ہم شکار کھیلنے جائیں گے۔ ہمارے شکار کی تیاری کی جائے۔''

حکم کی دیر تھی۔ اسی وقت شکار کا انتظام ہو گیا بادشاہ نے اپنے پانچوں جانوروں کو ساتھ لیا اور امیروں وزیروں کے ساتھ شکار کھیلنے کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ پھر اتفاق ایسا ہوا کہ جنگل میں شکار کھیلتے کھیلتے وہ بہت دور نکل گیا۔ امیر وزیر بھی کہیں پیچھے رہ گئے اور حفاظتی سپاہی بھی اس سے بچھڑ گئے وہ راستہ بھٹک چکا تھا اور جنگل نیا ہونے کی وجہ سے اسے کچھ پتہ نہ چل رہا تھا کہ وہ کہاں ہے اور اسے کدھر جانا ہے؟ شام تک اسی طرح بھٹکتا رہا اور آخر تک ہار کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ اس کے پانچوں جانور بھی اس کے ساتھ تھے۔ اتنے میں اسے کچھ سردی محسوس ہوئی تو اس نے ادھر ادھر سے چند سوکھی لکڑیاں اور کچھ گھاس پھونس اکٹھی کر کے آگ جلائی تا کہ سردی سے محفوظ رہ سکے۔ ابھی وہ آگ جلا کے بیٹھا ہی تھا کہ اس نے دیکھا اس درخت پر ایک بُڑھیا بیٹھی ہوئی تھی۔ بُڑھیا اس سے کہنے لگی۔

''بیٹا! مجھے بھی سردی لگ رہی ہے۔ اگر تم اجازت دو تو میں بھی نیچے اتر کر آگ تاپ لوں۔''

جواب میں وہ بولا۔

''ہاں' کیوں نہیں مائی! تم نیچے آ کر تاپ لو۔''

اس پر بُڑھیا نے ایک چھڑی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''بیٹا! اس چھڑی سے جانوروں کو ذرا پرے کر دو مجھے ان سے ڈر لگ رہا ہے۔''

اس نے بُڑھیا سے چھڑی لے لی اور جوں ہی اس سے جانوروں کو پیچھے ہٹایا' اس کے

ساتھ ہی وہ سب کے سب پتھر کے بن گئے۔ صرف جانور ہی نہیں بلکہ ان کے ساتھ وہ اور اس کا گھوڑا بھی پتھر کا بت بن کے رہ گیا تھا۔

دن بیتتے رہے۔ موسم آئے اور گزر گئے۔ ہوائیں چلیں اور تھم گئیں۔ دن راتوں کی گود میں دم توڑتے گئے اور راتیں ماضی کے اندھیروں میں گم ہوتی رہیں۔ اس کا دوسرا بھائی جو مغرب کے راستے پر گیا تھا' ایک روز اچانک اسے خیال آیا۔

چلو چل کے اپنے بھائی کی خیریت ہی معلوم کرلوں۔ خدا جانے وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے؟

یہ سوچ کر وہ سفر کرتا ہوا اسی دوراہے پر آ گیا جہاں سے دونوں بھائی الگ الگ راستوں پر گئے تھے۔ وہاں پہنچ کر اس نے درخت میں گڑا ہوا خنجر دیکھا تو وہ زنگ آلود تھا۔ یہ دیکھتے ہی وہ سمجھ گیا کہ میرا بھائی ضرور کسی مصیبت میں گرفتار ہے۔ اس کے پانچوں جانور بھی اس کے ساتھ تھے۔ خنجر کو زنگ آلود دیکھ کر اس نے واپس جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور اپنے بھائی کی تلاش میں اسی راستے پر چل دیا جو مشرق کی طرف جاتا تھا اور جس پر اس کا بھائی گیا تھا۔

چلتے چلاتے کئی روز گزر گئے۔ آخر وہ اسی شہر میں پہنچ گیا جہاں اس کے بھائی کی بادشاہی تھی۔ جب وہ شہر کے اندر داخل ہوا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہاں سب بازار اور دکانیں بند تھیں اور لوگ بڑے غمزدہ اور خاموش دکھائی دے رہے تھے۔ وہ دل میں سوچنے لگا۔ یا الٰہی! یہ کیا ماجرا؟ آخر اس نے ایک آدمی کو روک کر پوچھا۔

کیا بات ہے؟ یہاں سب بازار اور دکانیں کیوں بند ہیں اور لوگ اس قدر غم زدہ کیوں ہیں؟

اس آدمی نے اسے بتایا۔

''ہمارا بادشاہ کھو گیا ہے اور تمام شہر میں اس کا سوگ منایا جا رہا ہے۔''

ابھی وہ آدمی اسے یہ بات بتا ہی رہا تھا کہ جوق در جوق لوگ اس کے گرد اکٹھے ہونے

لگے۔ ایک تو وہ اپنے بھائی کا ہم شکل تھا' دوسرے اس کا قد و قامت بھی ویسا ہی تھا اور تیسرے اسی کی طرح شیر' بندر' ہرن' ہنس اور خرگوش پانچوں جانور بھی اس کے ساتھ تھے جو بالکل ان ہی جانوروں کی طرح اور ان ہی کی عمر کے تھے۔ اسے دیکھتے ہی لوگوں نے خوشی میں شور مچانا شروع کر دیا۔

ہمارا بادشاہ واپس آ گیا! ہمارا بادشاہ واپس آ گیا!

اس نے بہتیرا کہا کہ میں تم لوگوں کا بادشاہ نہیں ہوں لیکن اس کی کسی نے نہ مانی۔ یہ دیکھ کر وہ یہ بات اچھی طرح سمجھ گیا کہ:

ہو نہ ہو! یہاں میرا بھائی بادشاہت کر رہا ہے۔

لوگ اسے اسی وقت گھیرے میں لے کر شہزادی کے پاس لے گئے تو وہ بھی اسے دیکھتے ہی بولی۔

''جہاں پناہ! جس روز سے آپ غائب ہوئے ہیں سارا شہر سوگ میں ڈوبا ہوا ہے۔''

امیروں وزیروں نے دیکھا تو معافی طلب کرتے ہوئے بولے۔

''جہاں پناہ! حضور شکار کھیلتے کھیلتے نہ جانے کہاں چلے گئے۔ ان خادموں نے آپ کو جنگل میں ہر طرف تلاش کیا لیکن آپ کا کچھ پتہ نہ چل سکا۔''

اب وہ یہ بھی جان گیا تھا کہ اس کا بھائی شکار کھیلنے میں اپنے ساتھیوں سے بچھڑ کر کہیں گم ہوا ہے۔ اس نے دانش مندی سے کام لیا اور خاموشی سے بادشاہ بن گیا۔ لیکن رات کو جب وہ خواب گاہ میں گیا تو اس نے سوتے وقت مسہری پر اپنے اور شہزادی کے درمیان ننگی تلوار رکھ دی۔ شہزادی نے حیران ہو کر پوچھا۔

''حضور! یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟''

جواب میں وہ بولا۔

''مجھے ایک فقیر نے کہا ہے کہ تم ایک ماہ تک شہزادی کے ساتھ اسی طرح سونا ورنہ تم کسی

نئی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ گے۔''

شہزادی اس جواب سے مطمئن ہو گئی اور وہ بادشاہی کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے بھائی کی کھوج میں لگا رہا۔ آہستہ آہستہ اس نے درباریوں سے باتوں باتوں میں سب کچھ پوچھ لیا۔ جب وہ تمام حالات سے آگاہ ہو چکا تو ایک روز اپنے وزیر سے بولا۔

''آج پھر ہم اسی جگہ شکار کھیلنے جائیں گے جہاں پہلے گئے تھے!''

پلک جھپکنے کی دیر تھی کہ شکار کا ضروری ساز و سامان تیار ہو چکا تھا۔ حکم کے مطابق شاہی ملازم اسے اسی جنگل میں اور اسی جگہ لے گئے جہاں اس کا بھائی بچھڑا تھا۔ وہاں پہنچ کر اس نے وزیروں' امیروں اور خادموں سے کہا۔

''تم لوگ ہمارا انتظار کرو۔ ما بدولت آگے اکیلے شکار کھیلنے جائیں گے۔''

تمام لوگ اسی جگہ ٹھہر گئے اور وہ شکار کھیلتا کھیلتا بہت دور نکل گیا۔ یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ اتفاق سے وہ بھی اسی درخت کے نیچے جا پہنچا۔ اس وقت سردی بہت ہو رہی تھی اس لیے اس نے سوچا' تھوڑی آگ جلا کر ہاتھ پاؤں گرم کر لوں اور پھر واپس چلتا ہوں۔ بھائی کا تو کہیں پتہ نہیں چل سکا۔ چنانچہ اس نے ادھر ادھر سے گھاس پھونس جمع کر کے آگ جلا دی۔ ابھی آگ جلائی ہی تھی کہ درخت پر سے آواز آئی۔

بیٹا! مجھے بھی سردی لگ رہی ہے۔ اگر تم اجازت دو تو میں بھی نیچے اتر کر آگ تاپ لوں؟

اس نے گردن اٹھا کر اوپر دیکھا تو اسے درخت پر بیٹھی ہوئی ایک بڑھیا نظر آئی۔ وہ دل میں سوچنے لگا' اس ویرانے میں ایک بڑھیا کا کیا کام؟ یہ درخت پر اکیلی کیا کر رہی ہے؟ اسی دوران میں اس نے ارد گرد نظر دوڑائی تو اسے وہاں بالکل اس کے جانوروں جیسے پانچ جانور' ایک گھوڑا اور ایک آدمی پتھر کے بت بنے دکھائی دیئے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر وہ سارا قصہ سمجھ گیا۔ اس نے سوچا۔

یہ بڑھیا یقیناً کوئی جادوگرنی ہے۔ اسی نے میرے بھائی اور اس کے جانوروں کو پتھر بنا

دیا ہے۔ اس نے بُڑھیا پر یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ وہ اس کے بارے میں سب کچھ جان چکا ہے بلکہ ان جان سے بن کر بولا۔

''ہاں مائی! تم نیچے آ کر آگ تاپ لو۔''

اس پر بُڑھیا اپنی چھڑی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

''بیٹا! پہلے اس چھڑی سے اپنے جانوروں کو ذرا پرے کر دو مجھے ان سے ڈر لگ رہا ہے۔''

لیکن جوں ہی بُڑھیا نے چھڑی اس کی طرف بڑھائی اور وہ تھوڑا نیچے جھکی اس نے بجلی کی سی تیزی سے اپنی تلوار نکال کر بُڑھیا کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اس کے بعد اس نے بُڑھیا کا تھوڑا سا خون اپنی انگلی پر لیا اور باری باری تمام پتھروں پر لگا دیا۔ خون لگانے کی دیر تھی کہ دیکھتے ہی دیکھتے شیر، بندر، ہرن، ہنس، خرگوش، اس کا بھائی اور اس کا گھوڑا زندہ سامنے کھڑے تھے۔ پانچوں جانور اپنے اپنے بھائی سے ملے اور وہ دونوں بھائی ایک دوسرے سے گلے ملے۔ پھر دونوں نے اپنی اپنی داستان سنائی۔ اس کے بعد وہ اپنے اپنے جانوروں کو ساتھ لے کر شہر واپس آئے جہاں لوگوں نے اپنے بادشاہ کا شاہانہ استقبال کیا اور خوشیاں منائیں۔ اب شہزادی کو رات کو سوتے میں درمیان میں ننگی تلوار رکھنے کا راز معلوم ہو چکا تھا۔ بڑا بھائی بادشاہ بن گیا اور چھوٹا وزیر۔ کچھ دنوں بعد انہوں نے اپنے ماں باپ اور اس شکاری اور اس کی بیوی کو بھی اپنے پاس بلا لیا جنہوں نے انہیں پالا تھا۔ جب وہ سب اکٹھے ہو گئے تو شکاری نے دونوں بھائیوں کو ایک تھیلی دے کر کہا۔

''تم دونوں کی یہ امانت ابھی تک ہمارے پاس محفوظ ہے۔''

یہ وہی اشرفیاں تھیں جو وہ آتے میں چھوڑ آئے تھے مگر شکاری کی اس دیانت نے اب اسے اس کا پھل دے دیا تھا۔

پھر جب وہ سب ہنسی خوشی رہنے لگے تو ایک روز دونوں بھائیوں کے جانوروں نے ان سے کہا۔

''آپ لوگوں کو اللہ نے سب کچھ دے دیا ہے۔ اب ہمیں اجازت دی جائے!''

دونوں بھائیوں نے انہیں بہت روکنا چاہا لیکن جانور بولے۔

''آپ کو اپنے ماں باپ مل گئے۔ اب ہم بھی اپنے ماں باپ کے پاس جانا چاہتے ہیں۔''

مجبوراً دونوں بھائیوں نے انہیں اجازت دے دی اور وہ رخصت ہو کر جنگل کی طرف چلے گئے۔

کہتے ہیں اس کے بعد کبھی کسی شہر میں کوئی خوفناک اژدھا نہیں آیا۔ لیکن اس کے باوجود لوگ صدیوں تک شہروں کے گرد چاروں طرف بڑی بڑی دیواریں بناتے رہے تاکہ اگر کوئی اژدھا آنا بھی چاہے تو نہ آسکے۔

.....o.....

# نہ گھر کے نہ گھاٹ کے

پرانے زمانے کی بات ہے۔ ایک بار پرندوں' چرندوں اور درندوں کے نمائندوں نے آپس میں مل کر سوچا۔

''یہ بات کچھ اچھی نہیں لگتی کہ زمین پر درندوں اور چرندوں کی حکومت ہو اور فضا میں پرندوں کا راج ہو۔ کیوں نہ متفقہ طور پر ایک ایسا بادشاہ چُن لیا جائے جو فضا اور زمین دونوں پر حکمرانی کرے۔ سب پرندے' چرندے اور درندے اسی ایک کا حکم بجالائیں۔''

یہ تجویز پرندوں کو بھی پسند آئی' چرندے بھی اس پر راضی ہو گئے اور درندوں نے بھی اس پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔ سب کہنے لگے۔

''یہ بات ٹھیک ہے۔ اس طرح ہماری وہ تمام دشمنیاں ختم ہو جائیں گی جو صدیوں سے ایک دوسرے کے خلاف چلی آ رہی ہیں اور کوئی جھگڑا باقی نہیں رہے گا۔''

چنانچہ سب نے مل کر طے کیا کہ:

''فلاں روز فلاں جنگل میں تمام پرندے' چرندے اور درندے جمع ہو جائیں تا کہ ایک بادشاہ کا انتخاب کیا جا سکے۔''

اس سلسلے میں چاروں طرف خبر پہنچا دی گئی کہ مقررہ دن پر سب اس جنگل میں آ جائیں۔ اس کے ساتھ ہی اجلاس کے لیے ضروری انتظامات ہونے لگے۔

مقررہ دن آ گیا۔ تمام پرندے' چرندے اور درندے اس جنگل میں جمع ہو گئے جہاں متفقہ طور پر ایک حکمران کا انتخاب ہونے والا تھا۔ جنگل میں ایک طرف پرندے بیٹھ گئے اور دوسری طرف چرندوں' درندوں [illegible] [illegible] تا کہ اس طرح ایک بادشاہ کے لیے سوچ بچار ہونے

لگا۔مختلف پرندے اپنی اپنی رائے کا اظہار کر رہے تھے اور جواب میں چرندے اور درندے اپنے اپنے خیالات پیش کر رہے تھے۔ابھی تک وہ سب کسی ایک بات پر اتفاق نہ کر سکے تھے کہ اتنے میں گیدڑ نے چیتے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''میرا خیال ہے' یہ فیصلہ چیتا کرے تو زیادہ بہتر ہے کہ ہم سب کا بادشاہ کون ہو۔''

قریب ہی لومڑی بیٹھی ہوئی تھی۔اس نے گیدڑ کو بولتے ہوئے دیکھا تو اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہنے لگی۔

''ہاں! گیدڑ ٹھیک کہہ رہا ہے۔میری بھی یہی رائے ہے کہ چیتا اس بات کا فیصلہ کرے۔''

یہ بات سن کر تمام پرندے' چرندے اور درندے چیتے کی طرف دیکھنے لگے۔چیتے نے ایک نظر سب کا جائزہ لیا اور جب یہ دیکھا کہ سب اس کی رائے کے منتظر ہیں تو کہنے لگا۔

''میری رائے میں تو شیر کو بادشاہ چننا چاہیے۔''

پھر اس نے اپنی بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

''شیر ہم سب میں زیادہ طاقتور ہے۔اس جیسا طاقتور نہ تو کوئی پرندوں میں ہے اور نہ چرندوں درندوں میں اس کا مقابلہ ہو سکتا ہے۔اس لیے میرے خیال میں اس اعزاز کا وہی مستحق ہے۔''

جوں ہی چیتے نے یہ بات کہی تمام چرندے اور درندے اس کی حمایت کرنے لگے۔

''ہاں! یہ ٹھیک ہے۔''

''شیر ہی کو بادشاہ بننا چاہیے۔''

''شیر ہی سب سے زیادہ طاقتور ہے۔''

''شیر کے سوا اور کوئی اس اعزاز کا حق دار نہیں۔''

چرندے اور درندے تو اس تجویز کی حمایت کر رہے تھے لیکن پرندوں کو چیتے کی یہ رائے پسند آئی تھی۔انہوں نے آپس میں صلاح مشورہ کیا اور سوچا اگر بادشاہ چرندوں یا درندوں میں

سے چُنا گیا تو وہ ان کی حکمرانی میں آ جائیں گے اور ہمیشہ کے لیے ان کے غلام بن جائیں گے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے بات چیت کی۔ اپنے بڑے بوڑھوں اور تجربہ کار پرندوں کی رائے طلب کی اور اس کے بعد کہنے لگے۔

''ہمیں اس تجویز سے اختلاف ہے۔''

پھر انہوں نے اپنے اعتراض کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

''ہم سب کا بادشاہ ایسا ہونا چاہیے جس کا فضاؤں میں بھی راج ہو۔''

ایک بوڑھے پرندے نے سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ شیر بڑا بہادر ہے، عقل مند ہے مگر وہ اپنی بہادری اور عقل مندی صرف دھرتی پر ہی دکھا سکتا ہے۔ فضا میں وہ بے بس ہے۔''

ایک اور پرندے نے اپنی تجویز پیش کرتے ہوئے کہا۔

''شیر کی ساری طاقت زمین تک محدود ہے۔ اگر ایک چھوٹی سی چڑیا بھی چاہے تو اس کی پشت پر بیٹھ کر اس کی توہین کر سکتی ہے۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ ہم سب کا بادشاہ ایسا ہو جو زمین اور فضا دونوں پر اپنی بہادری کے جوہر دکھا سکے۔''

تمام پرندوں نے اس بات کی پرزور حمایت کی اور پھر سب نے متفقہ طور پر تجویز پیش کی کہ:

''ہماری رائے میں باز کو بادشاہ بنانا چاہیے کیونکہ وہ تمام پرندوں سے زیادہ بہادر ہے اور سب سے اونچی اڑان اڑ سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اس میں یہ خوبی بھی ہے کہ وہ زمین پر بھی چل سکتا ہے اور بڑے سے بڑے پرندے، چرندے اور درندے کا مقابلہ بھی کر سکتا ہے۔''

چرندوں اور درندوں نے جب پرندوں کی یہ تجویز سنی تو انہوں نے اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ وہ کہنے لگے۔

''نہیں! بادشاہ صرف شیر ہی بن سکتا ہے۔''

''شیر میں بادشاہ بننے کی ساری خوبیاں موجود ہیں۔''

دوسری طرف پرندے اپنی بات پر اڑے ہوئے تھے کہ:

''بادشاہ باز کو بنانا چاہیے۔''

''باز کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔''

مگر چرندے اور درندے اس بات پر مصر تھے کہ:

''اگر بادشاہ بنے گا تو صرف شیر ہی بنے گا۔''

اس طرح ان میں بحث ہونے لگی۔ شروع شروع میں تو وہ ایک دوسرے کو دلائل سے قائل کرنے کی کوشش کرنے لگے لیکن پھر آہستہ آہستہ ان میں تو تو میں میں ہونے لگی اور معاملہ تکرار تک پہنچ گیا۔ بات بڑھتی چلی گئی اور نوبت ہاتھا پائی تک آ گئی۔ بادشاہ کا انتخاب ہونے کی بجائے ان میں لڑائی شروع ہو گئی۔ ایک طرف تمام پرندے ہو گئے اور دوسری طرف چرندے درندے ڈٹ گئے۔ اس طرح ان میں بڑے زور کی جنگ ہونے لگی۔

اس لڑائی میں صرف چمگادڑ ہی ایسے جانور تھے جو یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ وہ پرند ہیں یا چرند۔ وہ پرندوں میں شامل ہوں یا چرندوں کا ساتھ دیں۔ ان کی کچھ عادتیں پرندوں سے ملتی جلتی تھیں اور کچھ خصلتیں چرندوں جیسی تھیں۔ وہ پرندوں کی طرح فضا میں اڑتے تھے اور اس لحاظ سے پرندے تھے۔ مگر چمگادڑ کی انڈے دینے کے بجائے بچے بھی جنتی تھی اور چرندوں کی طرح انہیں دودھ پلاتی تھی۔ اس طرح وہ چرندوں میں شمار ہوتے تھے۔ گویا دونوں طرف ان کا کچھ نہ کچھ تعلق پیدا ہو جاتا تھا لیکن مکمل طور پر وہ کسی ایک کی طرف شامل نہیں ہو سکتے تھے۔ چمگادڑ اسی کشمکش و پیچ میں گرفتار تھے اور سوچ رہے تھے کہ:

''اس لڑائی میں کس کا ساتھ دیں۔''

دوسری جانب [illegible] اور پرندوں [illegible] گھمسان کی جنگ جاری تھی۔ کبھی [illegible]

بھاری پڑ جاتے۔ اسی آپا دھاپی اور ہما ہمی میں ایک وقت ایسا آیا کہ چرندے اور درندے' پرندوں پر غالب آ گئے۔ انہوں نے مار مار کر پرندوں کو لہولہان کر دیا۔ بے چارے کئی پرندوں کے پر ٹوٹ گئے اور چونچیں زخمی ہو گئیں۔ کچھ مر گئے' کچھ زخمی ہو کر گر پڑے اور جو باقی بچے وہ اپنی جان بچا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ پرندوں کو اس طرح شکست کھا کر بھاگتے ہوئے دیکھ کر چرندوں اور درندوں نے ان کا پیچھا کرنا چاہا لیکن وہ فضا میں اڑ گئے اور چرندوں' درندوں کو مجبوراً واپس آنا پڑا کیونکہ فضا میں ان کا کوئی بس نہ چل سکتا تھا۔

چمگادڑوں نے جب یہ دیکھا کہ پرندوں کو شکست ہو گئی ہے اور چرندے درندے جیت گئے ہیں تو وہ ہولے ہولے ان کے پاس آ گئے اور کہنے لگے۔

''ہم پرندے نہیں ہیں۔''

مگر چرندوں اور درندوں نے جواب دیا۔

''نہیں! تم پرندے ہو۔ تم ہم میں کیسے آ سکتے ہو؟''

چمگادڑوں نے یہ جواب سنا تو خوشامد کرتے ہوئے بولے۔

''یہ ٹھیک ہے کہ ہم ہوا میں اڑتے ہیں۔ لیکن اس کے سوا ہم میں پرندوں والی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم چرندوں میں شمار ہوتے ہیں۔''

پھر ایک بوڑھے اور چالاک چمگادڑ نے چرندوں کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''ہم تو بالکل تمہاری طرح چرندے ہیں۔ تمہاری طرح چمگادڑی بھی بچے دیتی ہے اور پھر تمہاری طرح انہیں اپنا دودھ پلاتی ہے۔ یہ بات پرندوں میں کب ہوتی ہے۔ وہ تو انڈے دیتے ہیں اور ان میں سے بچے نکلتے ہیں۔''

چمگادڑوں کی یہ دلیل کارگر ثابت ہوئی۔ کچھ اس لیے بھی کہ اس وقت چرندے اور درندے اپنی فتح کی خوشی میں مست تھے اور ناچ گانے میں مصروف تھے لہٰذا انہوں نے چمگادڑوں کی بات سنی ان سنی کر دی اور ان سے کہنے لگے۔

''اچھا! تم بھی ہمارے ساتھ آ جاؤ اور جشن میں شریک ہو جاؤ۔''

چنانچہ چمگادڑ بھی ان کے ساتھ مل کر فتح کے جشن میں ناچنے گانے لگے۔

ادھر تو چرندے اور درندے اپنی کامیابی میں سرشار ناچ گا رہے تھے اور دوسری طرف تمام پرندے ایک جگہ جمع ہو کر یہ سوچ رہے تھے کہ:

''اپنی شکست کا بدلہ کیوں کر لیا جائے؟''

بوڑھے الو نے رائے دی۔

''اگر تم نے ایک بار شکست کھالی اور تمہارا بھرم جاتا رہا تو پھر کبھی عزت حاصل نہ کر سکو گے۔ ہمیشہ کے لیے غلام بن کر رہ جاؤ گے۔''

اس پر سب درندوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

''تم ٹھیک کہتے ہو۔ ہمیں ہر صورت میں اپنا بدلہ لینا چاہیے۔''

''ہم چرندوں درندوں کے غلام نہیں بن سکتے۔''

کچھ دیر تک اس پر سوچ بچار ہوتا رہا اور پھر چند پرندوں نے باز کی رائے طلب کرتے ہوئے کہا۔

''تم ہم میں سے ذہین بھی ہو اور طاقتور بھی۔ تم ہی کوئی تجویز بتاؤ کہ ہم کس طرح اپنی شکست کا بدلہ لے سکتے ہیں؟''

باز نے چند لمحوں تک سوچا' غور کیا اور پھر الو سے مشورہ کرنے کے بعد بولا۔

''اگر ہم چرندوں اور درندوں سے زمین پر لڑے تو ہمیں دوبارہ شکست کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ہم ان سے دھرتی پر کسی طرح بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس لیے میری رائے تو یہ ہے کہ ہم سب فضا میں رہ کر ان سے جنگ کریں۔ اس طرح ہماری فتح یقینی ہے۔''

اس پر الو نے باز کی تجویز کی حمایت کرتے ہوئے کہا۔

''باز کی رائے سولہ آنے درست ہے۔ ہم فضا میں رہ کر لڑیں اور چرندوں درندوں پر

جھپٹ جھپٹ کر حملہ کریں۔ اپنی تیز چونچوں اور نوکیلے پنجوں سے انہیں لہولہان کر دیں۔ اس طرح یقیناً ہم جیت سکتے ہیں کیونکہ فضا میں تمام چرندے اور درندے بے بس ہیں۔ وہ ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے۔''

تمام پرندوں کو یہ تجویز پسند آئی۔ انہوں نے بلند آواز سے کہا۔

''ہمیں یہ تجویز منظور ہے۔''

ہمیں اس رائے سے پورا پورا اتفاق ہے۔

عین اس وقت ایک بوڑھے کوے نے اپنی رائے دیتے ہوئے کہا۔

''میری مانو تو ابھی اور اسی وقت اپنا انتقام لو۔ کیونکہ اس وقت تمام چرندے اور درندے اپنی کامیابی کی خوشیوں کا جشن منا رہے ہیں اور انہیں اپنا ہوش تک نہیں۔ ہمارا یہ اچانک حملہ ان کے لیے تباہی کا باعث ہوگا۔''

''بالکل ٹھیک! بالکل ٹھیک!!''

''ابھی حملہ کر دو۔ یہ اچھا موقع ہے۔''

سب نے اتفاق کرتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ ہی وہ جمع ہو کر چرندوں اور درندوں پر حملہ کرنے اور اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لیے چل دیئے۔

جب پرندوں کے پرے کے پرے اڑتے ہوئے اس جگہ پہنچے جہاں اس وقت چرندے اور درندے اپنی فتح کی خوشیاں منا رہے تھے تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں کسی کو کسی کا ہوش نہ تھا۔ جس کو دیکھو وہ خوشی میں مست سب کچھ بھول بھال کر جشن منانے میں مگن تھا۔ کوئی ناچ رہا تھا' کوئی گا رہا تھا اور کوئی اپنے آپ میں کھویا ہوا تھا۔ پرندوں کے لیے یہ موقع بہت اچھا تھا۔ چنانچہ انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور سب مل کر ان پر ٹوٹ پڑے۔ کوئی شیر پر جھپٹا تو کوئی چیتے پر۔ کسی نے گیدڑ کو جا لیا تو کسی نے لومڑی کو۔ کوئی ہاتھی پر ٹوٹ پڑا تو کوئی بھیڑیے پر۔ کوئی چونچوں سے جسم چھلنی کرنے لگا تو کوئی پنجوں سے کھال نوچنے لگا۔ اس طرح جو کسی سے بن پڑا اس نے کیا

اور جس کا جس پر داؤ چلا' اس نے اسی پر حملہ کر دیا۔ اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے اپنی تیز چونچوں اور خطرناک پنجوں سے چرندوں اور درندوں کے جسم چھیل دیئے اور وہ لہولہان ہو کر چیخنے دھاڑنے لگے۔ پرندوں کے فضا میں ہونے کی وجہ سے چرندے اور درندے ان کے حملوں کا جواب نہیں دے سکتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پرندوں نے بڑھ کر اور جھپٹ جھپٹ کر حملے کیے۔ یہاں تک کہ تمام چرندے اور درندے زخمی ہو گئے۔ کچھ جان سے ہاتھ دھو بیٹھے، کچھ نڈھال ہو کر گر پڑے اور باقی مسلسل حملوں کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے اور یُوں اس دفعہ میدان پرندوں کے ہاتھ رہا۔ انہوں نے جب یہ دیکھا کہ تمام چرندے اور درندے میدان جنگ سے بھاگ گئے ہیں تو وہ سب فضا میں سے زمین پر اتر آئے اور اپنی شاندار فتح کی خوشی میں ناچنے گانے لگے۔

دُور بیٹھے ہوئے چمگادڑوں نے جب دیکھا کہ اس بار پرندوں کی جیت ہو گئی ہے تو وہ لپک کر ان کے پاس آئے اور کہا۔

''ہم چرندے نہیں! ہم تو پرندے ہیں۔''

مگر پرندوں نے جواب دیا۔

''نہیں! تم چرندے ہو۔ ہم میں کیسے مل سکتے ہو؟''

اس پر چمگادڑ خوشامدانہ لہجے میں کہنے لگے۔

''یہ ٹھیک ہے کہ چمگادڑ کی چرندوں کی طرح بچے دیتی ہے اور انہیں دودھ پلاتی ہے۔ لیکن اس کے سوا ہم میں چرندوں والی کوئی اور بات [illegible]

پھر انہوں نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے [illegible]

[illegible] اور ہماری تمام

[illegible]

[illegible]

تھے کہ انہوں نے چمگادڑوں پر کوئی زیادہ توجہ نہ دی اور کہا۔

''اچھا آ جاؤ۔تم بھی جشن میں شامل ہو جاؤ۔''

اور اس طرح چمگادڑ بھی پرندوں کے ساتھ مل کر ناچنے گانے لگے۔

پرندوں اور چرندوں درندوں کی یہ آخری لڑائی نہیں تھی۔اس کے بعد بھی ان میں آئے دن لڑائیاں ہوئیں۔کبھی وہ حملہ کرتے اور کبھی یہ چڑھ دوڑتے۔کبھی پرندے جیت جاتے اور کبھی چرندوں درندوں کا پلہ بھاری ہو جاتا لیکن اتنی لڑائیوں کے باوجود اس بات کا فیصلہ نہ ہو سکا کہ بادشاہ کون بنے؟

چرندوں اور درندوں کا اب بھی یہی اصرار تھا کہ

''شیر ہی بادشاہ بننے کا مستحق ہے۔''

''وہی سب سے زیادہ طاقتور ہے۔''

اور پرندے کہتے تھے۔

''باز کو بادشاہ بننا چاہیے۔''

''وہ ہر جگہ اور ہر ایک سے مقابلہ کر سکتا ہے۔''

اس طرح لڑائی کا یہ سلسلہ برسوں تک جاری رہا جس میں دونوں طرف کا بے حد جانی نقصان ہوا۔بہت سے پرندے مر گئے اور بے شمار چرندے اور درندے بھی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔خدا جانے لڑائی اور دشمنی کا یہ سلسلہ کب تک چلتا کہ آخر دونوں طرف کے بڑے بوڑھے درمیان میں پڑ گئے۔انہوں نے کہا۔

''اس طرح ہم دونوں تباہ ہو جائیں گے۔اور فیصلہ کچھ بھی نہ ہو سکے گا۔''

دونوں طرف کے یہ بڑے بوڑھے سیانے سر جوڑ کے بیٹھے اور فیصلے کی کوئی ایسی راہ تلاش کرنے لگے جس سے کشت وخون کا یہ سلسلہ بند ہو جائے۔کئی روز کے غور وفکر کے بعد آخر یہ طے پایا کہ:

''زمین پر شیر کی حکومت ہو اور فضا میں باز کا راج ہو۔''

یہ تجویز سب نے پسند کی۔ پرندے بھی اس بات پر راضی ہو گئے اور چرندے درندے بھی مان گئے۔ اس طرح برسوں پرانی دشمنی ان کی دوستی میں تبدیل ہو گئی اور پھر اس دوستی کی خوشی میں ایک شاندار جشن منایا جانے لگا۔ چرندوں اور درندوں نے شیر کے بادشاہ بننے کی مسرت میں ناچنا گانا شروع کر دیا اور پرندے باز کی بادشاہت کی خوشی میں اچھلنے کودنے لگے۔ پورے جنگل میں خوشیوں کا دور دورہ شروع ہو گیا۔

ادھر چمگادڑوں نے جب یہ دیکھا کہ ان سب کی آپس میں صلح ہو گئی ہے تو وہ بھی خوشی خوشی آگے بڑھے تاکہ جشن میں شریک ہوں لیکن جوں ہی وہ پرندوں کی طرف بڑھے، انہوں نے کہا۔

''ہم سے تمہارا کوئی تعلق نہیں۔ تم چرندے ہو، جاؤ چرندوں کے ساتھ مل کر ناچو۔''

انہوں نے بہتیرا سمجھایا کہ:

''ہم پرندے ہیں۔''

مگر پرندوں نے کہا۔

''تم پرندے نہیں چرندے ہو۔ جاؤ، جا کر ان میں شامل ہو۔''

چمگادڑوں کو جب پرندوں نے دھتکار دیا تو وہ چرندوں اور درندوں کی طرف گئے لیکن انہوں نے آگے سے کہا۔

''ہم سے تمہارا کوئی تعلق نہیں۔ تم پرندے ہو۔ پرندوں سے جا کر ملو۔''

چمگادڑوں نے بہتیری منت سماجت کی اور کہا کہ:

''ہم چرندے ہیں۔''

مگر چرندوں اور درندوں نے بھی انہیں دھتکار دیا کہ

''تم پرندے ہو۔ ان کے پاس جاؤ۔''

اس طرح وہ جس طرف بھی جاتے آگے سے دھتکار دیئے جاتے۔ جس کے پاس

جاتے وہی انہیں مارنے کو دوڑتا۔ جس طرف کا رخ کرتے پھٹکار پڑتی۔ کوئی بھی انہیں اپنے ساتھ جشن میں شامل کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ چنانچہ دونوں طرف کی مار پھٹکار سے ڈرتے ہوئے چمگادڑوں نے ایک راہ فرار اختیار کی اور ایک ویران اور سنسان جگہ پر جا کر چھپ گئے۔ وہ سارا دن اس ویران جگہ چھپے رہتے اور جب رات ہو جاتی تو باہر آ کر ادھر ادھر اڑ کر اپنے کھانے پینے کا سامان کرتے۔ لیکن جوں ہی صبح قریب آتی جان کے خوف سے پھر کہیں جا کر چھپ جاتے۔

اس بات کو صدیاں بیت گئی ہیں مگر چمگادڑ آج بھی پرندوں، چرندوں اور درندوں کے خوف سے دن بھر کہیں چھپے رہتے ہیں اور رات کو اندھیرے میں باہر نکل کر اپنے کھانے پینے کا بندوبست کرتے ہیں۔ پھر جوں ہی صبح کی روشنی پھیلنے لگتی ہے، وہ دوبارہ کہیں جا کر چھپ جاتے ہیں تا کہ پرندے، چرندے یا درندے انہیں دیکھ نہ لیں۔

.....o.....

# انسان اور جانور

اگلے زمانے کی بات ہے کسی شہر میں ایک برہمن رہتا تھا۔ ایک تو وہ غریب تھا' اوپر سے اس کے بچے بہت زیادہ تھے۔ اس لیے بڑی تنگدستی میں زندگی بسر کر رہا تھا۔ وہ ہر روز صبح سویرے ہی مزدوری کرنے چلا جاتا لیکن بڑی مشکل سے شام تک صرف اتنے پیسے کما پاتا جس سے محض دو وقت کا کھانا چل سکتا تھا۔ وہ بہت کوشش کرتا' زیادہ محنت مشقت کرنے کے لیے بھاگ دوڑ کرتا مگر اسے اس سے زیادہ کبھی نہ ملتا کہ اپنا اور بیوی بچوں کا پیٹ پالنے کے علاوہ کچھ بچ رہے۔ وہ مجبور تھا لیکن اس کی بیوی انتہا درجہ کی بدزبان اور غصیلی تھی۔ وہ اسے وقت بے وقت ڈانٹتی رہتی اور طعنے دیتی کہ وہ نکھٹو ہے۔ جب بھی وہ تھکا ہارا گھر میں قدم رکھتا وہ اس پر برس پڑتی اور کہتی۔ تم زیادہ محنت مزدوری نہیں کرتے اس لیے تمہیں زیادہ پیسے نہیں ملتے اور ہم مفلسی میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔

وہ اسے بہتیرا سمجھاتا کہ:

''میں اپنی طرف سے پوری پوری کوشش کرتا ہوں لیکن مجھے مزدوری ہی اتنی ملتی ہے۔ میں کیا کروں؟''

لیکن اس کی بیوی کو اس کی بات پر یقین نہ آتا تھا۔ دراصل اس کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ اگر یہ زیادہ محنت کرے تو یقیناً زیادہ پیسے ملیں۔ اسے یہ بھی شک ہونے لگا تھا کہ برہمن زیادہ پیسے کما کر کہیں عیش و عشرت میں اڑا دیتا ہے اور مجھ سے بہانہ کر دیتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اسے ہر وقت ڈانٹ ڈپٹ کرتی رہتی تھی۔ ایک تو اس کی طبیعت ہی ایسی تھی' دوسرے اسے اپنے شوہر پر شک ہو گیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے برہمن کی زندگی اجیرن کر دی۔ بات صرف

ڈانٹ ڈپٹ تک ہی محدود نہ تھی بلکہ کبھی کبھی وہ اس کی مرمت بھی کر دیتی تھی۔

برہمن روز روز کی ڈانٹ ڈپٹ اور مار پیٹ سے تنگ آ چکا تھا۔ آخر ایک روز اس نے اپنے دل میں اس بات کا تہیہ کر لیا کہ وہ دریا میں چھلانگ لگا کر خودکشی کر لے گا۔ اس طرح اس روز روز کے عذاب سے چھوٹ جائے گا۔ چنانچہ ایک دن جب وہ بالکل عاجز آ گیا تو خودکشی کے ارادے سے گھر سے نکلا اور شہر سے باہر دریا کی طرف چل دیا۔

برہمن نے دریا پر پہنچ کر چند لمحوں کے لیے سوچا اور پھر دل میں فیصلہ کر کے دریا میں چھلانگ لگا دی لیکن ابھی اس نے پانی میں چھلانگ لگائی تھی کہ موت کے خوف سے اس نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ دراصل اس کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ لہٰذا وہ دریا سے باہر نکل آیا اور کنارے پر بیٹھ کر سوچ میں گم ہو گیا۔

اتفاق کی بات ہے کہ وہاں قریب ہی ہنسوں کا ایک جوڑا رہتا تھا اور اس وقت ہنس اور مادہ ہنس دونوں بیٹھے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ وہ سمجھ گئے کہ برہمن خودکشی کی نیت سے یہاں آیا ہے۔ ہنس بولا:

''مجھے تعجب ہے کہ یہ انسان ہو کر اس طرح اپنے آپ کو ہلاک کر رہا ہے۔''

ہو سکتا ہے اس پر کوئی بھاری مصیبت آ پڑی ہو۔ مادہ ہنس نے سوچتے ہوئے کہا۔ اس پر ہنس نے جواب دیا۔

''میرا خیال ہے' میں وہاں جا کر اس سے پوچھوں۔ آخر یہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟''

مادہ ہنس اسے روکتے ہوئے بولی۔

''چھوڑو! تمہیں کیا پڑی ہے؟''

پھر وہ اسے سمجھاتے ہوئے کہنے لگی۔

''کون جانے انسانوں کے دل میں کیا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو تمہیں ہی نقصان پہنچائے؟''

مگر ہنس نے اس کی بات نہ مانی۔ کہنے لگا۔

''وہ مجھے کیا نقصان پہنچائے گا۔ بے چارہ کوئی مصیبت کا مارا معلوم ہوتا ہے۔''

اتنا کہہ کر ہنس اڑ کے برہمن کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے دیکھا واقعی برہمن بہت اداس بیٹھا ہوا تھا اور بڑا غمگین معلوم ہوتا تھا۔ اس نے قریب جا کر اس سے پوچھا۔

''اے برہمن! آخر تم پر ایسی کیا مصیبت آ پڑی ہے جو تم اس طرح مفت میں اپنی جان ضائع کر رہے ہو؟''

جواب میں برہمن نے اپنی ساری بپتا سنائی کہ کس طرح محنت مزدوری کرنے کے باوجود اسے بہت کم اجرت ملتی ہے اور بچے زیادہ ہونے کی وجہ سے گھر کا خرچ مشکل سے چلتا ہے۔ اس پر اس کی بیوی اسے روزانہ ڈانٹتی ڈپٹتی رہتی ہے جس سے وہ تنگ آ چکا ہے۔ یہ سب کچھ بتانے کے بعد اس نے روتے ہوئے کہا۔

''اس سے تو بہتر ہے میں اپنے آپ کو ختم ہی کر لوں۔ کم از کم روز روز کی مصیبت سے تو چھوٹ جاؤں گا۔''

ہنس نے اس کی ساری بات غور سے سنی اور پھر اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔

''لیکن اس سے تمہارے گھر کی مصیبت تو ختم نہیں ہو سکتی بلکہ تمہارے مرنے کے بعد تمہارے بیوی بچے اور بھی تنگدستی کا شکار ہو جائیں گے۔''

''مگر میں اور کر بھی کیا سکتا ہوں؟''

برہمن نے آنسو بہاتے ہوئے کہا۔

ہنس کو اس پر رحم آ گیا۔ اس نے برہمن سے کہا۔

''اچھا! تم اپنی دونوں آنکھیں بند کر لو اور جب تک تمہیں میں نہ کہوں آنکھیں نہ کھولنا۔''

برہمن نے اس کے کہنے پر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ ہنس بھاگا بھاگا اپنے گھونسلے میں

گیا اور پلک جھپکتے میں ایک بیش قیمت ہیرا لے آیا۔ واپس آ کر اس نے برہمن سے کہا۔

''اب اپنی آنکھیں کھول لو۔''

برہمن نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا۔ ہنس ایک بیش قیمت ہیرا لیے ہوئے تھے۔ اس نے وہ ہیرا برہمن کو دے کر کہا۔

''میرے دوست! یہ قیمتی ہیرا لو اور بادشاہ کے پاس جا کر فروخت کر دو۔ وہ اس کے بدلے میں تمہیں اتنی دولت دے گا کہ تمہاری مشکلات دور ہو جائیں گی۔''

ہیرا لے کر برہمن نے ہنس کا شکریہ ادا کیا اور خوشی خوشی بادشاہ کے پاس پہنچ گیا۔ بادشاہ کے دربار میں پہنچ کر اس نے عرض کیا۔

''حضور! میرے پاس ایک قیمتی ہیرا ہے جو مجھے ایک ہنس نے دیا ہے۔ میں اسے فروخت کرنا چاہتا ہوں۔''

بادشاہ نے دریافت کیا۔

''اے برہمن! وہ ہیرا ہمیں دکھاؤ۔ شاید ہم اسے خرید لیں۔''

برہمن نے ہیرا بادشاہ کو پیش کر دیا اور جب بادشاہ کی نظریں ہیرے پر پڑیں تو اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ یہ بات اس کیسان گمان میں بھی نہ تھی کہ اس غریب برہمن کے پاس اس قدر بیش قیمت ہیرا ہو سکتا ہے۔

اس نے کہا۔

''تمہارا ہیرا بہت قیمتی ہے۔ ہم اس کی پوری پوری قیمت ادا نہیں کر سکتے۔''

اتنا کہنے کے بعد بادشاہ بولا۔

''اگر تم اس کے بدلے میں روپوں سے بھری ہوئی سات بوریاں قبول کر لو تو ہم اسے خرید لیں گے۔''

برہمن کو بھلا اور کیا چاہیے تھا۔ اس کے لیے تو روپوں سے بھری ہوئی سات بوریاں ہی

بہت تھیں اور یہ بھی اس کے اندازے سے زیادہ تھیں۔ اس نے جلدی سے کہا۔

''حضور! مجھے منظور ہے۔''

چنانچہ بادشاہ نے اس سے وہ ہیرا لے لیا اور اس کے بدلے میں روپوں سے بھری ہوئی سات بوریاں اس کے حوالے کر دیں۔ اور برہمن جو خودکشی کے ارادے سے گھر سے نکلا تھا اب ایک امیر آدمی بن کے گھر واپس جا رہا تھا۔ اس کی خوشی کا ٹھکانہ نہ تھا۔ وہ زندگی میں کبھی یہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ ایک روز اسے اس قدر دولت مل جائے گی۔ اس نے روپوں سے بھری ہوئی بوریاں لدوائیں اور ہانپتا کانپتا گھر کی طرف چل دیا۔ گھر پہنچتے ہی اس کی کایا پلٹ گئی اور وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ خوشحالی کی زندگی بسر کرنے لگا۔

کرنا خدا کا ایسا ہوا کہ اس واقعہ کو ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ جس بادشاہ نے برہمن سے بیش قیمت ہیرا خریدا تھا وہ کوڑھ کے مرض میں مبتلا ہو گیا۔ بڑے بڑے نامی گرامی حکیموں اور ویدوں کو طلب کیا گیا۔ ہر طرح کے علاج ہوئے۔ بڑے بڑے جتن کیے گئے مگر اس کے مرض میں کمی ہونے کی بجائے روز بروز اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ بادشاہ اور اس کے امراء بہت پریشان تھے کہ کیا کیا جائے؟ آخر ایک روز ایک بہت سیانا حکیم آیا اور اس نے بادشاہ سے کہا۔

''میں آپ کا علاج کر سکتا ہوں۔''

بادشاہ کو اور کیا چاہیے تھا؟ وہ جلدی سے بولا۔

''اے نیک حکیم! اگر تم نے ہمارا مرض ٹھیک کر دیا تو ہم تمہیں منہ مانگا انعام دیں گے۔''

جواب میں حکیم نے کہا۔

''مگر ایک چیز حضور کو منگوانا ہوگی۔ پھر میں آپ کا علاج کر سکوں گا۔''

''ہمیں بتاؤ! ہم تمہیں ہر چیز منگوا کے دیں گے۔''

بادشاہ نے اس سے دریافت کیا۔ اس پر حکیم کہنے لگا۔

''اگر حضور کو جنگلی ہنس کا گوشت کھلایا جائے اور اس کی چربی زخموں پر لگائی جائے تو

آپ کا مرض بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔''

جنگلی ہنس کا ملنا مشکل تھا لیکن عین اس وقت بادشاہ کو یاد آیا کہ وہ برہمن ہنس ہی سے ہیرا لایا تھا۔ وہ یقیناً ہمارے لیے ہنس پکڑ کر لا سکتا ہے۔ لہٰذا اسی وقت ملازموں کو بھیج کر برہمن کو دربار میں طلب کیا گیا۔ حکم کی دیر تھی' خادم اسی وقت گئے اور برہمن کو لا کر دربار میں پیش کر دیا۔ بادشاہ نے اس سے کہا۔

''اے برہمن! فوری طور پر جاؤ اور جلد سے جلد ہمیں ایک جنگلی ہنس لا کر دو!''

اس کے ساتھ ہی اسے لالچ دیتے ہوئے کہا۔

''اگر تم جنگلی ہنس لے آئے تو ہم تمہیں دولت سے مالا مال کر دیں گے۔''

برہمن تو پہلے ہی دولت کے لالچ میں آ چکا تھا۔ اس نے اپنے دل میں سوچا' اسی ہنس کے پاس جاتا ہوں اور کسی نہ کسی طرح اس کو پکڑ کے لے آتا ہوں۔ اس طرح میں زندگی بھر کے لیے دولت سے کھیلوں گا۔ اس وقت سونے کی چمک دمک نے اس کی آنکھوں پر خودغرضی کی پٹی باندھ دی تھی۔ وہ یہ بھی بھول گیا کہ اسی ہنس نے اس کی اور اس کے خاندان کی زندگی بچائی تھی۔ اس طرح وہ ہنس کے تمام مہربانیاں اور احسانات فراموش کر کے سیدھا دریا کی طرف چل دیا۔

دریا پر پہنچ کر وہ اسی جگہ جا کھڑا ہوا جہاں کچھ عرصہ پہلے خودکشی کے ارادے سے آیا تھا۔ اس بار بھی وہ دریا میں چھلانگ لگانے کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ اسے ہنسوں کے جوڑے نے دیکھ لیا۔ وہ بڑے حیران ہوئے کہ اب اس برہمن پر کیا مصیبت آ پڑی ہے جو یہ دوبارہ خودکشی کرنے کے لیے آ گیا ہے۔ انہوں نے سوچا' ہو سکتا ہے اس کا ہیرا کسی نے چرا لیا ہو یا اس سے کہیں کھو گیا ہو اور اس کی تنگدستی دور نہ ہوئی ہو۔ ادھر برہمن دریا کے کنارے پر کھڑا اپنے آپ کو اسی طرح ظاہر کر رہا تھا جیسے وہ ابھی پانی میں کود پڑے گا۔ یہ دیکھ کر ہنس مادہ ہنس سے کہنے لگا۔

''ٹھہرو! میں اس سے دریافت کرتا ہوں۔ اب یہ کس مصیبت میں گرفتار ہے۔''

مگر مادہ ہنس نے اسے روکتے ہوئے کہا۔

''تمہیں کیا پڑی ہے۔ان انسانوں کا کوئی بھروسہ نہیں۔نہ جانے ان کے دل میں کب بدی آ جائے اور یہ ہمیں نقصان پہنچا دیں۔''

ہنس نے بات نہ مانی۔وہ کہنے لگا۔

''نہیں! ہوسکتا ہے اس پر پھر کوئی اور مصیبت آ پڑی ہو۔''

وہ اتنا کہہ کر اپنے گھونسلے سے اڑا اور اڑ کر برہمن کے قریب پہنچ گیا۔پھر اس سے پوچھنے لگا۔

''اے برہمن! اب تم خودکشی کیوں کر رہے ہو؟ کیا تم پر پھر کوئی مصیبت آ پڑی ہے؟''

جواب میں برہمن نے مکاری سے کام لیتے ہوئے بڑی آہستگی سے کہا۔

''نہیں دوست! اب مجھ پر کوئی مصیبت نہیں آئی۔میں تو صرف تمہیں دیکھنے کے لیے چلا آیا ہوں۔میں نے سوچا اپنے محسن کو ایک بار دیکھ تو آؤں۔''

ہنس برہمن کی باتوں میں آ گیا۔اس نے سوچا واقعی اس کے دل میں دوستی کی قدر ہے۔ یہ ابھی تک میرا احسان نہیں بھولا۔اس نے بڑے ہمدردانہ لہجہ میں برہمن کا شکریہ ادا کیا اور بولا۔

مجھے دیکھنے کے لیے آئے ہو تو خوشی سے آؤ۔یہ تمہاری اپنی جگہ ہے۔لو، میں بھی تمہارے پاس آ گیا ہوں۔

برہمن نے اپنا جادو چلتا دیکھا تو جھوٹی محبت کا اظہار کرنے لگا۔

''میرے دوست! اتنی دور نہیں۔میرے بالکل قریب آ جاؤ تاکہ میں اپنے محسن کو اچھی طرح دیکھ سکوں۔''

معصوم اور مخلص ہنس برہمن کی نیت سے بے خبر تھا۔وہ بے دھڑک اس کے پاس آ گیا۔اب وہ اس کے اس قدر قریب آ چکا تھا کہ برہمن کو ذرا بھی دقت نہ ہوئی اور اس نے جھٹ سے اسے پکڑ کر ایک تھیلے میں بند کر لیا۔اس کے بعد تھیلے کو مضبوطی سے پکڑا اور دل میں یہ سوچتا ہوا شہر کی طرف چل دیا کہ اب تو میں دولت سے مالا مال ہو جاؤں گا۔

برہمن خوشی خوشی شہر کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے تھیلے میں ہنس کو اس طرح بند کر رکھا تھا کہ اس کا سر باہر تھا۔ ہنس بے چارہ اداس اس کے قبضے میں تھا اور اس وقت کو پچھتا رہا تھا جب اس نے برہمن پر بھروسہ کر لیا تھا۔ اسے رہ رہ کر مادہ ہنس یاد آ رہی تھی جس نے اسے برہمن کے قریب جانے سے منع کیا تھا اور کہا تھا کہ انسانوں کا کوئی بھروسہ نہیں۔ نہ جانے ان کے دل میں کب بدی آ جائے، لیکن اس نے اس کی بات نہ مانی۔ اگر وہ اس کی بات مان لیتا تو اس طرح گرفتار نہ ہوتا۔ ہنس یہی کچھ سوچ سوچ کر آنسو بہا رہا تھا۔ اس کا سر چونکہ تھیلے سے باہر تھا اس لیے اس کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو نیچے زمین پر گرتے جا رہے تھے۔ قدرت خدا کی کہ ہر آنسو جوں ہی زمین پر گرتا وہ ایک بیش قیمت ہیرا بن جاتا۔ اس طرح جس راستے سے برہمن آ رہا تھا اس پر جگہ جگہ قیمتی ہیرے گرتے آ رہے تھے جن سے برہمن بالکل بے خبر تھا۔

اتفاق دیکھیے کہ اسی راستے پر بادشاہ کا بیٹا بھی کہیں سے شکار کھیل کر آ رہا تھا۔ اس نے جب یہ دیکھا کہ راستے میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر انتہائی قیمتی ہیرے بکھرے ہوئے ہیں تو بہت حیران ہوا۔ ادھر ادھر نظریں دوڑائیں مگر کوئی شخص دکھائی نہ دیا۔ چنانچہ شہزادہ تمام ہیرے اٹھاتا ہوا برہمن کے پیچھے پیچھے چلا آ رہا تھا۔ وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ یہ کون آدمی ہے جو ایسے بیش قیمت ہیرے اس طرح راستے میں پھینکتا جا رہا ہے۔ اسی سوچ بچار میں چلا آ رہا تھا۔ آخر وہ اس جگہ پہنچ گیا جہاں برہمن ایک درخت کے نیچے آرام کر رہا تھا اور وہاں تک آ کر ہیرے گرنا بند ہو گئے تھے۔ شہزادے نے اندازہ کر لیا کہ ہو نہ ہو یہ قیمتی ہیرے اسی برہمن کے گرتے آ رہے ہیں۔ پھر وہ سوچنے لگا، مگر اس کے پاس اس قدر قیمتی ہیرے اتنی تعداد میں کہاں سے آ گئے؟ اس نے دیکھا تو برہمن کے پاس ایک تھیلا تھا۔ اس نے خیال کیا، یقیناً اسی تھیلے سے ہیرے گرتے آ رہے ہوں گے اور اس میں اور ہیرے بھی ہوں گے۔ یہی جان کر اس نے برہمن سے پوچھا۔

''تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو؟''

برہمن نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔

''حضور! میں ایک برہمن اور بادشاہ کے پاس جا رہا ہوں۔''

تمہارے اس تھیلے میں کیا ہے؟

شہزادے نے ذرا سخت لہجے میں دریافت کیا اور برہمن یہی سن کر پریشان سا ہو گیا۔

''نہیں حضور! تھیلے میں کچھ بھی نہیں!''

برہمن کی گھبراہٹ دیکھ کر شہزادے نے اور بھی سخت لہجے میں پوچھا۔

''تمہارے تھیلے میں سے ہیرے کیسے گرتے آ رہے تھے؟''

ہیروں کا سن کر تو برہمن اور زیادہ ہڑبڑا گیا۔ اس نے جلدی سے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

''حضور! میرے پاس تو کوئی ہیرا نہیں۔ یہ کسی اور نے گرائے ہوں گے۔''

لیکن شہزادے کو اس کی بات پر یقین نہ آیا۔ اس نے کہا۔

''تم جھوٹ بول رہے ہو!''

اس کے بعد اس نے آگے بڑھ کر اس کا تھیلا کھولا تو اس میں ایک جنگلی ہنس بند تھا۔ ہنس نے روتے ہوئے شہزادے کو بتایا۔

حضور! میں نے اس برہمن پر احسان کیا اور اسے مفلسی سے بچایا لیکن اس نے اس کا بدلہ یہ دیا کہ مجھے دھوکے سے گرفتار کر کے لے آیا ہے۔

ہنس کی فریاد سن کر شہزادہ برہمن پر بہت ناراض ہوا اور بولا۔

''ایک جانور نے تمہارے ساتھ نیکی اور تم انسان ہوتے ہوئے بھی احسان فراموش ثابت ہوئے۔''

اس کے بعد اس نے تھیلے میں سے ہنس کو باہر نکالا اور آزاد کر دیا۔ ہنس نے شہزادے کا شکریہ ادا کیا اور وہاں سے اڑ گیا۔

برہمن بھاگم بھاگ سیدھا بادشاہ کے پاس آیا اور اس سے فریاد کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''حضور! میں تو جنگلی ہنس پکڑ کر لا رہا تھا مگر راستے میں آپ کے بیٹے نے مجھ سے انت

کرا سے آزاد کر دیا ہے۔ اب اس میں میرا کیا قصور؟''

بادشاہ نے یہ بات سنی تو غصّے میں تلملا کر رہ گیا۔ اس کے بیٹے نے اس کے علاج کا آخری سہارا بھی ضائع کر دیا تھا۔ اس نے اسی وقت حکم دیا کہ:

''شہزادے کو اسی وقت جلا وطن کر دیا جائے۔''

حکم کا ملنا تھا کہ شہزادے کو جلا وطن کر دیا گیا اور شہزادہ شہر سے نکل کر دربار کے کنارے اسی جگہ آ گیا جہاں ہنسوں کا جوڑا رہتا تھا۔ ہنس نے اسے دیکھا تو بہت پریشان ہوا۔ سوچنے لگا' جس شہزادے نے میری جان بچائی تھی' اس پر کیا مصیبت آ پڑی ہے؟ وہ اس قدر غمزدہ یہاں کیوں آیا ہے؟ وہ جلدی سے اڑ کر اس کے پاس آیا اور اس سے پوچھا۔

''اے شہزادے! تم اس قدر اداس کیوں ہو؟ تم پر کونسی مصیبت آ پڑی ہے؟''

جواب میں شہزادے نے اسے بتایا کہ:

''میں نے تمہیں برہمن سے آزاد کرایا تھا اس بات سے ناراض ہو کر میرے باپ نے مجھے جلا وطن کر دیا ہے۔''

ہنس اسے تسلی دیتے ہوئے بولا:

''تم فکر نہ کرو۔ تم نے مجھ پر احسان کیا ہے۔ ہم تمہیں کوئی تکلیف نہ ہونے دیں گے۔''

ہنس اتنا کہہ کر مادہ ہنس کے پاس گیا اور اسے ساری بات بتائی۔ اس کے بعد وہ دونوں جلدی جلدی گئے اور شہزادے کے کھانے کے لیے طرح طرح کے پھل لے کر آئے۔ شہزادے نے پھل کھائے، دریا سے پانی پیا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ پھر وہیں پڑ کے سو رہا۔

اب ہنس کے جوڑے کا یہ روز کا معمول بن گیا تھا کہ وہ دونوں شہزادے کے لیے ادھر ادھر سے پھل لاتے اور اسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دیتے۔ فرصت میں دونوں اس کے پاس بیٹھ کر باتوں سے اس کا دل بہلاتے اور اس طرح شہزادہ وہیں رہنے لگا۔

وقت گزرتا گیا۔ آخر ایک روز ہنسوں کے جوڑے نے آپس میں مشورہ کیا کہ:

''شہزادہ ہمارا محسن ہے۔ ہمیں اس کے لیے کوئی ایسی شہزادی لانی چاہیے جو اسی کی طرح حسین ہو اور تنہائی میں اس کا ساتھ دے۔''

وہاں سے دریا پار ایک دوسرے ملک کی سرحد تھی جہاں ایک بادشاہ کا محل تھا اور اس بادشاہ کی ایک حسین و جمیل نوجوان بیٹی تھی۔ انہوں نے سوچا شہزادے سے اس کا جوڑا مناسب رہے گا۔ چنانچہ ایک رات جب شہزادہ گہری نیند سویا ہوا تھا ہنسوں کا جوڑا اڑ کر بادشاہ کے محل میں جا پہنچا۔ جب وہ شہزادی کے محل میں گئے تو انہوں نے دیکھا شہزادی اپنی مسہری پر بے خبر سوئی ہوئی تھی۔ دونوں نے چند لمحوں تک سوچا اور پھر مسہری کے نیچے دونوں جانب ہو کر اپنے پر اس طرح پھیلا دیئے کہ وہ نیچے سے آپس میں مل گئے اور پوری مسہری پروں پر آ گئی۔ اس کے بعد دونوں نے اڑان لگائی اور سوئی ہوئی شہزادی کو مسہری سمیت دریا کے کنارے اس جگہ لے آئے جہاں ابھی تک شہزادہ نیند میں بے خبر سویا ہوا تھا۔ وہاں آ کر انہوں نے بڑی آہستگی سے اس طرح مسہری زمین پر رکھ دی کہ سوئی ہوئی شہزادی کو احساس تک نہ ہو سکا۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد وہ دونوں اپنے گھونسلے میں آ کر بیٹھ گئے۔

جب صبح ہوئی تو شہزادی حسب معمول بیدار ہوئی مگر اپنے آپ کو محل کی بجائے دریا کے کنارے پا کر بہت پریشان ہوئی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھیں ملیں کہ شاید میں کوئی خواب دیکھ رہی ہوں۔ لیکن جب اسے اس بات کا یقین ہو گیا کہ نہیں' میں واقعی ایک ویران جگہ پر ہوں تو وہ گھبرا سی گئی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا جادو ہے؟ میں یہاں کیسے گئی؟ یہ کون سی جگہ ہے؟ وہ یہی سوچ رہی تھی کہ شہزادہ اس کے سامنے آ گیا۔ شہزادی ایک نوجوان کو اپنے پاس دیکھ کر اور بھی متعجب تھی مگر شہزادے نے اسے بتایا کہ میں بھی تمہاری طرح ایک بادشاہ کا بیٹا ہوں۔ اس طرح ہنس کی جان بچانے کی پاداشت میں مجھے میرے باپ نے جلاوطن کر دیا تھا اور یہی ہنس تمہیں اٹھا کر یہاں لائے ہیں۔ ہنسوں نے شہزادے کو پہلے ہی سے بیدار کر کے سب کچھ بتا دیا تھا۔ شہزادی' شہزادے کی جوانی دیکھ کر موم ہو چکی تھی اور شہزادہ بھی اس کی خوبصورتی پر جان دے

بیٹھا تھا۔ لہٰذا وہ بہت جلد ایک دوسرے سے گھل مل گئے اور پھر چند ہی دن بعد دونوں کی شادی ہو گئی۔ ہنسوں کے جوڑے نے انہیں نہایت قیمتی موتی اور بیش بہا تحائف دیئے اور پھر دونوں کو شہزادی کے محل میں چھوڑ آئے جہاں شہزادی کے بوڑھے باپ نے اپنا سارا راج پاٹ شہزادے کے سپرد کر دیا اور وہ ہنسی خوشی زندگی گزارنے لگے۔

برہمن نے ایک انسان ہوتے ہوئے ہنس کا احسان فراموش کر دیا تھا لیکن ہنس نے ایک جانور ہو کر بھی اپنے محسن کا بدلہ چکا دیا۔

.....o.....

# بہن کا پیار

کسی گاؤں کی چند نوجوان لڑکیوں نے آپس میں طے کیا کہ

''آج گاؤں سے باہر جھولا جھولنے چلیں۔''

پھر وہ ایک دوسرے سے کہنے لگیں۔

''لیکن شرط یہ ہے کہ ہر لڑکی سرخ سالو اوڑھ کر آئے۔''

(سالو ایک پھول دار کپڑا ہے جو پنجاب کے دیہات میں عورتیں دوپٹے کی جگہ اوڑھتی ہیں)

سب نے کہا۔

''ٹھیک ہے ہمیں منظور ہے۔''

اتفاق کی بات ہے کہ ان میں سے ایک لڑکی کے پاس سرخ سالو نہیں تھا۔ وہ بھاگی بھاگی اپنی ماں کے پاس گئی اور اس سے کہنے لگی۔

''ماں! میری ساری سہیلیاں گاؤں سے باہر جھولا جھولنے جا رہی ہیں۔''

ماں بولی۔

''بیٹی! تم بھی چلی جاؤ۔''

لیکن لڑکی نے کہا۔

''وہ سب کی سب سرخ سالو اوڑھ کر جا رہی ہیں۔ مجھے بھی سرخ سالو چاہیے۔''

ماں نے پیار سے کہا۔

''بیٹی! میرے پاس تو سرخ سالو نہیں ہے۔ جاؤ اپنی بھابیوں میں سے کسی سے مانگ لو۔''

اس لڑکی کے سات بھائی تھے اور ساتوں شادی شدہ تھے اس لیے سات ہی بھابیاں

تھیں۔ وہ پہلے اپنی سب سے بڑی بھابھی کے پاس گئی اور اس سے کہا۔

''بھابی! میری تمام سہیلیاں سرخ سالوا وڑھ کر جھولا جھولنے جا رہی ہیں۔ مجھے تھوڑی دیر کے لیے اپنا سرخ سالو دے دو۔''

اس کی بھابی قدرے ترشی سے بولی۔

''میں برتن دھو رہی ہوں۔ میرا ہاتھ خالی نہیں ہے۔''

لڑکی اپنی دوسری بھابی کے پاس گئی اور کہا۔

''بھابی! میری تمام سہیلیاں سرخ سالوا وڑھ کر جھولا جھولنے جا رہی ہیں۔ مجھے تھوڑی دیر کے لیے اپنا سرخ سالو دے دو۔''

بھابی نے جھڑک کر جواب دیا۔

''میں آٹا گوندھ رہی ہوں۔ مجھے فرصت نہیں۔''

لڑکی اب تیسری بھابی کے پاس پہنچی اور کہنے لگی۔

''بھابی! میری تمام سہیلیاں سرخ سالوا وڑھ کر جھولا جھولنے جا رہی ہیں۔ مجھے تھوڑی دیر کے لیے اپنا سرخ سالو دے دو۔''

اس نے بھی چمک کر کہا۔

''میں پانی بھرنے جا رہی ہوں۔ ذرا ٹھہر کے آنا۔''

یہ دیکھ کر لڑکی اپنی چوتھی بھابی کے پاس گئی اور کہا۔

''بھابی! میری تمام سہیلیاں سرخ سالوا وڑھ کر جھولا جھولنے جا رہی ہیں۔ مجھے تھوڑی دیر کے لیے اپنا سرخ سالو دے دو۔''

اس نے بھی برا سا منہ بنا کر کہا۔

''میں سر میں کنگھی کر رہی ہوں۔ میرے ہاتھ تیل میں سنے ہوئے ہیں۔''

لڑکی وہاں سے مایوس ہو کر اپنی پانچویں بھابی کے پاس گئی اور اس سے کہنے لگی۔

''بھابی! میری تمام سہیلیاں سرخ سالو اوڑھ کر جھولا جھولنے جا رہی ہیں۔ مجھے تھوڑی دیر کے لیے اپنا سرخ سالو دے دو۔''

اس نے بھی ماتھے پر تیوریاں چڑھا کر کہا۔

''میں کپڑے دھو رہی ہوں۔ مجھے فرصت نہیں۔''

اب لڑکی اپنی چھٹی بھابی کے پاس گئی اور اسے بھی یہی کہا۔

''بھابی! میری تمام سہیلیاں سرخ سالو اوڑھ کر جھولا جھولنے جا رہی ہیں۔ مجھے تھوڑی دیر کے لیے اپنا سرخ سالو دے دو۔''

اس بھابھی نے اسے روکھا سا جواب دیا۔ کہنے لگی۔

''میں بچے کو سلا رہی ہوں۔ ٹھہر کے آنا۔''

جب وہ چھ بھابیوں کے جواب سے مایوس ہو گئی تو آخر میں اپنی سب سے چھوٹی اور ساتویں بھابی کے پاس گئی۔

اس سے بھی یہی کہا۔

''بھابی! میری تمام سہیلیاں سرخ سالو اوڑھ کر جھولا جھولنے جا رہی ہیں۔ مجھے تھوڑی دیر کے لیے اپنا سرخ سالو دے دو۔''

چھوٹی بھابی نے خلاف توقع جواب دیا۔ کہنے لگی۔

''وہ سامنے سالو ٹنگا ہوا ہے۔ جا کر لے لو۔''

اور جب لڑکی خوشی خوشی سرخ سالو لینے لگی تو چھوٹی بھابی بولی۔

''لیکن ایک بات یاد رکھنا۔ اگر میرے سالو پر ذرا سا بھی داغ پڑ گیا تو میں یہی سالو تمہارے خون میں نچوڑ دوں گی۔''

لڑکی نے جواب دیا۔

''اگر داغ پڑ گیا تو ایسا ہی کرنا۔''

اس کے بعد لڑکی خوشی خوشی سرخ سالو لے کر سہیلیوں کے ساتھ گاؤں سے باہر درختوں پر جھولا جھولنے چلی گئی۔ اس نے جھولا جھولنے کے دوران سالو کی بڑی حفاظت کی اور اسے میلا ہونے یا داغ لگنے سے بچائے رکھا لیکن چلتے وقت کسی پرندے نے اس پر بیٹ کر دی اور سالو پر داغ پڑ گیا۔ اس نے بہتیرا اسے صاف کرنے کی کوشش کی لیکن داغ پوری طرح صاف نہ ہو سکا۔ اب وہ ڈری کہ بھابی نے دیکھ لیا تو کیا ہوگا؟ اسی خوف سے جب وہ سہیلیوں کے ساتھ واپس گھر آئی تو اس نے سالو کو اس طرح لپیٹ لیا کہ اس کا داغ والا حصہ چھپ گیا اور پھر لپٹا لپٹایا سالو وہ اپنی چھوٹی بھابی کے گھر لے گئی۔ وہ ابھی سالو رکھنے ہی لگی تھی کہ بھابی نے پوچھا۔

''سالو پر کوئی داغ دھبہ تو نہیں لگایا؟''

اس نے قدرے سہمے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

''نہیں بھابی! بالکل ہی نہیں۔''

لیکن اس کے دل میں چور تھا اس لیے جواب دیتے وقت کچھ گھبرا سی گئی تھی جسے اس کی بھابی بھانپ گئی تھی۔ اسے شک ہو گیا تھا۔ اس نے سوچا۔

''اگر سالو بالکل ٹھیک ہوتا تو یہ اس طرح گھبراتی کیوں؟''

چنانچہ اس نے کہا۔

''لاؤ میں خود دیکھتی ہوں۔ ٹھیک ہے یا نہیں؟''

اس نے آگے بڑھ کر جب لپٹا لپٹایا سالو کھول کر دیکھا تو اس پر جگہ پرندوں کی بیٹوں کے ہلکے ہلکے نشان تھے۔ یہ دیکھتے ہی وہ غصہ میں چلائی۔

''تم نے میرا سالو خراب کر دیا ہے۔''

پھر وہ پاؤں پٹخ کر بولی۔

''اگر میں نے اسے تمہارے خون میں نہ ڈبویا تو میرا بھی نام نہیں۔''

لڑکی تو بیچاری سہمی ہوئی اپنے گھر چلی گئی اور اس کی چھوٹی بھابی ایک ٹوٹی ہوئی چارپائی

لے کر پڑ گئی۔ شام جب اس کا شوہر گھر آیا تو اس نے دیکھا' بیوی اٹواٹی کھٹواٹی لیے پڑی ہے۔ اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

''تمہیں کیا ہوا ہے؟ طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

جواب میں وہ بولی۔

''میں مر گئی میں لٹ گئی۔''

شوہر نے اور بھی پریشان ہو کر دریافت کیا۔

''کوئی بات بھی تو بتاؤ کہ آخر تم کیا چاہتی ہو؟''

جواب میں وہ منہ بسورتے ہوئے کہنے لگی۔

''جب تک تم میری ایک بات پوری نہیں کرو گے میں نہیں اٹھوں گی۔ میں مر جاؤں گی۔''

شوہر پوچھنے لگا۔

''مجھے وہ بات تو بتاؤ جس سے تمہاری جان بچ سکتی ہے؟''

وہ اسی طرح منہ بسورتے ہوئے بولی۔

''جب تک تم اپنی بہن کا خون نہیں لاؤ گے اور میں اس میں اپنا سالو نہیں بھگولوں گی اس وقت تک میری جان نہیں بچ سکتی۔''

شوہر بھی کوئی سنگدل انسان تھا۔ وہ جلدی سے بولا۔

''یہ کیا مشکل ہے؟ میں تمہاری جان ضرور بچاؤں گا۔''

پھر وہ اسے سمجھاتے ہوئے کہنے لگا۔

''میں کل صبح ہی تمہیں اپنی بہن کا خون لا دوں گا تاکہ تم اس میں اپنا سالو بھگو سکو اور تمہاری جان بچ جائے۔''

اور پھر دوسرے روز جوں ہی صبح ہوئی چھوٹا بھائی اپنی بہن کے پاس گیا اور اس سے کہنے لگا۔

''آؤ بہن! بیری سے بیر توڑ کر لائیں۔''

بہن بیچاری کے سان وگمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ اس کا بھائی اسے اپنے ساتھ کیوں لے جا رہا ہے؟ وہ خوشی خوشی اس کے ساتھ چل دی اور جب وہ دونوں گاؤں سے باہر بیری کے پیڑ کے پاس پہنچے تو بھائی بولا۔

''میں بیری پر چڑھ کر بیر گراتا ہوں۔تم نیچے چنتی جانا۔''

بہن بولی۔

''اچھا! تم گراؤ میں چنتی ہوں۔''

بھائی نے بیری کے سب سے نچلے تنے پر چڑھ کر شاخیں ہلا ہلا کر بیر گرانا شروع کر دیے اور جب بیر زمین پر گرنے لگے تو اس کی بہن نیچے جھک کر بیر چننے میں لگ گئی۔ کٹھور دل بھائی نے جب موقع دیکھا تو اوپر سے نشانہ باندھ کر بہن کی گردن پر کلہاڑی کھینچ ماری اور جلدی سے نیچے اتر کر اس کی گردن تن سے جدا کر دی۔ اس نے پہلے ہی سے وہاں ایک برتن چھپا رکھا تھا لہٰذا اس برتن میں بہن کا خون بھر لیا اور لاش کو وہیں گڑھا کھود کر دبا دیا۔ اس کے بعد وہ خون سے بھرا ہوا برتن لے کر گھر آیا اور بیوی سے کہا۔

''لو! اپنی نند کا خون! اب اس میں اپنا سالوبھگولو تا کہ تمہاری جان بچ جائے۔''

اس کی بیوی نے اپنے کہے کے مطابق اس خون میں اپنا سالوبھگویا اور پھر بولی۔

''اب میرے کلیجے میں ٹھنڈ پڑ گئی ہے۔''

ادھر جب لڑکی اپنے گھر نہ پہنچی تو ماں باپ نے اس کے بارے میں دریافت کیا لیکن چھوٹے بھائی نے جواب دیا۔

''مجھے کیا معلوم؟ وہ تو میرے ساتھ نہیں گئی تھی۔''

ماں باپ نے بہتیرا لڑکی کو تلاش کیا مگر اس کا کچھ پتہ نہ چلا۔ آخر بے چارے رو پیٹ کر بیٹھ گئے اور اس طرح بات آئی گئی ہو گئی۔''

خدا کا کرنا دیکھیے کہ جس جگہ چھوٹے بھائی نے اپنی بہن کی لاش دبائی تھی، کچھ عرصہ بعد وہاں آم کا ایک پودا اگ آیا۔ پھر بڑھتے بڑھتے آم کا پودا پیڑ میں تبدیل ہو گیا اور اس میں بور بھی آ گیا۔ بور کے بعد ان گنت چھوٹے چھوٹے آم ٹہنیوں پر جھولنے لگے جن میں جلد ہی رس بھر گیا۔ قریب ہی دریا کا کنارا پڑتا تھا۔ ایک روز ایک دھوبی دریا کے کنارے کپڑے دھونے کے لیے آیا۔ اس کے ساتھ اس کا بچہ بھی تھا۔ وہ خود تو کپڑے دھونے میں لگ گیا اور اس کا بچہ کھیلتے کھیلتے اس آم کے پیڑ کے پاس جا پہنچا۔ اس نے درخت پر بے شمار پکے ہوئے آم دیکھے تو منہ میں پانی بھر آیا۔ وہ آگے بڑھا اور جھکی ہوئی شاخ سے آم توڑنے کی کوشش کی مگر درخت میں سے دھیمی دھیمی سی آواز آئی۔

نکیا دھوبیا انب ناں توڑ
ڈالی ناں مروڑ
چھوٹے ویر بھین کٹھی۔ بھا بھوسالو بوڑیا

(اے ننھے منے دھوبی۔ آم نہ توڑ اور ٹہنی کو مت مروڑ۔ چھوٹے بھائی نے بہن کو قتل کیا اور بھابھی نے سالو خون میں بھگویا)۔

بچے نے جب یہ آواز سنی اور یہ بھی دیکھا کہ وہاں اس کے علاوہ کوئی اور آدم زاد بھی نہیں تو وہ ڈر گیا اور خوف کے مارے وہاں سے بھاگ آیا۔ واپس آ کر اس نے سارا قصہ اپنے باپ کو بتایا کہ:

''اس طرح وہاں ایک آم کا پیڑ ہے جو انسانوں کی طرح بولتا ہے۔''

باپ یہ بات سن کر بچے کی بیوقوفی پر ہنس پڑا اور کہنے لگا۔

''پگلے! کبھی درخت بھی بولتے ہیں؟''

مگر بچے نے اصرار کر کے کہا۔

''میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے۔''

باپ بولا۔

''تمہیں دھوکہ ہوا ہوگا۔''

اس پر بچے نے کہا۔

''نہیں مانتے تو آؤ میرے ساتھ چل کر خود دیکھ لو۔''

دھوبی کو اب بھی اس کی بات کا یقین نہیں آ رہا تھا لیکن اس نے سوچا۔ چلو اس طرح بچے کا خوف ہی دور ہو جائے گا۔ چنانچہ وہ اس سے کہنے لگا۔

''اچھا چلو! مجھے بھی دکھاؤ!''

وہ دونوں اس آم کے پیڑ کے پاس آ گئے۔ بچّے نے باپ سے کہا۔

''اب کوئی ایک آم توڑو۔''

اور جونہی دھوبی نے آم توڑنے کے لیے ایک جھکی ہوئی شاخ پکڑی' درخت میں سے پھر ایک دھیمی سے آواز آئی۔

وڈھیا دھوبیا انب ناں توڑ

ڈالی ناں مروڑ

چھوٹے ویر بھین کٹھی، بھابھو سالو بوڑیا

(اے بڑے دھوبی! آم نہ توڑ اور ٹہنی کو مت مروڑ چھوٹے بھائی نے بہن کو قتل کر دیا اور بھابھی نے سالو خون میں بھگویا)

یہ آواز سن کر دھوبی بھی ڈر گیا۔ واقعی بچے نے ٹھیک کہا تھا۔ وہ اسی وقت بھاگم بھاگ گاؤں پہنچا اور لوگوں کو بتایا کہ:

وہاں ایک آم کا پیڑ ہے جو آدمیوں کی طرح باتیں کرتا ہے۔

لیکن گاؤں کے لوگوں میں سے کسی نے بھی باپ بیٹی کی بات پر یقین نہ کیا۔ جو بھی سنتا الٹا ہنسنے لگتا اور کہتا۔

''پاگل ہو گئے ہو۔ کبھی درخت بھی بولتے ہیں؟''

مگر جب دھوبی اور اس کے بچے نے اپنی بات کی سچائی پر اصرار کیا تو ایک دو عمر رسیدہ آدمیوں نے لوگوں سے کہا۔

''چلو! چل کے دیکھ لیتے ہیں۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا؟''

بہت سے لوگ دھوبی اور اس کے بچے کے ساتھ چل دیئے کہ دیکھیں وہ کون سا درخت ہے جو انسانوں کی طرح باتیں کرتا ہے؟ ان لوگوں میں اس لڑکی کے ماں باپ اور بھائی بھی جسے چھوٹے بھائی نے قتل کیا تھا۔ ان کے ساتھ ہی ساتوں بھائیوں کی بیویاں بھی تھیں۔ جب سب لوگ آم کے درخت کے پاس پہنچ گئے تو دھوبی نے کہا۔

''اب تم میں سے کوئی آدمی اس درخت سے ایک آم توڑے۔''

سب سے پہلے اس لڑکی کا باپ آگے بڑھا۔ اس نے ایک جھکی ہوئی شاخ پکڑ کر آم توڑنے کی کوشش کی ہی تھی کہ درخت سے بڑی میٹھی آواز آئی۔

باپو! باپو انب ناں تروڑ
ڈالی ناں مروڑ
چھوٹے ویر بھین کٹھی، بھابھو سالو بوڑیا

(اے باپ! اے باپ! آم نہ توڑ ٹہنی کو مت مروڑ چھوٹے بھائی نے بہن کو قتل کر دیا اور بھابھی نے سالو خون میں بھگویا)

یہ آواز سنتے ہی لڑکی کا باپ جلدی سے پیچھے ہٹ گیا۔ باپ کو پیچھے ہٹتا دیکھ کر سب سے بڑا بھائی آگے بڑھ کر آم توڑنے لگا تو پھر وہی آواز آئی۔

وڈھیا ویرا انب ناں تروڑ
ڈالی ناں مروڑ
چھوٹے ویر بھین کٹھی، بھابھو سالو بوڑیا

(اے بڑے بھائی! آم نہ توڑ ٹہنی کو مت مروڑ۔ چھوٹے بھائی نے بہن کو قتل کر دیا اور بھابھی نے سالو خون

میں بھگویا)

بڑا بھائی بھی یہ آواز سنتے ہی پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے بعد اس کے پانچ دوسرے بھائیوں نے بھی باری باری آگے بڑھ کر آم توڑنے کی کوشش کی لیکن ہر بار وہی آواز آتی۔ چھ بھائیوں کی چھ بیویاں بھی ایک ایک کر کے آگے بڑھیں مگر انہیں بھی یہی آواز سنائی دی اور وہ بھی پیچھے ہٹ گئیں۔ سب لوگ حیران تھے۔ ہر ایک کی زبان پر یہ تھا۔

خدایا! یہ کیا ماجرا ہے؟

آخر میں سب سے چھوٹا بھائی بولا۔

لو! میں توڑ کے دکھاتا ہوں آم۔

اور وہ آگے بڑھ کر آم توڑنے ہی لگا تھا کہ آم کی ٹہنی خود بخود اس کے ہاتھ سے اونچی ہوگئی اور اس میں سے آواز آئی۔

پاپیا' پاپیا انب ناں تروڑ

ڈالی ناں مروڑ

توئیں بھین کٹھی تے بھا بھوسالو بوڑیا

(اے پاپی! اے پاپی! آم نہ توڑ اور ٹہنی کو مت مروڑ۔ تو نے ہی بہن کو قتل کیا اور بھا بھی نے سالو خون میں بھگویا)۔

چھوٹا بھائی یہ سن کر جلدی سے پیچھے ہٹ گیا تو اس کی بیوی جو لڑکی کی سب سے چھوٹی بھابی بھی تھی آگے بڑھی۔ ابھی اس نے آم توڑنے کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا ہی تھا کہ ٹہنی پہلے سے بھی زیادہ اوپر اٹھ گئی اور اس میں سے وہی آواز آئی۔

پاپنیں، پاپنیں انب ناں تروڑ

ڈالی ناں مروڑ

چھوٹے ویر نے بھین کٹھی توئیں سالو بوڑیا

(اے پاپن! اے پاپن! آم نہ توڑ اور ٹہنی کو مت مروڑ۔ چھوٹے بھائی نے بہن کو قتل کیا اور تو نے ہی سالو خون میں بھگویا)

جب سب لوگ باری باری آم توڑنے میں ناکام ہو چکے تو سب کے آخر میں لڑکی کی ماں آگے بڑھی اور ابھی اس نے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ آموں سے لدی پھندی شاخ خود بخود اس کی طرف جھک گئی اور اس نے ان میں سے ایک آم توڑ لیا۔ آم توڑنے کی دیر تھی کہ اس کے ساتھ ہی آم کا پورا درخت یوں غائب ہو گیا جیسے وہاں کبھی اُگا ہی نہ تھا اور پھر لوگوں نے دیکھا۔ جہاں تھوڑی دیر پہلے درخت اُگا ہوا تھا' وہاں ساتوں بھائیوں کی بہن کھڑی تھی جس نے نہایت خوبصورت سرخ سالو اوڑھ رکھا تھا۔ یہ دیکھ کر چھوٹا بھائی بہت شرمندہ ہوا۔ وہ بھاگ کر اپنی بہن کے قدموں پر جا گرا اور کہنے لگا۔

''بہن! مجھے معاف کر دو۔ میں اپنے کیے پر شرمندہ ہوں۔''

چھوٹی بہن نے اسے معاف کر دیا اور اٹھا کر گلے لگا لیا لیکن اس نے اپنی بھابی کو معاف نہ کیا۔ اس کے بعد وہ سب واپس اپنے گاؤں آ گئے۔

اس بات کو جگ بیت چکے ہیں۔ کہتے ہیں' اگر وہ بہن اپنے بھائی کو معاف نہ کرتی تو آج کوئی بہن اپنے بھائی سے پیار نہ کرتی۔ یہ صرف اس لڑکی کی قربانی کا نتیجہ ہے کہ دنیا کی ہر بہن اپنے بھائی پر جان چھڑکتی ہے لیکن اس کے بعد بھابی اور نند میں ہمیشہ کے لیے دشمنی ہو گئی کیونکہ اس نے بھابی کو معاف نہیں کیا تھا۔

# دوستی کا پھل

اگلے وقتوں کی بات ہے۔ کسی جنگل میں ایک کبوتر اور کبوتری رہتے تھے۔ ایک بڑے سے درخت پر ان کا گھونسلا تھا اور اس میں وہ دونوں امن چین کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان کے ہاں کوئی بچہ نہ تھا لہٰذا جونہی صبح ہوتی' وہ دونوں اِدھر اُدھر اُڑ جاتے اور دانہ دنکا چگ کر اپنا پیٹ بھر لیتے۔ پھر جیسے ہی شام کے اندھیرے پھیلنے لگتے' واپس اپنے گھونسلے میں آ جاتے۔ یہی ان کی زندگی کا معمول تھا۔ یُوں تو کبوتر بھی کوئی ایسا بیوقوف واقع ہوا تھا لیکن پھر بھی کبوتری اس سے کہیں زیادہ عقل مند' سمجھدار اور دانا تھی۔ چنانچہ جب اس نے گھونسلے میں انڈے دیئے تو اسے ہر وقت اسی بات کی فکر لگی رہتی کہ:

''کہیں کوئی جانور ان کے انڈے نہ لے جائے۔''

یہی بات سوچتے ہوئے ایک روز وہ کبوتر سے کہنے لگی۔

''ہمارا یہاں کوئی ایسا سنگی ساتھی نہیں ہے جو وقت پڑنے پر کام آ سکے۔''

''لیکن تمہیں یہاں خطرہ کس بات کا ہے؟''

کبوتر نے حیرانی سے دریافت کیا۔ اس پر کبوتری اسے سمجھانے کے سے انداز میں بولی۔

''برا وقت کسی کو بتا کر نہیں آیا کرتا۔''

پھر اس نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔

''ہمیں اپنے ایک دو ساتھی ضرور بنانے چاہئیں تاکہ مصیبت کے وقت وہ ہماری مدد کر سکیں۔''

کبوتری کی یہ بات سن کر کبوتر بھی ذرا سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے اپنے دل ہی دل میں

سوچا۔ کبوتری بات تو ٹھیک کہہ رہی ہے۔ اگر کل کلاں کو کوئی برا وقت آ ہی پڑا تو کوئی ہمیں سہارا دینے والا بھی نہیں ہے لیکن پھر وہ جیسے کچھ سوچ کر کہنے لگا۔

''تمہاری بات اپنی جگہ درست ہے مگر مصیبت یہ ہے کہ یہاں نزدیک ہماری برادری کا کوئی پرندہ بھی تو نہیں رہتا۔ پھر دوست بنائیں بھی تو کسے بنائیں؟''

کبوتری بڑی سگھڑ سیانی تھی۔ وہ بولی۔

''کوئی حرج نہیں۔ ہماری برادری کا کوئی پرندہ نہیں ہے تو نہ ہو۔ آخر کسی دوسری برادری کے پرندے یا جانور سے بھی تو تعلقات قائم کیے جا سکتے ہیں؟''

پھر اس نے کبوتر کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''اکیلا آدمی دنیا میں کسی کام کا نہیں ہوتا۔ ہمیں کوئی نہ کوئی ساتھی ضرور بنا لینا چاہیے۔''

سچ تو یہ ہے کہ کبوتری کی بات کبوتر کے دل کو لگ گئی تھی۔ آج تک اس کا اس طرف دھیان ہی نہ گیا تھا اور اب کبوتری کے کہنے پر اسے بھی احساس ہونے لگا تھا کہ کوئی نہ کوئی دوست ضرور ہونا چاہیے۔ وہ بیٹھے بیٹھے دل ہی دل میں اپنے اردگرد کے قریبی علاقے کے بارے میں سوچنے لگا اور یاد کرنے لگا کہ وہاں کون کون رہتا ہے؟ کچھ پرندے اس کے ذہن میں آئے لیکن وہ وہاں سے کافی فاصلے پر رہتے تھے اس لیے ان سے دوستی کرنا یا نہ کرنا برابر تھا کیونکہ وقت پڑنے پر انہیں اطلاع بھی نہیں کی جا سکتی تھی۔ سوچتے سوچتے اچانک کبوتر کو خیال آیا کہ جہاں وہ رہتے ہیں' اس سے کچھ ہی دور ایک دوسرے درخت پر گدھوں کا ایک جوڑا رہتا ہے۔ اس نے کبوتری سے کہا۔

''یہاں سے قریب ہی ایک درخت پر گدھوں کا ایک جوڑا رہتا ہے۔ اگر تم کہو تو میں ان کے پاس جاؤں۔''

کبوتری جلدی سے بولی۔

''اس میں سوچنے کی کیا بات ہے؟ ابھی جاؤ اور ان سے دوستی قائم کرو۔''

''مگر سنا ہے گدھوں سے ڈر لگتا ہے۔ ان کا ہم سے میل مشکل ہی معلوم ہوتا ہے۔''

کبوتر کسی سوچ میں پڑ گیا لیکن کبوتری نے پھر اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''گدھ ہیں تو کیا ہے؟ ہیں تو پرندے؟ تم جا کر تو دیکھو۔''

''اچھا! تم کہتی ہو تو میں چلا جاتا ہوں۔''

کبوتر نے اتنا کہا اور اسی وقت اُڑ کے گدھوں کے جوڑے کے پاس جا پہنچا۔ وہاں پہنچ کر اس نے سلام دعا کی اور پھر بڑی اپنائیت سے کہنے لگا۔

''ہم سب ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں اور اس طرح ہمارا رشتہ سگوں جیسا ہے۔ پھر کیوں نہ ہم ایک دوسرے کے دوست بن جائیں؟''

اس پر گدھ قدرے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔

''تم ٹھیک کہتے ہو۔ ہمسائے تو ماں جائے ہوتے ہیں۔ آپس کے دکھ سکھ میں شریک ہو کر ایک دوسرے کا سہارا بنتے ہیں۔''

کبوتر نے انہیں بھی اپنا ہم خیال پایا تو بولا۔

''میں اسی لیے تم لوگوں کے پاس آیا ہوں کہ آج سے ہم دوست بن جائیں۔''

جواب میں گدھ بولا۔

''ہم تو چلو آج سے ایک دوسرے کے دوست بن گئے ہیں مگر میری بات مانو تو ہم ایک کام اور کریں۔''

کبوتر نے پوچھا۔

''وہ کیا؟''

جس پر گدھ نے بتایا۔

''یہاں سے قریب ہی ایک درخت کی کھوہ میں ایک بہت بڑا سانپ رہتا ہے۔ اگر وہ بھی ہمارا دوست بن جائے تو پھر ہم خطرے سے بالکل محفوظ ہو جائیں گے۔''

یہ تجویز کبوتر کو بھی پسند آئی لہٰذا وہ بولا۔

''اگر یہ بات ہے تو چلو دونوں اس کے پاس چلتے ہیں۔ ہوسکتا ہے' وہ بھی ہمارا دوست بن جائے۔''

چنانچہ گدھ اور کبوتر دونوں اُڑے اور اُڑ کر سانپ کے پاس پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر دونوں نے سانپ کو اپنے آنے کا مقصد بتایا اور کہا۔

''یہ ٹھیک ہے کہ ہم تینوں مخالف برادری سے تعلق رکھتے ہیں مگر دوست بننے میں کیا حرج ہے؟''

''دوستی میں تو کوئی پابندی حائل نہیں ہوتی؟''

سانپ نے ان دونوں کی باتوں کو بڑے غور سے سنا' کچھ دیر تک لیٹا ان پر سوچ بچار کرتا رہا اور پھر ان سے کہنے لگا۔

''دوستی بڑی مشکل ہوتی ہے۔ اس میں ایک دوسرے کے لیے جان قربان کرنا پڑتی ہے۔''

''تم ہمیں ہر امتحان میں ثابت قدم پاؤ گے۔''

دونوں نے بیک زبان سانپ سے کہا۔ اس پر سانپ بولا۔

''اگر یہ بات ہے تو مجھے تم دونوں کی دوستی منظور ہے۔ آج سے ہم تینوں دوست ہیں اور وقت پڑنے پر ایک دوسرے کی پوری پوری مدد کریں گے۔''

''بالکل ایسا ہی ہوگا۔''

اس طرح کبوتر' گدھ اور سانپ کی دوستی ہوگئی اور اب کبوتری مطمئن تھی کہ وہ اکیلے نہیں رہے۔ ان کے دوسرے ساتھی بھی ہیں۔

دن گزرتے گئے۔ کبوتری نے جو انڈے دیئے تھے' اب ان کی جگہ ننھے منے بچوں نے لے لی تھی۔ کبوتری اور کبوتر دن رات بچوں کی دیکھ بھال اور حفاظت میں لگے رہتے۔ پہلے وہ دونوں ایک ساتھ چوگا چگنے چلے جاتے تھے لیکن اب وہ باری باری جانے لگے تاکہ ان میں سے

ایک ضرور بچوں کے پاس موجود رہے۔ اگر کبوتر کہیں دانہ دنکا چگنے جاتا تو کبوتری گھونسلے میں رہتی اور کبوتری بچوں کے کھانے کے لیے کچھ لینے جاتی تو کبوتر بیٹھا بچوں کی دیکھ بھال کرتا۔

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک روز کوئی شکاری گھومتا گھامتا اس طرف آ نکلا۔ وہ صبح سے مارا مارا پھر رہا تھا لیکن ابھی تک کوئی شکار اس کے ہاتھ نہیں لگا تھا۔ اگر وہ پرندوں کے لیے کہیں جال بچھاتا تو اسے اس میں مایوسی ہوتی اور اگر کسی جانور پر تیر چلاتا تو وہ بچ نکلتا۔ اس طرح وہ دن بھر کا تھکا ہارا' پھرتا پھراتا اس طرف آ گیا اور اسی درخت کے نیچے آ کر کھڑا ہو گیا جس پر کبوتر اور کبوتری نے گھونسلا بنا رکھا تھا۔ اس نے دل میں سوچا۔

''خالی ہاتھ گھر جانا بدشگونی ہو گی۔ کیوں نہ کسی گھونسلے سے کسی جانور کے بچے ہی پکڑ کے لے چلوں۔ کچھ تو مل جائے گا۔''

اتنا سوچ کر اس نے اردگرد سے درخت کا جائزہ لیا تو اسے اس پر ایک گھونسلا دکھائی دیا۔ گھونسلا دیکھ کر اس نے اپنے تجربے سے اس کا اندازہ بھی کر لیا کہ گھونسلے میں کسی پرندے کے بچے بھی موجود ہیں۔ اس وقت شام ہونے کو آئی تھی اور آہستہ آہستہ چاروں طرف اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ یہ دیکھ کر شکاری کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ اس نے سوچا۔

''اگر میں درخت کے نیچے آگ جلا دوں تو روشنی میں درخت پر گھونسلا تلاش کرنے میں آسانی رہے گی۔''

اس نے اِدھر اُدھر سے چند سوکھی لکڑیاں اور گھاس پھونس جمع کی اور پھر ان میں آگ لگا کر الاؤ سا روشن کر دیا۔ اس کے بعد وہ درخت پر چڑھنے کی تیاری کرنے لگا۔

اِدھر تو درخت کے نیچے شکاری یہ ارادے باندھ رہا تھا اور اُدھر درخت پر بیٹھے ہوئے کبوتر اور کبوتری یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ وہ شکاری کی نیت بھانپ گئے تھے اور اب اپنے بچوں کو بچانے کی ترکیبیں سوچ رہے تھے جو ابھی اتنے چھوٹے تھے کہ اُڑ بھی نہ سکتے تھے۔ کبوتر کبوتری سے کہنے لگا۔

''میں ابھی اپنے دوستوں کو خبر کرتا ہوں اور انہیں جلد بلا کر لاتا ہوں۔''

اس پر کبوتری کہنے لگی۔

''یہ درست ہے کہ تم اپنے دوستوں کو بلا لاؤ گے اور یہ بھی ٹھیک ہے کہ وہ ہماری مدد کو آ بھی جائیں گے لیکن بہتر یہ ہے کہ پہلے ہم خود کوشش کریں۔ ہوسکتا ہے' دوسروں کی مدد کے بغیر ہی یہ مصیبت ٹل جائے۔''

''میرا تو خیال ہے پہلے اپنے دوستوں کو خبر کر دینی چاہیے۔''

کبوتر نے اپنی رائے پیش کرتے ہوئے کہا' جس پر کبوتری نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''اگر کوئی اپنی مدد آپ نہ کرے تو دوسرے بھی اس کی مدد کو تیار نہیں ہوا کرتے۔ ہاں' اگر ہم اس کا مقابلہ کرنے میں ناکام ہو جائیں تو پھر تم اپنے دوستوں کو ضرور بلا لانا۔ مگر پہلے ہمیں خود ہی کچھ کرنا چاہیے۔''

شکاری آگ جلا چکا تھا اور اب اس نے اس کی روشنی میں درخت پر چڑھنا شروع کر دیا تھا۔ کبوتری نے جب اسے درخت پر چڑھتے ہوئے دیکھا تو کبوتر سے بولی۔

''اگر ہم جلتی ہوئی آگ بجھا دیں تو شکاری اندھیرے میں ہمارا گھونسلا نہیں ڈھونڈ سکے گا۔''

''مگر ہم آگ کیسے بجھا سکتے ہیں؟''

کبوتر قدرے فکرمند ہوتے ہوئے بولا۔

''تم آؤ تو سہی! ہم کوشش کرتے ہیں۔''

کبوتری نے اتنا کہا اور وہ دونوں بجلی کی سی تیزی سے اُڑ گئے۔ قریب ہی دریا بہہ رہا تھا۔ ان دونوں نے دریا پر پہنچ کر اپنے پروں میں پانی بھرا اور پھر آن کی آن میں واپس آ کر وہ پانی جلتی ہوئی آگ پر چھڑک دیا۔ وہ پھر اڑے اور دوبارہ پانی لا کر آگ پر چھڑکا اور اس طرح چند ہی لمحوں میں تین چار بار پانی لا کر انہوں نے آگ پر چھڑک دیا جس سے جلتی ہوئی آگ بجھ گئی۔

درخت پر چڑھتے ہوئے شکاری نے جب دیکھا کہ آگ بجھ گئی ہے اور اندھیرے میں گھونسلا تلاش کرنا مشکل ہے تو وہ نیچے اتر آیا۔ نیچے اتر کر اُس نے دوبارہ آگ جلائی اور پھر سے درخت پر چڑھنے لگا۔ اِدھر کبوتر اور کبوتری نے جب دیکھا کہ آگ دوبارہ روشن ہوگئی ہے تو وہ پھر سے بھاگے بھاگے دریا پر گئے اور پہلے کی طرح پروں میں پانی بھر بھر کر لا کر اس پر چھڑکنے لگے۔ اور اس طرح چند ہی لمحوں میں انہوں نے پھر آگ بجھا دی۔

شکاری ایک بار پھر درخت پر چڑھتے چڑھتے رک گیا۔ کچھ اندھیرا ابھی بڑھ چکا تھا اور روشنی کے بغیر درخت پر چڑھنا ممکن نہیں تھا۔ اسے آگ پر رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا کہ یہ اپنے آپ بجھ کیسے جاتی ہے؟ وہ غصہ میں کھولتا ہوا پھر درخت سے نیچے اُترا اور ایک بار پھر اِدھر اُدھر سے لکڑیاں جمع کر کے ان میں آگ لگا دی۔ اس دفعہ اس نے موٹی موٹی لکڑیاں جمع کی تھیں تاکہ جلنے کے بعد آگ بجھ نہ سکے۔ کبوتر اور کبوتری نے جب یہ دیکھا کہ اس دفعہ کی آگ بجھانا ان کے بس کی بات نہیں تو وہ بہت گھبرائے۔ اب دوستوں کی مدد ضروری تھی چنانچہ کبوتری نے کبوتر سے کہا۔

''اب دوستوں سے مدد لینے کا وقت آ گیا ہے۔''

پھر اس نے کبوتر سے کہا۔

''جلدی جاؤ اور اپنے گدھ دوست کو مدد کے لیے فوراً لاؤ۔''

یہ سنتے ہی کبوتر آن کی آن میں گدھ کے جوڑے کے پاس پہنچا اور انہیں ساری بات بتا کر کہا۔

''اب مجھے تم لوگوں کی مدد کی ضرورت ہے۔''

گدھ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور سارے کام چھوڑ کر کہا۔

''چلو! ہم ابھی چلتے ہیں۔ دوستی کس روز کام آئے گی؟''

کبوتر گدھوں کے جوڑے کو ساتھ لے کر آیا تو انہوں نے دیکھا کہ آگ پوری طرح جل رہی تھی اور اس کی روشنی میں شکاری درخت پر چڑھ رہا تھا۔ دونوں گدھ کبوتر کے ساتھ جلدی

جلدی دریا پر گئے اور انہوں نے اپنے بڑے بڑے پروں میں پانی بھر کے لا کر آگ پر پھینکنا شروع کر دیا۔ اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے چند لمحوں میں جلتی ہوئی آگ بجھ گئی۔ یہ دیکھ کر شکاری تلملا کر رہ گیا۔ مصیبت یہ تھی کہ اب اندھیرا بہت زیادہ ہو چکا تھا اور درخت پر چڑھنا کسی طرح ممکن نہیں رہا تھا۔ پھر یہ بھی تھا کہ شکاری بار بار درخت پر چڑھتے اُترتے میں تھک بھی چکا تھا اس لیے اس نے دل میں سوچا۔

''اب آگ جلانا بھی مشکل ہے اور رات بھی ہوگئی ہے۔ کیوں نہ رات یہیں بسر کرلوں اور صبح آسانی سے بچے نکال کر لے چلوں گا۔''

اور یہ سوچ کر وہ درخت سے تھوڑی دور زمین پر کپڑا بچھا کر لیٹ گیا۔ کبوتر اور گدھ نے جب یہ دیکھا کہ شکاری وہیں پر رات بسر کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور سونے کی تیاری کرنے لگا ہے تو وہ جان گئے کہ اس کی نیت ٹھیک نہیں ہے۔ یہ صبح ضرور گھونسلے میں سے بچے نکال کر لے جائے گا۔ یہ جان کر وہ کچھ دوسری ترکیبیں سوچنے لگے۔ کبوتری نے رائے دی۔

''میری مانو تو تم دونوں اپنے دوست سانپ کے پاس جاؤ۔ اس وقت وہی ہماری مدد کر سکتا ہے۔''

''ہاں! وہ یقیناً اس وقت ہمارے کام آ سکتا ہے۔''

مادہ گدھ نے بھی کبوتری کی رائے پسند کی اور گدھ بھی کہنے لگا۔

''ہاں! میری بھی یہی رائے ہے۔ اب اور کوئی چارہ کار باقی نہیں رہا۔''

جواب میں کبوتر بولا۔

''چلو! پھر دیر کس بات کی؟ ابھی اس کے پاس چلتے ہیں۔''

کبوتر اور گدھ دونوں اُڑ گئے اور تھوڑی ہی دیر میں اپنے دوست سانپ کے پاس پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے شروع سے لے کر آخر تک اسے ساری بات بتائی اور پھر کہا۔

''اس وقت شکاری وہیں سویا ہوا ہے اور ہمیں ڈر ہے کہ وہ صبح ضرور بچے نکال کر لے جائے گا۔''

سانپ لیٹے لیٹے سوچنے لگا تو کبوتر بولا۔

''اب صرف تمہاری مدد ہی میرے بچوں کی زندگی بچا سکتی ہے۔''

''ہم اسی لیے تمہارے پاس آئے ہیں۔''

گدھ نے بھی کبوتر کی حمایت کرتے ہوئے کہا۔ سانپ بڑے غور سے ان کی باتیں سن کر کہنے لگا۔

''تم لوگ گھبراؤ نہیں!''

پھر وہ انہیں واپس جانے کے لیے مشورہ دے کر بولا۔

''اس وقت تو مصیبت ٹل ہی گئی ہے۔ اب صبح دیکھا جائے گا۔ اس وقت تم دونوں جاؤ، میں صبح سارا بندوبست کرلوں گا۔''

''جیسی تمہاری رائے۔''

گدھ اور کبوتر نے کہا اور دونوں واپس گھونسلے میں آ گئے۔ وہاں آ کر انہوں نے کبوتری اور مادہ گدھ کو ساری بات بتائی اور کہا کہ:

''سانپ نے ہمیں مدد کرنے کا یقین دلایا ہے۔ وہ ضرور اپنی دوستی نبھائے گا۔''

اس کے بعد وہ چاروں کے چاروں درخت پر بیٹھے بیٹھے صبح کا انتظار کرنے لگے۔

شکاری رات بھر بڑے مزے سے سویا اور جب صبح ہوئی تو وہ خوش خوش آنکھیں ملتا ہوا اٹھا کہ درخت پر چڑھ کر گھونسلے میں سے بچے نکالے اور اپنے گھر کی راہ لے۔ اس نے اٹھ کر اپنا سامان وغیرہ سمیٹا اور جوں ہی درخت پر چڑھنے کے لیے اس کے پاس گیا' اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ حواس باختہ ہو گیا۔ گھبراہٹ اور خوف میں اسے اپنے تک کا ہوش نہ رہا۔ اس کے تیر کمان کہیں تھے اور اب وہ اپنی جان بچانے کی فکر کر رہا تھا۔ اس نے دیکھا' جس درخت پر چڑھ کر اسے کبوتر کے گھونسلے سے بچے نکالنا تھا اس درخت کے تنے کے اردگرد ایک بہت بڑا سانپ لپٹا ہوا اسے دیکھ دیکھ کر پھنکار رہا تھا۔ شکاری نے دل میں سوچا۔

''جس طرح بھی ہو اپنی جان بچاؤ۔ بھاڑ میں جائے شکار۔''

اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ' اپنا سارا سامان چھوڑ چھاڑ کر اُلٹے پاؤں ایسا بھاگا کہ پھر پیچھے پلٹ کر نہ دیکھا۔

وہ دن اور آج کا دن اس شکاری کا کہیں پتہ نہیں چل سکا لیکن کبوتر آج بھی سکھ چین کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور یہ سب کچھ ان کی دوستی کا نتیجہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی لوگ دوستی اور امن کے پیغام کے لیے کبوتر ہی استعمال کرتے ہیں۔

.....o.....

''یار تیتر! اگر تم ایک کام کر دو تو پھر تمہیں مانوں؟''

تیتر نے پوچھا۔

''کہو! کیا کام ہے؟''

گیدڑ نے جواب میں اس پر طنز کرتے ہوئے کہا۔

''مگر تم ایک معمولی سے پرندے ہو تم یہ کام نہیں کر سکو گے۔''

تیتر بولا۔

''پہلے کام تو بتاؤ کیا ہے؟ ہو سکتا ہے میں کر ہی دوں؟''

یہ سن کر گیدڑ نے کہا۔

''بات یہ ہے کہ مجھے اس وقت بہت زور کی بھوک لگ رہی ہے۔ اگر تم کہیں سے کچھ کھانے کا انتظام کرو تو پھر مانوں تمہاری دوستی؟''

اتنا کہنے کے بعد وہ قدرے حقارت سے بولا۔

''دوست تو وہی ہوتا ہے جو وقت پڑنے پر ساتھی کی بھوک بھی مٹا سکے۔''

تیتر اس کی اس بات سے سمجھ گیا کہ گیدڑ اسے آزما رہا ہے اس لیے اس نے جواب دیا۔

''دیکھو! ابھی اللہ کوئی سبب بناتا ہے۔''

وہ دونوں چلتے رہے اور تیتر ادھر ادھر نظریں دوڑاتا رہا مگر اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ گیدڑ کے لیے کھانے کا انتظام کہاں سے کرے؟ اس کے ساتھ ہی ساتھ اسے یہ بھی احساس تھا کہ اگر وہ کھانا مہیا نہ کر سکا تو گیدڑ اسے بڑا ذلیل کرے گا۔ وہ یہی کچھ سوچتا ہوا گیدڑ کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔

خدا کا کرنا دیکھیے کہ عین اس وقت انہیں دور ایک عورت آتی دکھائی دی جس نے اپنے سر پر کھانا اٹھا رکھا تھا۔ وہ اس وقت کھیتوں میں اپنے شوہر کو کھانا کھلانے جا رہی تھی۔ تیتر نے اسے دیکھا تو گیدڑ سے کہنے لگا۔

قریب جا کر بیوقوف کو پکڑ لیا اور پھر تلے اوپر کئی ہاتھ لگا کر کہا۔

''بیوقوف! یہ نہیں کہا کرتے بلکہ یُوں کہتے ہیں' لاتے جاؤ رکھتے جاؤ۔ لاتے جاؤ رکھتے جاؤ۔''

بیوقوف بولا۔

''اچھا! اب ایسا ہی کہوں گا۔''

اس کے بعد وہ لاتے جاؤ رکھتے جاؤ کہتا ہوا دوبارہ اپنے سسرال کی طرف چل دیا۔

راستے میں ایک گاؤں آیا جہاں کچھ لوگ کندھوں پر جنازہ اٹھائے جا رہے تھے۔ مرنے والے کے سوگ میں سب لوگ افسردہ اور خاموش جا رہے تھے کہ اتنے میں بیوقوف آ کر کہنے لگا۔

''لاتے جاؤ رکھتے جاؤ۔ لاتے جاؤ رکھتے جاؤ۔''

لوگوں کو اس پر بڑا تاؤ آیا کہ یہ شخص اس سوگ اور غم کے موقع پر کیا بات کہہ رہا ہے؟ ایک دو گرم مزاج آدمیوں سے برداشت نہ ہو سکا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر بیوقوف کی پٹائی کر دی اور ڈانٹتے ہوئے کہا۔

''بیوقوف! اس طرح نہیں کہا کرتے بلکہ یُوں کہتے ہیں۔ خدا یہ دن کسی کو نہ دکھائے۔ خدا یہ دن کسی کو نہ دکھائے۔''

بیوقوف بولا۔

''اچھا! اب ایسا ہی کہوں گا۔''

اب وہ خدا یہ دن کسی کو نہ دکھائے کی رٹ لگاتا ہوا پھر اپنے سسرال کے گاؤں کی طرف سفر کرنے لگا۔

وہ جا رہا تھا کہ راستے میں ایک گاؤں پڑا۔ وہ گاؤں کی گلیوں میں سے گزرتا ہوا جا رہا تھا کہ اس نے دیکھا' ایک گھر میں سے ڈھولک بجنے اور گانے کی آواز آ رہی تھی۔ ایک طرف چند

براتی نئے نئے کپڑے پہنے بیٹھے تھے اور دیگیں پک رہی تھیں۔ بیوقوف جب ان کے قریب سے گزرا تو کہنے لگا۔

''خدا یہ دن کسی کو نہ دکھائے۔ خدا یہ دن کسی کو نہ دکھائے۔''

اس کا اتنا کہنا تھا کہ دو ایک براتیوں نے اسے پکڑ لیا اور خوب مرمت کی۔ اس کے بعد انہوں نے اسے چھوڑتے ہوئے کہا۔

''بیوقوف! اس طرح نہیں کہا کرتے بلکہ یوں کہتے ہیں۔ گھر گھر اسی طرح ہو۔ گھر گھر اسی طرح ہو۔''

بیوقوف بولا۔

''اچھا! اب میں ایسے ہی کہوں گا۔''

اس نے پھر اپنے سسرال کا راستہ لیا اور گھر گھر اسی طرح ہو کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

راستے میں ایک ایسا گاؤں آیا جہاں ایک گھر میں آگ لگی ہوئی تھی اور ادھر ادھر کے لوگ آگ بجھانے میں لگے ہوئے تھے۔ کوئی پانی بھر بھر کر لا رہا تھا' کوئی شعلوں پر مٹی پھینک رہا تھا اور کوئی گھر کا سامان بچانے میں لگا ہوا تھا۔ اس طرح وہاں اس وقت ایک افراتفری کا سماں تھا۔ اتنے میں بیوقوف کا بھی وہاں سے گزر ہوا۔ وہ جب جلتے ہوئے مکان کے قریب سے گزرا تو بولا۔

''گھر گھر اسی طرح ہو۔ گھر گھر اسی طرح ہو۔''

پاس کھڑے کچھ لوگوں نے جب یہ سنا تو انہیں بہت غصہ آیا کہ ایک طرف بے چاروں کا گھر جل رہا ہے اور یہ ہے کہ کہتا ہے۔

''گھر گھر اسی طرح ہو۔''

انہوں نے آگے بڑھ کر بیوقوف کو پکڑ لیا اور اچھی طرح ٹھکائی کر دی۔ جب وہ سب اپنا غصہ نکال چکے تو اسے چھوڑتے ہوئے بولے۔

''بیوقوف! اس طرح نہیں کہا کرتے بلکہ خاموش ہو جاتے اور کوئی بات نہیں کرتے۔

بیوقوف بولا۔

''اچھا! اب میں ایسے ہی کروں گا۔''

چنانچہ وہ چپ چاپ اپنے سسرال کی جانب چل دیا۔ اب وہ نہ راستے میں کسی سے کچھ کہتا نہ سنتا' بس خاموشی سے سفر کرتا رہا۔

اسی طرح جب وہ اپنے سسرال پہنچا اور گھر میں داخل ہوا تو اس نے نہ کسی سے سلام دعا کی اور نہ کسی کا حال احوال دریافت کیا۔ بس خاموشی سے گیا اور چپ چاپ ایک طرف کو جا کر بیٹھ گیا۔ گھر والوں کو بڑا تعجب ہوا کہ۔

''یہ کوئی بات کیوں نہیں کرتا۔''

اس کی ساس نے اس سے پوچھا۔

''بیٹا! گھر میں خیریت ہے نا؟''

آگے سے بیوقوف نے کوئی جواب نہیں دیا اور ٹکر ٹکر بیٹھا دیکھتا رہا۔ سسرال والوں کو فکر ہوئی کہ:

''کہیں اس کا دماغ تو چل نہیں گیا۔''

اس کی ساس پھر پوچھنے لگی۔

''کہو بیٹا! طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟''

مگر وہاں تو جواب میں صرف ایک چپ تھی۔ اس کی ساس پھر پوچھنے لگی۔

''کیوں بیٹا! بولتے کیوں نہیں؟ آخر بات کیا ہے؟''

لیکن بیٹا تھا کہ بت بنا بیٹھا تھا۔ راستے میں کئی بار ٹھکائی ہونے کی وجہ سے اس کا جوڑ جوڑ درد کر رہا تھا اور وہ دل میں سوچ رہا تھا کہ:

''راستے میں جہاں بھی بولا پٹائی ہوگئی۔ اب یہاں بھی بولا تو پٹ جاؤں گا۔''

اس کے سسر نے فکر مند ہوتے ہوئے کہا۔

''آخر تم بولتے کیوں نہیں؟ کچھ بتاؤ تو تمہیں کیا ہوا ہے؟''

لیکن بیوقوف پھر بھی خاموش رہا۔

اس کے بعد گھر کے ہر فرد نے اپنی طرف سے پوری پوری کوشش کر دیکھی کہ کسی طرح وہ کوئی بات کرے مگر بیوقوف اسی طرح بت بنا بیٹھا رہا۔ یہ دیکھ کر اس کی ساس رونے لگی اور کہنے لگی۔

''ہائے! بیٹا تجھے کیا ہو گیا ہے؟''

وہ سینے پر دوہتڑ مار مار کر رو رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔

''ہائے رے! اب میری بیٹی کا کیا ہوگا؟''

ساس کو روتا دیکھ کر اس کی بیوی بھی رونے لگی۔

''ہائے! میری قسمت پھوٹ گئی۔ میں تو زندہ درگور ہو گئی۔''

جب بیوقوف نے دیکھا کہ ساتھ کے ساتھ بیوی بھی رونے لگی ہے تو وہ آہستہ سے بولا۔''ایسے موقع پر ہمیشہ خاموش رہتے ہیں۔''

اب تو گھر والوں کو پکا یقین ہو گیا کہ ان کا داماد پاگل ہو گیا ہے اور اس قسم کے پاگل کے ساتھ اپنی بیٹی کو بھیجنا اسے زندہ درگور کرنا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس کے سامان کی گٹھڑی اور اس کی لاٹھی اس کے ہاتھ میں دی اور رخصت کرتے ہوئے کہا۔

''ایسے داماد سے ہم ایسے ہی بھلے۔''

اور بیوقوف جس طرح چپ چاپ گیا تھا اسی طرح خاموشی سے واپس اپنے گھر کی طرف چل دیا۔ مار بھی کھائی' لوگوں کی گالیاں بھی سنیں اور بیوی بھی ہاتھ سے گئی۔

اس واقعہ کو جگ بیت چکے ہیں مگر وہ دن اور آج کا دن' کوئی بیوقوف اس کے بعد اس طرح خاموش نہیں ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ بیوقوف ہمیشہ بولتے رہتے ہیں۔

.....o.....

# چڑیا اور کوّا

ایک تھی چڑیا اور ایک تھا کوا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے دوست تھے اور قریب قریب ہی رہتے تھے۔ ایک روز چڑیا کہیں سے چاول کا دانہ لائی اور کوا کہیں سے مونگ کی دال کا دانہ ڈھونڈ لایا۔ پھر دونوں نے آپس میں طے کیا کہ اب کھچڑی پکائی جائے۔ ایک عرصہ سے دونوں بیچارے کھچڑی کو ترس گئے تھے لہٰذا چڑیا نے آگ جلائی اور کوا اڑ کر نہر سے پانی لایا۔ اس کے بعد دونوں نے مل کر کھچڑی پکائی اور جب کھچڑی تیار ہوگئی تو چڑیا کوے سے کہنے لگی۔

''تم کھچڑی کی نگرانی کرو، میں ابھی نہر پر اپنی چونچ دھو کر آتی ہوں۔''

کوا بولا۔

''اچھا جاؤ۔ میں نگرانی کرتا ہوں۔''

جب چڑیا نہر پر منہ دھونے چلی گئی تو کوے کا دل بے ایمان ہو گیا۔ اس نے سوچا۔ کیوں نہ میں اکیلا ہی ساری کھچڑی کھا جاؤں؟ یہ سوچ کر اس نے ساری کھچڑی کا ایک گولا سا بنایا' اسے اپنی چونچ میں پکڑا اور اڑ کر قریب ہی کیکر کے ایک بڑے درخت پر جا بیٹھا۔ ادھر چڑیا اپنی چونچ دھو کر خوشی خوشی واپس جا آئی تا کہ چل کے مزے سے کھچڑی کھائے لیکن جب واپس آئی تو سٹپٹا کر رہ گئی۔ اس نے دیکھا' ساری کھچڑی کوا لے اڑا تھا۔ اس نے پریشان ہو کر ادھر ادھر نگاہ دوڑائی تو دیکھا' کوا کیکر کے بڑے درخت پر بیٹھا ہوا تھا اور ساری کھچڑی کا گولا اس کی چونچ میں تھا۔ بڑی پچھتائی کہ کوا اس کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھا گیا ہے۔ اس نے کوے سے کہا۔

''اے کوے! نیچے آ کر کھچڑی میں سے میرا حصہ مجھے دو۔''

جواب میں کوا بولا۔

''اگر میں مونگ کا دانہ نہ لاتا تو کھچڑی کیسے بن سکتی تھی؟ اس لیے اس پر میرا حق ہے۔''

چڑیا نے کہا۔

''میں بھی تو چاول کا دانہ لائی تھی۔''

مگر کوا تو بے ایمانی پر تلا ہی بیٹھا تھا۔ کہنے لگا:

''اگر میں پانی نہ لاتا تو کھچڑی کیسے بنتی؟ میں تو اس میں سے تجھے کچھ بھی نہیں دوں گا۔ ساری کھچڑی اکیلا کھاؤں گا۔''

چڑیا نے اس کی بہت منت سماجت کی لیکن کوا نہ مانا اور یہی کہتا رہا کہ:

''ساری کھچڑی پر میرا حق ہے۔''

جب چڑیا نے دیکھا کہ اب کوا کسی طرح نہیں مانے گا۔ وہ ساری کھچڑی اکیلا ہی کھانے کا ارادہ کیے ہوئے ہے تو اس نے کیکر کے درخت سے درخواست کی۔

''اے کیکر کے درخت! تو کوے کو اڑا دے۔''

مگر کیکر کا درخت جواب میں کہنے لگا۔

''کوے نے میرا کیا بگاڑا ہے جو میں اسے اڑا دوں؟ میں اسے نہیں اڑاؤں گا۔''

چڑیا بے چاری کیا کر سکتی تھی؟ وہ مایوس ہو کر گانے لگی۔

کیکر کاں اُڈاوے ناں
کاں گلولہ سُٹے ناں
چڑیا وچاری کیہہ کرے
تے ٹھنڈا پانی پی مرے

(کیکر کا درخت اپنی شاخ سے کوے کو نہیں اڑاتا
کوا کھچڑی کا گولہ نیچے نہیں پھینکتا
اب چڑیا بیچاری کیا کرے

بس ٹھنڈا پانی پی کر مر جائے)

جب وہ کیکر کے درخت سے مایوس ہو گئی تو وہاں سے اڑ کر ایک بڑھئی کے پاس گئی اور اس کی منت کر کے کہنے لگی۔

''اے بڑھئی! تو چل کے کیکر کے درخت کو کاٹ دے۔''

جواب میں بڑھئی بولا۔

''کیکر کے درخت نے میرا کیا بگاڑا ہے جو میں اسے کاٹ دوں؟ میں ایسا نہیں کر سکتا۔''

چڑیا بڑھئی کا یہ جواب سن کر بڑی مایوس ہوئی اور پھر گانے لگی۔

ترکھان کیکر وڈھے ناں

کیکر کاں اُڈاوے ناں

کاں گلولہ سُٹے ناں

چڑیا وچاری کیہہ کرے

تے ٹھنڈا پانی پی مرے

(بڑھئی کیکر کا درخت کاٹنے پر راضی نہیں ہوتا

کیکر کا درخت اپنی شاخ سے کوے کو نہیں اڑاتا

کوا کھچڑی کا گولہ نیچے نہیں پھینکتا

اب چڑیا بیچاری کیا کرے

بس ٹھنڈا پانی پی کر مر جائے)

جب چڑیا نے یہ دیکھا کہ بڑھئی کسی طرح کیکر کا درخت کاٹنے پر راضی نہیں ہوتا تو وہ وہاں سے اڑی اور اڑتی ہوئی سیدھی راجہ کے پاس پہنچی۔ اس نے راجہ کی منت سماجت کرتے ہوئے کہا۔

''اے راجہ! تو بڑھئی کو قید کر دے۔''

لیکن راجہ نے جواب دیا۔

''بڑھئی نے میرا کیا بگاڑا ہے جو میں اسے قید کر دوں۔ میں کسی کو بے قصور نہیں پکڑ سکتا۔''

یہاں بھی چڑیا کی منت سماجت بیکار گئی اور راجہ بڑھئی کو گرفتار کرنے پر تیار نہ ہوا۔ دیکھ کر چڑیا پھر مایوس ہو کر گانے لگی۔

راجہ تر کھان بنھے ناں
تر کھان کیکر وڈھے ناں
کیکر کاں اُڈاوے ناں
کاں گلولہ سُٹے ناں
چڑیا وچاری کیہہ کرے
تے ٹھنڈا پانی پی مرے

(راجہ بڑھئی کو قید میں نہیں ڈالتا
کیکر کا درخت اپنی شاخ سے کوے کو نہیں اڑاتا
کوا کھچڑی کا گولہ نیچے نہیں پھینکتا
اب چڑیا بیچاری کیا کرے
بس ٹھنڈا پانی پی کر مر جائے)

جب چڑیا راجہ سے بھی مایوس ہو گئی تو وہ اڑ کر سیدھی رانی کے پاس گئی اور اس سے منت کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''اے رانی! تو اپنے راجہ سے ناراض ہو جا۔''

رانی نے جواب دیا۔

''مجھے راجہ نے کیا کہا ہے جو میں اس سے ناراض ہو جاؤں؟ میں بغیر کسی وجہ کے اس سے نہیں روٹھ سکتی۔''

رانی کا یہ جواب سن کر چڑیا کی مایوسی میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ اور وہ پھر گانے لگی۔

رانی راجہ رسے ناں
راجہ ترکھان بنھے ناں
ترکھان کیکر وڈھے ناں
کیکر کاں اُڈاوے ناں
کاں گلولہ سُٹے ناں
چڑیا وچاری کیہہ کرے
تے ٹھنڈا پانی پی مرے

(رانی راجہ سے روٹھنے کے لیے تیار نہیں ہوتی
راجہ بڑھئی کو قید میں نہیں ڈالتا
کیکر کا درخت اپنی شاخ سے کوے کو نہیں اڑاتا
کوا کھچڑی کا گولہ نیچے نہیں پھینکتا
اب چڑیا بیچاری کیا کرے
بس ٹھنڈا پانی پی کر مر جائے)

اس کے بعد چڑیا وہاں سے اڑی اور اڑتی ہوئی ایک سانپ کے پاس پہنچ گئی۔ اس نے سانپ کو خوشامد کرتے ہوئے اس سے کہا۔

''اے سانپ۔ تو رانی کو کاٹ لے۔''

جواب میں سانپ بولا۔

''مگر رانی نے میرا کیا بگاڑا ہے جو میں اسے کاٹ کھاؤں؟ میں اسے نہیں کاٹوں گا۔''

چڑیا کو یہاں بھی مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے سانپ کی بہتیری منت سماجت کی' ہاتھ پاؤں جوڑے لیکن سانپ نے رانی کو ڈسنے سے انکار کر دیا۔ اب چڑیا نے پھر مایوس ہو کر گانا شروع کر دیا۔

سپ رانی نوں ڈنگے ناں
رانی راجہ رسے ناں
راجہ ترکھان بھجے ناں
ترکھان کیکر وڈھے ناں
کیکر کاں اُڈاوے ناں
کاں گلولہ سُٹے ناں
چڑیا وچاری کیہہ کرے
تے ٹھنڈا پانی پی مرے

(سانپ رانی کو کاٹتا نہیں ہے
رانی راجہ سے روٹھنے کے لیے تیار نہیں ہوتی
راجہ بڑھئی کو قید میں نہیں ڈالتا
کیکر کا درخت اپنی شاخ سے کوے کو نہیں اڑاتا
کوا کھچڑی کا گولہ نیچے نہیں پھینکتا
اب چڑیا بیچاری کیا کرے
بس ٹھنڈا پانی پی کر مر جائے)

جب چڑیا سانپ سے بھی مایوس ہو گئی تو وہاں سے اڑ کر ایک بیل گاڑی کے پاس گئی اور اس سے بڑی خوشامد سے کہنے لگی۔

''اے بیل گاڑی! تو سانپ کو اپنے پہیوں تلے لے کر کچل دے۔''

بیل گاڑی نے جواب دیا۔

''میں سانپ کو کیوں کچلوں؟ اس نے میرا کیا بگاڑا ہے؟ میں اسے نہیں کچلوں گی۔''

چڑیا کو یہاں بھی ٹکا سا جواب ملا اور وہ پھر گانے لگی۔

گڈ اسپ لتاڑے ناں .

سپ رانی نوں ڈنگے ناں

رانی راجہ رسے ناں

راجہ ترکھان بنھے ناں

ترکھان کیکر وڈھے ناں

کیکر کاں اُڈاوے ناں

کاں گلولہ سُٹے ناں

چڑیا وچاری کیہہ کرے

تے ٹھنڈا پانی پی مرے

(بیل گاڑی سانپ کو کچلنے پر تیار نہیں ہوتی

سانپ رانی کو کاٹتا نہیں ہے

رانی راجہ سے روٹھنے کے لیے تیار نہیں ہوتی

راجہ بڑھئی کو قید میں نہیں ڈالتا

کیکر کا درخت اپنی شاخ سے کوے کو نہیں اڑاتا

کوا کھچڑی کا گولہ نیچے نہیں پھینکتا

اب چڑیا بیچاری کیا کرے

بس ٹھنڈا پانی پی کر مر جائے)

چڑیا کو یہاں بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اب وہ وہاں سے اڑ کر آگ کے پاس گئی۔

اور اس کی منت کر کے بولی۔

''اے آگ! تو بیل گاڑی کو جلا دے۔''

آگ نے جواب دیا۔

''بھلا بیل گاڑی نے میرا کیا نقصان کیا ہے جو میں اسے جلا دوں؟ میں ایسا نہیں کر سکتی۔''

آگ کا جواب سن کر چڑیا مایوس ہو کر پھر گانے لگی۔

اگ گڈے نوں ساڑے ناں
گڈا سپ لتاڑے ناں
سپ رانی نوں ڈنگے ناں
رانی راجہ رُسے ناں
راجہ ترکھان بنھے ناں
ترکھان کیکر وڈھے ناں
کیکر کاں اُداوے ناں
کاں گلولہ سُٹے ناں
چڑیا وچاری کیہہ کرے
تے ٹھنڈا پانی پی مرے

(آگ بیل گاڑی کو جلانے پر راضی نہیں ہوتی
بیل گاڑی سانپ کو کچلنے پر تیار نہیں ہوتی
سانپ رانی کو کاٹتا نہیں ہے
رانی راجہ سے روٹھنے کے لیے تیار نہیں ہوتی
راجہ بڑھئی کو قید میں نہیں ڈالتا

کیکر کا درخت اپنی شاخ سے کوے کو نہیں اڑاتا
کوا کھچڑی کا گولہ نیچے نہیں پھینکتا
اب چڑیا بیچاری کیا کرے
بس ٹھنڈا پانی پی کر مر جائے)

جب آگ نے بھی چڑیا کا کہنا نہ مانا تو وہ بے انتہا مایوس ہوگئی۔ آخر وہ وہاں سے بھی اڑی اور اُڑ کر ایک سقے کے پاس گئی۔ اس نے خوشامدانہ لہجہ میں سقے سے کہا۔

''اے سقے! تو پانی سے آگ کو بجھا دے۔''

لیکن سقے نے بھی اسے یہی جواب دیا۔

''آگ نے میرا کیا بگاڑا ہے جو میں اسے بجھا دوں؟ میں اسے نہیں بجھا سکتا۔''

چڑیا نے سقے کا یہ جواب سنا تو پھر مایوس ہو کر گانا شروع کر دیا۔

ماشکی آگ بجھاوے ناں
اگ گڈے نوں ساڑے ناں
گڈ اسپ لتاڑے ناں
سپ رانی نوں ڈنگے ناں
رانی راجہ رسے ناں
راجہ ترکھان بنھے ناں
ترکھان کیکر وڈھے ناں
کیکر کاں اُداوے ناں
کاں گلولہ سُٹے ناں
چڑیا وچاری کیہہ کرے
تے ٹھنڈا پانی پی مرے

(سقہ پانی سے آگ نہیں بجھاتا
آگ بیل گاڑی کو جلانے پر راضی نہیں ہوتی
بیل گاڑی سانپ کو کچلنے پر تیار نہیں ہوتی
سانپ رانی کو کاٹتا نہیں ہے
رانی راجہ سے روٹھنے کے لیے تیار نہیں ہوتی
راجہ بڑھئی کو قید میں نہیں ڈالتا
کیکر کا درخت اپنی شاخ سے کوے کو نہیں اڑاتا
کوا کھچڑی کا گولہ نیچے نہیں پھینکتا
اب چڑیا بیچاری کیا کرے
بس ٹھنڈا پانی پی کر مر جائے)

اب چڑیا بیچاری ہر طرف سے مایوس ہو چکی تھی۔ وہ جس کے پاس بھی گئی اس نے اس کی مدد کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے؟ کس کے پاس جائے؟ کس سے مدد چاہے؟ وہ کچھ دیر تک سوچتی رہی اور آخر اس کے ذہن میں ایک تجویز آئی۔ اس نے دل میں سوچا۔ یہ آخری کوشش بھی کر دیکھوں۔ ہو سکتا ہے میں کامیاب ہو جاؤں۔ یہ سوچ کر وہ وہاں سے اڑی اور سیدھی ایک چوہے کے پاس جا پہنچی۔ اس نے چوہے سے کہا۔

''اے چوہے! تو سقے کی مشک کتر دے۔''

چوہا کہنے لگا۔

''میرا اس نے کیا نقصان کیا ہے جو میں اسے کتروں؟ میں اسے نہیں کتر سکتا۔''

چڑیا اب تک تو اپنی مدد کے لیے صرف درخواست ہی کر رہی تھی اور اس نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ اس میں اسے ہر جگہ ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ چنانچہ اس نے قدرے چالاکی سے کام لیتے ہوئے چوہے سے کہا۔

''یاد رکھ! اگر تو نے سقے کی مشک نہ کتری تو میں بلی کو تیرا بل بتا دوں گی اور وہ کسی نہ کسی روز داؤ لگا کر تجھے کھا جائے گی۔''

چوہے نے جب بلی کا نام سنا تو واقعی گھبرا گیا۔ اس نے جلدی سے کہا۔

''تو بلی کو میرا بل نہ بتا۔ میں ابھی سقے کی مشک کتر دیتا ہوں۔''

اور پھر جب وہ سقے کی مشک کترنے لگا تو سقہ منت کرتے ہوئے بولا۔

''اے چوہے! تو میری مشک نہ کتر' میں ابھی آگ بجھا دیتا ہوں۔''

جب سقہ پانی سے آگ بجھانے لگا تو آگ اس کی خوشامد کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''اے سقے! تو مجھے نہ بجھا' میں ابھی بیل گاڑی کو جلا دیتی ہوں۔''

آگ بیل گاڑی کو جلانے لگی تو بیل گاڑی منت سماجت سے بولی۔

''اے آگ! تو مجھے نہ جلا' میں ابھی سانپ کو کچل دیتی ہوں۔''

بیل گاڑی سانپ کو کچلنے لگی تو سانپ ہاتھ جوڑ کر بولا۔

''اے بیل گاڑی! تو مجھے نہ کچل' میں ابھی رانی کو کاٹ لیتا ہوں۔''

جب سانپ رانی کو کاٹنے لگا تو رانی گڑگڑا کر کہنے لگی۔

''اے سانپ! تو مجھے نہ کاٹ' میں ابھی راجہ سے روٹھ جاتی ہوں۔''

جونہی رانی راجہ سے روٹھنے لگی' راجہ اس کی خوشامد کرتے ہوئے بولا۔

''اے رانی! تو مجھ سے نہ روٹھ' میں ابھی بڑھئی کو قید میں ڈال دیتا ہوں۔''

راجہ بڑھئی کو قید میں بند کرنے لگا تو بڑھئی بڑی عاجزی سے عرض کرنے لگا۔

''اے راجہ! مجھے قید میں مت ڈال' میں ابھی کیکر کے درخت کو کاٹ دیتا ہوں۔''

پھر بڑھئی کیکر کا درخت کاٹنے لگا تو وہ منت کرتے ہوئے بولا۔

''اے بڑھئی! تو مجھے نہ کاٹ' میں ابھی کوے کو اڑا دیتا ہوں۔''

اور جب کیکر کا درخت ہل ہل کر اور جھوم جھوم کر کوے کو اڑانے لگا تو کوا اس کی منت

سماجت کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''اے کیکر کے درخت! مجھے نہ اڑا' میں ابھی چڑیا کو کھچڑی میں سے آدھا حصہ دیئے دیتا ہوں۔''

اور کوے کی یہ بات سن کر چڑیا خوش ہو ہو کر گانے اور ناچنے لگی۔

چوہا مشک کترے گا
ماشکی آگ بجھاوے گا
اگ گڈے نوں ساڑے گی
گڈ اسپ لتاڑے گی
سپ رانی نوں ڈنگے گا
رانی راجہ رسے گا
راجہ ترکھان بنھے گا
ترکھان کیکر وڈھے گا
کیکر کاں اُڈاوے گا
کاں گلولہ سُٹے گا
چڑی وچاری جیوے گی
آپنی کھچڑی کھاوے گی

(اب چوہا اپنے دانتوں سے سقے کی مشک کتر دے گا
اب سقہ آگ بجھا دے گا
اب آگ بیل گاڑی کو جلا دے گی
اب بیل گاڑی سانپ کو کچل دے گی
اب سانپ رانی کو کاٹ لے گا

اب رانی راجہ سے روٹھ جائے گی
اب راجہ بڑھئی کو قید میں ڈال دے گا
اب بڑھئی کیکر کا درخت کاٹ دے گا
اب کیکر کا درخت اپنی شاخ سے کوے کو اڑا دے گا
اب کوا کھچڑی کا گولہ نیچے پھینک دے گا
اب چڑیا بیچاری خوشی خوشی زندگی گزارے گی
اور اپنی کھچڑی کھائے گی)

اس کے بعد کوا درخت سے اڑ کر نیچے آیا اور اس نے کھچڑی میں سے آدھا حصہ چڑیا کو دے دیا اور پھر دونوں نے مزے لے لے کر کھچڑی کھائی۔ اس وقت کوے کو واقعی اس بات کا احساس ہوا کہ کسی کا حق مار کے کھانے میں وہ لطف حاصل نہیں ہوتا جو کسی کا حق دے کر' صرف اپنی چیز سے حاصل کرتا ہے لیکن پھر بھی کہا جاتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد کبھی کسی چڑیا نے کسی کوے کے ساتھ ساجھا نہیں کیا۔ کیونکہ ساجھے کی ہنڈیا مشکل ہی سے پکتی ہے۔

.....o.....

# گائے اور کسان

کسی جگہ ایک کسان رہتا تھا۔ اس کا ایک بیٹا تھا جس سے میاں بیوی بہت پیار کرتے تھے۔ وہ ہنسی خوشی زندگی گذار رہے تھے کہ اچانک کسان کی بیوی بیمار پڑ گئی۔ علاج معالجہ کیا گیا مگر اس سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوا بلکہ وہ روز بروز اور بیمار ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ آہستہ آہستہ موت کے قریب پہنچ گئی۔ جب بیوی کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ اب اس کا بچنا محال ہے' زندگی کے دن پورے ہونے کو ہیں تو وہ اس خیال سے بہت پریشان ہوئی کہ میرے بعد میرے بیٹے کا کیا ہوگا؟ اگر گھر میں سوتیلی ماں آ گئی تو وہ نہ جانے اس سے کیسا سلوک کرے؟ چنانچہ جب اس کا آخری وقت آ پہنچا تو اس نے اپنے شوہر کو پاس بلا کر کہا۔

''دیکھو! میرا آخری وقت آ پہنچا ہے۔ تم مجھ سے ایک وعدہ کرو۔''

شوہر نے اسے جواب دیا۔

''کہو! کیا بات ہے؟ میں تمہاری ہر بات پوری کروں گا۔''

اس پر بیوی کہنے لگی۔

''تم مجھ سے یہ وعدہ کرو کہ میرے مرنے کے بعد دوسری شادی نہیں کرو گے۔''

کسان نے اس سے وعدہ کیا۔

''میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں تمہارے بعد دوسری شادی نہیں کروں گا۔''

بیوی اللہ کو پیاری ہوگئی اور کسان اپنے بیٹے کے ساتھ زندگی گذارنے لگا۔ اسے خود بھی اپنے بیٹے سے بہت محبت تھی اس لیے اس نے دوسری شادی کے بارے میں سوچا بھی نہ تھا۔ پھر اسے اپنا وہ وعدہ بھی یاد تھا جو اس نے اپنی بیوی سے کیا تھا لہٰذا جوں توں کر کے وقت بناتا رہا لیکن

آخر کب تک؟ وہ اپنی کھیتی باڑی کی دیکھ بھال کرتا یا گھر کا کام کاج سنبھالتا؟ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ زیادہ عرصہ تک اپنے ارادے پر قائم نہ رہ سکا اور اس نے دوسری شادی کر لی۔

دوسری بیوی کا گھر میں آنا تھا کہ وہاں کی دنیا ہی بدل گئی۔ اس کا پہلے ہی سے ایک بیٹا تھا۔ وہ اپنے سگے بیٹے سے بڑے پیار سے پیش آتی اور اس کے ناز نخرے اٹھاتی۔ اس کے برعکس سوتیلے بیٹے پر طرح طرح کی سختیاں کر کے اس سے نوکروں کی طرح کام لیتی۔ بات بات پر ڈانٹتی اور ذرا ذرا سی غلطی پر پیٹنے لگتی۔ وہ اپنے بیٹے کو چپڑی ہوئی روٹی اور دودھ مکھن کھلاتی مگر سوتیلے بیٹے کو باسی اور سوکھی روٹی دیتی اور وہ بھی اتنی کہ اس کا پیٹ بھی نہ بھرتا۔ وہ بیچارہ دل ہی دل میں کڑھتا اور جو روکھی سوکھی ملتی وہ کھا کر سو رہتا۔ کسان کی نئی بیوی اپنے بیٹے کے لیے نئے نئے کپڑے سلواتی اور ہر روز اسے نہلا دھلا کر پہناتی لیکن سوتیلے بیٹے کو پرانے اور میلے کچیلے کپڑوں پر ہی ٹرخا دیتی۔ سگا بیٹا دن بھر گھر اور محلّے میں کھیلتا کودتا اور سوتیلا بیٹا سارا دن مزدوروں کی طرح کام میں لگا رہتا۔ صبح ہوتے ہی اسے ڈھور ڈنگر دے کر باہر کھیتوں میں بھیج دیا جاتا' جہاں وہ سارا دن انہیں چراتا اور دن ڈھلنے پر گھر لے آتا۔ پھر ان کے لیے چارہ کاٹنے اور سانیاں بنانے میں لگ جاتا اس طرح وہ ہر وقت محنت مشقت میں مصروف رہتا تھا مگر یہ سب کچھ ہونے کے باوجود کسان کو اس کی کوئی پروا نہ تھی۔ دراصل نئی بیوی نے اسے اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ وہ نئی پہلی بیوی کو بھولنے کے ساتھ ساتھ اپنے بیٹے کو بھی نظر انداز کر بیٹھا تھا۔

اس طرح وقت گذر رہا تھا۔ سوتیلا بیٹا خاموشی سے اپنی سوتیلی ماں کے ظلم برداشت کرتا اور چپکے چپکے اپنی قسمت پر آنسو بہا کر رہ جاتا۔ وہ ایک روز حسبِ معمول اپنے گائے بھینس چرانے کے لیے کھیتوں میں گیا ہوا تھا کہ اسے شدت کی بھوک لگی۔ آج اس کی سوتیلی ماں نے اسے باسی روٹی بھی نہیں دی تھی۔ وہ بھوک سے بے تاب ہو کر رونے لگا۔ اس کے قریب ہی ان کی چتکبری گائے چر رہی تھی جسے وہ بہت پیار کرتا تھا۔ اس گائے نے اسے اس طرح بلک بلک کر روتے دیکھا تو اس کے قریب آ کر پوچھنے لگی۔

''بیٹا! تم اس طرح کیوں رو رہے ہو؟''

جواب میں لڑکے نے اسے ساری بات بتا دی کہ اس طرح میری سوتیلی ماں مجھ پر سختیاں کرتی ہے۔ اپنے بیٹے کو چنگا چوکھا کھانے کو دیتی ہے لیکن مجھے سوکھی باسی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں دیتی۔ اور آج اس نے مجھے باسی روٹی بھی نہیں دی۔ گائے نے اس کی بات سنی تو اسے اس پر بہت ترس آیا۔ اس نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''تم گھبراؤ نہیں۔ اللہ تمہاری مدد کرے گا۔''

اس کے بعد وہ بولی۔

''ٹھہرو! میں ابھی آتی ہوں۔''

گائے اتنا کہہ کر ایک طرف کو چلی گئی اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد واپس آئی تو اس کے ساتھ بہت سی مٹھائی بھی تھی۔ اس نے وہ مٹھائی لڑکے کو دے کر کہا۔

''لو! پیٹ بھر کر کھاؤ۔ میں تمہیں روز اسی طرح مٹھائی کھلایا کروں گی۔''

لڑکے نے جی بھر کے مٹھائی کھائی۔ کہاں اسے سوکھی باسی روٹی بھی پیٹ بھر کر کھانے کو نہ ملتی تھی اور کہاں طرح طرح کی مٹھائی مل گئی تھی۔ وہ سیر ہو گیا اور جب وہ مٹھائی کھا چکا تو چتکبری گائے نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''ایک بات یاد رکھنا۔ اپنی سوتیلی ماں سے اس کا کبھی ذکر نہ کرنا۔ ورنہ وہ ناراض ہو گی اور تم پر زیادہ سختی کرنے لگے گی۔''

''نہیں! میں اسے ہرگز نہیں بتاؤں گا۔''

لڑکے نے اسے یقین دلایا۔

اب لڑکے کو اس بات کی پروا بھی نہ تھی کہ اس کی ماں کھانے کو دیتی ہے یا نہیں۔ وہ روزانہ جب اپنی گائیں بھینسیں چرانے کے لیے کھیتوں میں نکل جاتا تو چتکبری گائے اس کے لیے طرح طرح کی مٹھائی لے آتی جسے وہ مزے سے کھاتا۔ اس طرح روز تازہ اور مزیدار

مٹھائیاں کھانے سے اس کی صحت بھی اچھی ہوگئی اور وہ چند ہی روز میں موٹا تازہ نظر آنے لگا۔ دوسری طرف اس کی سوتیلی ماں اسے دیکھ کر بہت حیران تھی کہ وہ اپنے سگے بیٹے کو دودھ بالائی اور مکھن کے ساتھ چپڑی ہوئی روٹی کھلاتی ہے مگر وہ اتنا صحت مند نہیں ہے جتنا کہ سوتیلا بیٹا ہے حالانکہ اسے صرف باسی روٹی دی جاتی ہے۔ اسے کچھ شک پڑ گیا۔ اس نے اپنے دل میں سوچا' ہو نہ ہو یہ باہر جا کر بھینسوں کا دودھ پی لیتا ہے' اسی لیے اس کی صحت روز بروز اچھی ہوتی جا رہی ہے۔ اس نے سوتیلے بیٹے کو خوب مارا اور جب شام کو کسان آیا تو اس نے اس سے شکایت کی۔

''تمہارا بیٹا روزانہ چوری چوری بھینسوں کا دودھ پی جاتا ہے۔''

کسان پوچھنے لگا۔

''تمہیں کیسے معلوم ہوا؟''

دیکھتے نہیں' یہ روز بروز کیسے موٹا ہوتا جا رہا ہے۔ یہ یقیناً باہر جا کر بھینسوں کا دودھ دھو کر پی لیتا ہے اور اسی لیے اس کی صحت اتنی اچھی ہوگئی ہے۔

کسان تو پہلے ہی بیوی کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ اس نے جب یہ بات سنی تو وہ بھی بیٹے پر برس پڑا اور اس کی خوب پٹائی کی۔ لڑکے نے بہتیرا کہا کہ میں دودھ نہیں پیتا لیکن اس کی سنتا کون تھا؟ بلکہ اس کی سوتیلی ماں کہنے لگی۔

''ایک تو چوری کرتا ہے' اوپر سے جھوٹ بول رہا ہے۔''

وہ بیچارہ پٹ پٹا کے خاموش ہو رہا مگر سوتیلی ماں کا غصہ ابھی ختم نہ ہوا تھا۔ وہ اسی کھوج میں تھی کہ کسی روز اس کی چوری کا کوئی ثبوت ملے تو دل کھول کر اس کی مرمت کرے۔ چنانچہ ایک روز اس نے اپنے سگے بیٹے سے بڑی راز داری سے کہا۔

''آج تم اس کے ساتھ جاؤ۔ جب کھیتوں میں پہنچ جاؤ تو تم ادھر ادھر ہو جانا اور چھپ کر دیکھتے رہنا کہ یہ بھینسوں کا دودھ پیتا ہے یا نہیں؟''

اس کے بعد اس نے سوتیلے بیٹے سے کہا۔

''آج تمہارا بھائی بھی بھینسیں چرانے کے لیے تمہارے ساتھ جائے گا۔ اس کا خیال رکھنا۔''

وہ اس بات سے قطعی بے خبر تھا کہ اس کی سوتیلی ماں اپنے بیٹے کو اس کے ساتھ کیوں بھیج رہی ہے' اس لیے بہت خوش ہوا کہ چلو دونوں ہوں گے تو وقت اچھا کٹے گا۔ وہ بولا۔

''اچھا ماں! میں اسے ساتھ لے جاؤں گا۔''

وہ دونوں ڈھور ڈنگر لے کر کھیتوں میں چلے گئے اور جب دوپہر ہوگئی تو حسبِ معمول گائے مٹھائی لائی۔ اس نے خود بھی کھائی اور ساتھ اپنے سوتیلے بھائی کو بھی کھلائی۔ جب وہ واپس گھر کی طرف چلنے لگے تو اس نے اسے تاکید کی۔

''یہ بات ماں کو نہ بتانا کہ ہم نے مٹھائی کھائی تھی۔ چتکبری گائے مجھے روز اسی طرح قسم قسم کی مٹھائی لا کر دیتی ہے۔ اگر تم روزانہ آؤ تو تمہیں بھی اسی طرح کھانے کو ملے۔''

اس کے سوتیلے بھائی نے اس وقت تو اس سے وعدہ کر لیا کہ وہ یہ بات کسی کو نہیں بتائے گا مگر گھر آ کر اس نے سب کچھ اپنی ماں کو بتا دیا کہ اس طرح چتکبری گائے روزانہ اسے مٹھائی لا کر دیتی ہے جسے کھا کر یہ موٹا تازہ ہوتا جا رہا ہے۔ یہ سنتے ہی کسان کی بیوی کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس نے اسی وقت سوتیلے بیٹے کو بلا کر اسے خوب مارا اس کے ساتھ ہی ساتھ ڈنڈا لے کر چتکبری گائے کو بھی جی بھر کے پیٹا۔ پھر جب شام ہوئی اور کسان کے گھر آنے کا وقت ہو گیا تو وہ ایک ٹوٹی ہوئی چارپائی لے کر پڑ گئی۔ جونہی کسان نے گھر میں قدم رکھا تو دیکھا بیوی الٹوائی کھٹوائی لیے پڑی ہے۔ وہ سوچنے لگا، ضرور کوئی بات ہوئی ہے۔ شاید کسی نے اسے برا بھلا کہا ہے۔ ادھر بیوی نے اسے آتے دیکھا تو ہائے میں لٹ گئی کا شور کرنے لگی۔ کسان بڑا گھبرایا۔ اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر پوچھا۔

''آخر تمہیں ہوا کیا ہے؟ کچھ مجھے بھی تو بتاؤ۔''

جواب میں اس کی بیوی ہائے وائے کرتے ہوئے بولی۔

''تم جب تک اپنی چتکبری گائے کو فروخت نہیں کرو گے میں اس وقت تک زندہ نہیں رہ سکتی۔''

کسان حیران ہو کر پوچھنے لگا۔

''مگر گائے نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟''

اس نے اس پر اور بھی مکر سے کراہتے ہوئے کہا۔

''اگر تم یہ گائے نہیں بیچو گے تو میں کچھ کھا کے مر جاؤں گی۔ جب تک تم اسے فروخت نہیں کرو گے میں اس وقت تک نہ کچھ کھاؤں پیوں گی اور نہ سوؤں گی۔''

کسان نے جب یہ دیکھا کہ وہ اپنی ضد پر اڑ گئی ہے تو اسے تسلی دیتے ہوئے بولا۔

''تم فکر نہ کرو۔ میں کل ہی اس گائے کو بیچ دوں گا۔''

لڑکا اپنی ماں اور باپ کی ساری باتیں سن رہا تھا۔ اس نے جب یہ سنا کہ اس کا باپ کل چتکبری گائے کو بیچ ڈالے گا تو وہ بہت گھبرایا۔ وہی تو اس کا ایک سہارا تھی۔ وہ اداسی اور غمگین تھا۔ چنانچہ جب رات ہو گئی اور گھر کے لوگ سو گئے تو وہ چپکے سے اٹھ کر گائے کے پاس گیا اور اس کے گلے سے لپٹ کر رونے لگا۔ اسے اس طرح بلک بلک کر روتا دیکھ کر گائے بڑی حیران ہوئی۔ اس نے سوچا' ہو سکتا ہے آج پھر سوتیلی ماں نے اسے پیٹا ہو۔ وہ اسے دلاسا دیتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''بیٹا! تمہیں کیا ہوا ہے؟ تم اس قدر کیوں رو رہے ہو؟''

جواب میں لڑکے نے ہچکیاں لیتے ہوئے گائے کو وہ تمام گفتگو بتا دی جو اس کی ماں اور باپ کے درمیان ہوئی تھی۔ پھر اس نے یہ بھی بتایا کہ اس کے سوتیلے بھائی نے گھر آ کر ماں کو بتا دیا تھا کہ چتکبری گائے اسے روزانہ مٹھائی کھلاتی ہے اور اسی بات پر ناراض ہو کر یہ سب کچھ ہوا ہے۔ یہ بتانے کے بعد وہ روتے ہوئے بولا۔

''اب کل تمہیں میرا باپ بیچ ڈالے گا۔ پھر میں اکیلا رہ جاؤں گا۔''

گائے ساری بات سمجھ گئی۔ اس نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''تم فکر نہ کرو۔ اللہ ہماری مدد کرے گا۔''

پھر وہ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد بولی۔

''تم جلدی کرو اور میری پیٹھ پر بیٹھ جاؤ۔ میں تمہیں ایسی جگہ لے چلتی ہوں جہاں ہمیں کوئی تلاش نہیں کر سکے گا اور ہم دونوں اکٹھے رہیں گے۔''

لڑکے نے جلدی جلدی گائے کا رسا کھولا' خود اس کی پیٹھ پر بیٹھ گیا اور چتکبری گائے چپکے سے اسے لے کر گھر سے نکل گئی اور وہ راتوں رات سفر کرتے ہوئے دور ایک جنگل میں پہنچ گئے جہاں دونوں رہنے لگے۔

انہیں جنگل میں رہتے ہوئے عرصہ ہو چکا تھا۔ گائے کا یہ معمول تھا کہ وہ ادھر اُدھر چر کر پیٹ بھر لیتی اور لڑکا اس کا دودھ پی کر اپنی بھوک مٹا لیتا۔ روزانہ دونوں وقت لڑکا جتنا دودھ پی سکتا' پی لیتا اور جو باقی بچتا وہ سارا قریب ہی ایک بل میں ڈال دیتا۔ اس طرح ایک عرصہ سے وہ اس بل میں دودھ ڈال رہا تھا۔ اتفاق کی بات یہ کہ اس بل میں بہت بڑا سانپ رہتا تھا جو سانپوں کا بادشاہ تھا۔ وہ اپنی جگہ بڑا حیران تھا کہ یہ اس کے بل میں دونوں وقت دودھ کون ڈالتا ہے؟ یہ میرا محسن کون ہے جو مجھ پر اس قدر مہربانی کر رہا ہے۔ ایک روز اس نے اپنے دل میں سوچا۔

''آج بل سے باہر نکل کر اپنے محسن کو دیکھنا چاہیے۔ وہ بغیر کسی لالچ کے میری اس طرح خدمت کر رہا ہے اور عرصہ سے دونوں وقت تازہ دودھ پلا رہا ہے۔''

یہی سوچ کر وہ اپنے بل سے باہر نکل آیا۔ اس نے دیکھا تو وہاں ایک طرف ایک لڑکا بیٹھا ہوا تھا اور اس کے قریب ہی ایک گائے چر رہی تھی۔ سانپ اسے دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ یقیناً یہی گائے مجھے روزانہ دودھ پلاتی ہے۔ وہ اس کے پاس گیا اور بولا۔

''تم ایک مدت سے میری خدمت کر رہی ہو میں تم سے بہت خوش ہوں۔''

پھر وہ قدرے اور قریب ہو کر کہنے لگا۔

''میں سانپوں کا بادشاہ ہوں اور چاہتا ہوں کہ تمہارے احسان کا بدلہ چکاؤں۔ مجھے

بتاؤ تمہاری کیا تمنا ہے؟''

گائے نے سانپ کی ساری بات سن کر جواب دیا۔

''اگر تم میری تمنا پوری کرنا چاہتے ہو تو وہ صرف ایک ہے۔''

وہ کیا؟ مجھے بتاؤ میں اسے ضرور پورا کروں گا۔ تم نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔

سانپ کے اتنا کہنے پر گائے نے کہا۔

''میری صرف یہ تمنا ہے کہ میرے بیٹے کا تمام لباس سونے کا ہو جائے اور اس کا جسم سر سے لے کر پاؤں تک سونے کی طرح چمکنے لگے۔''

سانپ چمکنے لگے۔

سانپ جھٹ سے بولا۔

''تمہارا بیٹا اسی طرح ہو جائے گا۔''

اور پھر گائے نے دیکھا کہ کسان کا بیٹا سر سے لے کر پاؤں تک سونے کی طرح چمک رہا تھا اور اس کے تمام کپڑے سونے کے بن چکے تھے۔ اس کے بعد سانپ واپس اپنے بل میں چلا گیا۔ گائے اور کسان کا بیٹا دونوں پھر اسی طرح رہنے لگے۔

وقت گذرتا گیا اور اب لڑکا جوان ہو چکا تھا۔ ایک روز وہ دریا کے کنارے نہا رہا تھا۔ اس نے نہانے کے بعد سر میں کنگھی کی تو اس کے سونے کی طرح چمکتے ہوئے چند بال ٹوٹ کر کنگھی کے دندانوں میں پھنس گئے۔ اس نے کنگھی صاف کر کے ٹوٹے ہوئے بال دریا میں پھینک دیئے جہاں انہیں ایک مچھلی نے نگل لیا۔ کسان کا بیٹا تو نہا کر واپس آ گیا لیکن وہ مچھلی تیرتی ہوئی نہ جانے کہاں سے کہاں نکل گئی۔ دریا میں ایک جگہ کسی مچھیرے نے جال پھیلا رکھا تھا۔ وہ مچھلی دوسری مچھلیوں کے ساتھ اس میں پھنس گئی۔ مچھیرا مچھلیاں پکڑنے کے بعد انہیں فروخت کرنے کے لیے شہر گیا۔ جہاں بادشاہ کے باورچی اسے خرید کر شاہی محل میں لے گئے۔ جب انہوں نے پکانے کے لیے کاٹ کر اس کا پیٹ صاف کرنا چاہا تو اس میں سے سونے کی طرح چمکتے ہوئے سنہری بال

نکلے جنہیں دیکھ کر شاہی خادم حیران رہ گئے۔اس بادشاہ کی ایک چندے آفتاب چندے مہتاب بیٹی تھی۔اس نے جب یہ بال دیکھے تو دل میں سوچنے لگی۔

جس آدمی کے بال اس قدر حسین ہیں وہ خود نہ جانے کتنا خوبصورت ہوگا؟

اس نے اپنے باپ سے کہا۔

جب تک وہ نوجوان نہیں آئے گا جس کے یہ بال ہیں میں خوش نہیں رہ سکتی۔اگر وہ نہیں آیا تو میں خودکشی کرلوں گی۔

بادشاہ شہزادی کی ضد سے مجبور ہوگیا۔اس نے اسی وقت حکم دیا کہ جیسے بھی ہو اس نوجوان کو تلاش کیا جائے جس کے یہ بال ہیں۔

جو خادم مچھلی خرید کر لائے تھے وہ اسی وقت اس مچھیرے کیپاس گئے اور اس سے دریافت کیا۔

تم نے یہ مچھلی کہاں سے پکڑی تھی؟

وہ بیچارا ڈر گیا۔ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا۔

''حضور! میں نے اسے دریا میں سے پکڑا تھا۔''

مختلف لوگوں کو کشتیوں میں روانہ کر دیا گیا کہ جس طرح بھی ہو اس نوجوان کو ڈھونڈا جائے۔کچھ کشتیاں دریا کے بہاؤ کی طرف چل نکلیں اور کچھ لوگ بہاؤ کی مخالف سمت میں روانہ ہو گئے۔اس طرح کئی دنوں کی مسلسل تلاش وجستجو کے بعد ایک کشتی اسی جگہ پہنچ گئی جہاں جنگل میں سے دریا گذرتا تھا اور جہاں آج بھی کسان کا بیٹا کنارے پر بیٹھا نہا رہا تھا۔کشتی میں بیٹھے ہوئے شاہی ملازموں نے اسے دور ہی سے دیکھ لیا تھا۔اس کا سونے کی طرح چمکتا ہوا جسم سورج کی کرنوں میں چمک رہا تھا۔وہ کشتی کھیتے ہوئے اس کے قریب آ گئے اور سوچنے لگے۔

''اسے کسی بہانے سے پکڑا جائے؟''

آہستہ آہستہ ان کی کشتی دریا کے کنارے کے پاس وہیں پہنچ گئی جہاں وہ نہا رہا تھا۔

جب وہ اس کے قریب آ گئے تو ایک آدمی نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''اے نوجوان! تم ذرا دریا میں اتر کر ہماری کشتی کو تھوڑا کھینچ دو تا کہ ہم کنارے کے ساتھ لگ سکیں۔''

اسے کیا معلوم تھا کہ یہ اسے ہی پکڑنے آئے ہیں اور کشتی کو کھینچنا محض ایک بہانہ ہے' لہٰذا وہ پانی میں کود کر کشتی کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ پھر جوں ہی اس نے کشتی کو کھینچنے کے لیے ہاتھ آگے بڑھائے، کشتی میں بیٹھے ہوئے آدمیوں نے جلدی سے اسے کھینچ کر اوپر اٹھا لیا۔ اس نے گھبرا کر اپنے آپ کو چھڑانے کے لیے بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے مگر اکیلا، اتنے آدمیوں کے سامنے بے بس تھا۔ شاہی خادموں نے جلدی جلدی اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے اور اسے ساتھ لے کر واپس روانہ ہو گئے۔

کسان کے بیٹے کو بادشاہ کے حضور میں پیش کر دیا گیا۔ شہزادی نے اسے دیکھا تو اس پر دل و جان سے فدا ہو گئی۔ ادھر کسان کے بیٹے نے جب حسین و جمیل شہزادی کو اپنے اوپر اس طرح مرتے ہوئے دیکھا تو وہ بھی اس پر عاشق ہو گیا۔ دونوں ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہو گئے اور پھر چند ہی روز بعد کسان کے بیٹے کی شہزادی سے شادی ہو گئی۔ اس کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہ آ سکتی تھی کہ کبھی وہ شہزادوں کی طرح زندگی گذارنے لگے گا۔ کہاں سوتیلی ماں کے مظالم اور کہاں شاہی محلوں کا عیش؟ وہ خوشیوں میں یہ بھی بھول گیا کہ اسے یہ تمام خوشیاں اور زندگی ایک غریب گائے کی وجہ سے ملی ہے۔ وہ اپنے ماضی کو بھول چکا تھا اور اب شہزادہ بن کے شاہی محلوں میں رہ رہا تھا۔

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک روز کسان کے بیٹے کو جو اب شہزادہ بن چکا تھا' کسی نے مٹھائی پیش کی۔ اس نے مٹھائی میں سے ایک ٹکڑی اٹھا کر منہ میں رکھ لی۔ مٹھائی کا منہ میں رکھنا تھا کہ وہ چکرا سا گیا۔ اس کا ذائقہ بالکل ویسا ہی تھا جیسا کہ گائے کی دی ہوئی مٹھائی کا ہوتا تھا۔ اسے اپنی چتکبری گائے یاد آ گئی۔ جس نے اس کی جان بچائی تھی اور جس کی وجہ سے وہ اس

مرتبے تک پہنچا تھا اور جس کی وجہ سے وہ اس مرتبے تک پہنچا تھا۔ وہ دل میں بڑا نادم ہوا کہ میں نے خوش حالی میں اپنے اس ساتھی کو بھلا دیا جس نے ہر مصیبت میں میرا ساتھ دیا۔ یہ یاد آتے ہی پشیمانی میں اسے کچھ نہیں سوجھ رہا تھا۔ اس نے اسی وقت خادموں سے کہا۔

''مجھے ایک ضروری کام کے لیے سفر پر جانا ہے۔ ابھی سفر کی تیاری کی جائے'' اور پھر وہ اپنے چند خادموں کو ساتھ لے کر سفر پر روانہ ہو گیا۔ چند ہی روز میں وہ اسی جنگل میں اور اسی جگہ پہنچ گیا جہاں کبھی وہ اپنی وفادار چتکبری گائے کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ وہاں پہنچ کر اس نے بے تابی اور بے قراری سے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں مگر اسے گائے کہیں نظر نہ آئی۔ اچانک اس نے دیکھا تو ایک طرف کسی جانور کی چند ہڈیاں بکھری پڑی تھیں۔ یہ دیکھ کر وہ سمجھ گیا کہ یہ ہڈیاں میری گائے کی ہیں جو بیچاری نہ جانے کب کی مر چکی ہے۔ وہ دل میں سوچنے لگا۔

''کاش! میں اتنا احسان فراموش نہ ہوتا!''

مگر اب پچھتانے سے کیا ہو سکتا تھا؟ اس نے آنسو بہاتے ہوئے وہ تمام بکھری ہوئی ہڈیاں جمع کیں اور پھر ایک گڑھا کھود کر انہیں اس میں دفن کر دیا۔ وہ افسردہ کھڑا ابھی تک اپنی غلطی پر پشیمان تھا۔ اس نے سوچا۔

''میں نے احسان فراموشی کی ہے۔ میری سزا یہی ہے کہ میں بھی مر جاؤں۔''

یہ سوچتے ہی اس نے اپنا خنجر نکالا اور ابھی اپنے سینے میں گھونپنے ہی لگا تھا کہ پیچھے سے آواز آئی۔

''میرے بیٹے! ٹھہر جاؤ۔''

اس نے جلدی سے پلٹ کر دیکھا تو اس کی چتکبری گائے کھڑی اسے پیار سے دیکھ رہی تھی۔ وہ بھاگ کے گلے سے لپٹ گیا اور ندامت کے آنسو بہانے لگا۔ یہ دیکھ کر گائے بولی۔

''میں نے یہ ہڈیاں محض تمہیں آزمانے کے لیے یہاں رکھی تھیں۔ میں یہ دیکھنا چاہتی

تھی کہ تمہارے دل میں میری محبت ہے یا نہیں؟ یہ آزمائش تھی جس میں تم پورے اترے ہو۔''

کسان کے بیٹے نے کچھ دیر گائے کو جی بھر کے پیار کیا اور پھر کہنے لگا۔

''اب تم میرے ساتھ محل میں چل کے رہو۔''

مگر گائے نے جواب دیا۔

''نہیں بیٹا! میری نیکی یہیں تک تھی۔ میں نے اپنا فرض پورا کر دیا۔ اب یہ تمہارا کام ہے کہ اس نیکی اور بھلائی کو آگے بڑھاؤ۔''

اتنا کہہ کر اس نے پیار سے کسان کے بیٹے کی طرف دیکھا اور بولی۔

''اللہ نے تمہاری ساری مصیبتیں دور کر دی ہیں۔ اب تم دوسروں کی مصیبتوں میں کام آؤ تاکہ نیکی کا سلسلہ آگے بڑھے اور ہمیشہ قائم رہے۔''

چتکبری گائے نے اتنا کہا اور جنگل کی طرف چلی گئی کسان کا بیٹا تھوڑی دیر تک وہیں کھڑا اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا اور جب وہ آنکھوں سے اوجھل ہو گئی تو وہ بھی اپنے خادموں کے ساتھ واپس شہر کی طرف چل دیا۔

.....o.....

# چالاک بندر

پرانے زمانے کا ذکر ہے۔ کسی جگہ ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اس بادشاہ کے سات بیٹے تھے اور اس نے یہ طے کیا تھا کہ اسی بادشاہ کے ہاں اپنے بیٹوں کی شادی کرے گا جس کے ہاں سات شہزادیاں ہوں گی۔ اس نے اپنے وزیر خاص سے اپنے ارادے کا ذکر کیا تو وہ سر جھکا کر بولا:

''جہاں پناہ! درست سوچا ہے۔ ایسا ہی ہونا چاہیے۔''

وزیر کو اپنا حامی پا کر بادشاہ نے حکم دیا۔

''آج ہی ایلچی روانہ کر دیئے جائیں تا کہ وہ کوئی ایسی سلطنت تلاش کریں جہاں سات شہزادیاں ہوں۔''

''بہتر عالی جاہ! آج ہی حضور کے حکم کی تعمیل کر دی جائے گی۔''

وزیر نے دست بستہ عرض کیا۔ اس پر بادشاہ کہنے لگا۔

''اگر کسی بادشاہ کی سات بیٹیاں ہوں تو جو ایلچی وہاں پہنچے اسے تاکید کر دی جائے کہ وہ شادی کی تاریخ بھی طے کرتا آئے۔ ہم شہزادوں کی شادی میں تاخیر نہیں کرنا چاہتے۔''

وزیر نے پھر سر جھکا کر کہا۔

''حضور اطمینان رکھیں۔ ایسا ہی کیا جائے گا۔''

چنانچہ اسی وقت چند ایلچی تیار کیے گئے اور انہیں ضروری ہدایات اور زاد سفر دے کر چاروں طرف روانہ کر دیا گیا تا کہ وہ بادشاہ کی مرضی کے مطابق شہزادوں کے لیے رشتہ تلاش کریں۔ ایلچیوں نے کچھ عرصہ کی مہلت چاہی اور مختلف ملکوں کے سفر پر روانہ ہو گئے۔

کئی ہفتے گزر گئے۔ تمام ایلچی مختلف سلطنتوں میں گھومتے رہے مگر ابھی تک انہیں کوئی ایسا بادشاہ نہ مل سکا تھا جس کی سات بیٹیاں ہوں۔ سب ایلچی اپنی اپنی جگہ پریشان تھے کہ اگر ناکام واپس گئے تو نہ جانے بادشاہ ان سے کیا سلوک کرے۔ وہ بادشاہ کی طبیعت سے اچھی طرح واقف تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ ان کی ناکامی ان کی سزا کا باعث بھی بن سکتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ہر ایلچی اپنے طور پر اسی کوشش میں لگا ہوا تھا کہ کسی نہ کسی طرح کوئی بادشاہ مل جائے جہاں ساتوں شہزادوں کی ایک ساتھ شادی ہو سکے۔ جب ان کی مہلت میں چند ہی روز باقی رہ گئے تو آخر کار ایلچی ایسی سلطنت میں جا پہنچا جہاں کے بادشاہ کی سات بیٹیاں تھیں۔ اتفاق کی بات کہ اسی بادشاہ کے ہاں بیٹیوں کی شادی کرے گا جس کے سات شہزادے ہوں گے۔ اب جو اس نے ایلچی سے یہی پیغام سنا تو بہت خوش ہوا۔ سوچنے لگا' خدا نے خود بخود اس کی یہ تمنا پوری کر دی ہے۔ اس نے ایلچی کو بڑی عزت کے ساتھ دربار میں جگہ دی اور پھر اس سے کہا۔

''بادشاہ سلامت کو ہماری طرف سے سلام عرض کر کے کہا جائے کہ ہمیں ان کا پیغام منظور ہے۔''

اسی وقت ساتوں شہزادوں کی بارات کے لیے تاریخ مقرر کر دی گئی اور بادشاہ نے بہت سے تحفے تحائف دے کر ایلچی کو رخصت کر دیا۔

ایلچی نے اپنے ملک واپس جا کر بادشاہ کو رشتے ملنے کی خوش خبری سنائی تو وہ بہت خوش ہوا۔ اس نے ایلچی کو انعام واکرام سے نوازا اور حکم دیا۔

''آج ہی سے شہزادوں کی شادی کی تیاریاں شروع کر دی جائیں۔''

جس روز ساتوں شہزادوں کی بارات جانے والی تھی اور تمام انتظامات مکمل ہو گئے تھے تو سب سے چھوٹا شہزادہ کچھ سوچ کر اپنے باپ سے کہنے لگا۔

''جہاں پناہ! اگر ہم ساتوں بھائی ایک ساتھ بارات لے کر چلے گئے اور ظاہر ہے حضور بھی اپنے امیروں وزیروں سمیت ہمارے ساتھ ہوں گے' اس طرح پیچھے سلطنت کا کاروبار کون

چلائے گا؟''

چھوٹے شہزادے کی یہ بات سن کر بادشاہ بھی سوچ میں پڑ گیا۔ بات معقول تھی۔

تم ٹھیک کہتے ہو۔ یہ تو ہم نے سوچا ہی نہ تھا۔

وزیر نے بھی تائید کرتے ہوئے کہا۔

''عالی جاہ! چھوٹے شہزادے نے واقعی بہت دور اندیشی کی بات کی ہے۔''

بادشاہ سوچنے لگا تو چھوٹا شہزادہ تجویز پیش کرتے ہوئے بولا۔

''اگر حضور میری تجویز مانیں تو چھ بھائیوں کی بارات لے جائیں۔ میں پیچھے سلطنت کے کاموں کی دیکھ بھال کے لیے رہ جاتا ہوں۔ اس طرح تخت خالی نہیں رہے گا۔''

مگر تمہاری شادی کا کیا ہوگا؟ ہم تو ساتوں بیٹوں کی شادی ایک ساتھ کرنا چاہتے ہیں۔

بادشاہ کے اس سوال پر شہزادے نے کہا۔

''آپ میری انگشتری اور رومال ساتھ لے جائیں اور میری شادی میری غیر حاضری میں کر کے میری دلہن کو بھی دوسرے بھائیوں کی دلہنوں کے ساتھ لیتے آئیں۔ اس طرح آپ کی تمنا بھی پوری ہو جائے گی۔''

شہزادے کا یہ حل سب کو پسند آیا۔ لہٰذا بادشاہ اپنے امیروں وزیروں کے ساتھ چھ شہزادوں کی بارات لے کر چل دیا اور چھوٹا شہزادہ سلطنت کے امور کی دیکھ بھال کی خاطر اپنے ملک میں رہ گیا۔

شادی کے روز چھ شہزادوں کے ساتھ ساتھ چھوٹے شہزادے کی انگشتری اور رومال سے چھوٹی شہزادی کی شادی کر دی گئی اور بادشاہ اپنے ساتوں بیٹوں کی دلہنوں کو لے کر واپس اپنی سلطنت کی طرف چل دیا۔ وہ سفر کرتے ہوئے چلے آ رہے تھے کہ راستے میں ایک جگہ شام ہو گئی۔ سب نے آپس میں طے کیا کہ رات یہیں کہیں بسر کر لی جائے۔ صبح ہونے پر پھر سفر پر چل دیں گے۔ جہاں انہیں شام ہوئی تھی ایک جنگل تھا۔ انہوں نے وہاں قریب ہی پانی کا ایک تالاب دیکھا

تھا اور اس کے ساتھ ڈیرے ڈال دیئے۔ انہیں اس بات کا اندازہ بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ جس جنگل میں وہ پڑاؤ ڈال رہے ہیں، وہ ایک خطرناک جنگل ہے۔ اس بات کا اندازہ انہیں اس وقت ہوا جب رات ہوئی اور چاروں طرف سے بہت سے شیروں نے آ کر ان کو گھیرے میں لے لیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر سب لوگ گھبرا گئے۔ ایک دو شیر ہوتے تو وہ ان کو مار بھی سکتے تھے مگر وہاں تو ان گنت شیروں نے انہیں اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اب کیا کریں؟ اتنے میں شیروں نے ان سے کہا۔

''اگر تم ہماری ایک شرط پوری کر دو تو ہم تم لوگوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ ورنہ ہم سب کو کھا جائیں گے اور تم میں سے ایک بھی زندہ نہیں بچے گا۔''

بادشاہ نے جلدی سے پوچھا۔

''تمہاری وہ شرط کیا ہے؟ ہمیں بتاؤ۔''

جواب میں شیر بولے۔

''تم ان سات شہزادیوں میں سے ایک ہمارے حوالے کر دو۔ تمہارے زندہ بچنے کی صرف یہی ایک صورت ہے۔''

اب ان کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ ایک شہزادی شیروں کے سپرد کر کے باقی لوگوں کی جان بچالیں۔ چنانچہ بادشاہ نے باری باری چھ کے چھ شہزادوں سے کہا کہ ان میں سے کوئی ایک اپنی دلہن شیروں کے لیے دے دے مگر ان میں سے کوئی راضی نہ ہوا۔ بادشاہ سخت پریشان تھا۔ اس نے اپنے وزیر سے مشورہ کیا۔

''اب تم ہی بتاؤ اس صورت حال سے کیسے نپٹا جائے؟''

وزیر بھی فکرمند تھا۔ اس نے عرض کیا۔

''جہاں پناہ! اب صرف یہی ایک ترکیب ہوسکتی ہے کہ چھوٹے شہزادے کی دلہن شیروں کے حوالے کر دی جائے۔''

مگر ہم شہزادے کو کیا جواب دیں گے؟

بادشاہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ جواب میں وزیر نے بھی پھر عرض کیا۔

''عالی جاہ! میری تجویز یہ ہے۔ تمام لوگوں سے کہہ دیا جائے کہ جب شہزادہ اپنی دلہن کے بارے میں دریافت کرے تو اسے کچھ نہ بتایا جائے۔''

پھر اس نے بادشاہ کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''اگر ہم نے یہ نہ کیا تو شیر ہم میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے۔''

تھوڑی دیر سوچ بچار کرنے کے بعد انہوں نے سب سے چھوٹے شہزادے کی دلہن شیروں کے حوالے کر دی اور شیر اسے لے کر چلے گئے۔ اس طرح اب وہ اپنے ساتھ سات کے بجائے چھ شہزادیوں کی ڈولیاں لے کر وطن واپس جا رہے تھے۔

جب بارات شہر کے قریب پہنچی تو سب سے چھوٹا شہزادہ خوشی خوشی اپنی دلہن کے استقبال کے لیے آیا مگر جب اس نے خلاف توقع یہ دیکھا کہ بارات کے ساتھ صرف چھ پالکیاں ہیں تو وہ بہت حیران ہوا۔ وہ جلدی سے لوگوں سے پوچھنے لگا۔

''میری دلہن کی پالکی کہاں ہے؟''

مگر سب یہی جواب دیتے۔

''ہمیں معلوم نہیں!''

وہ باری باری اپنے چھ بھائیوں کے پاس گیا اور ان سے بھی یہی سوال دہرایا۔ پھر اپنے باپ کے پاس گیا اور اس سے بھی یہی دریافت کیا لیکن سب یہی جواب دیتے۔

''ہمیں معلوم نہیں!''

شہزادہ یہ سن کر بڑا مایوس ہوا۔ وہ اس مایوسی اور پریشانی میں ادھر ادھر گھوم رہا تھا کہ ایک بوڑھے شخص نے اسے ساری بات بتا دی کہ اس طرح ایک جگہ رات کو پڑاؤ ہوا تھا جہاں شیروں نے سب کا گھیرا ڈال لیا اور ایک شہزادی حوالے کرنے کا مطالبہ کیا۔ پھر تمہاری دلہن ان شیروں کے

حوالے کر کے سب کی جان بچالی گئی۔ شہزادے نے یہ سنا تو اپنے باپ اور بھائیوں کے رویہ سے دل برداشتہ ہو گیا۔ اس نے اپنے دل میں پکا ارادہ کیا کہ:

''جب تک اپنی دلہن کو واپس نہیں لاؤں گا' یہاں نہیں آؤں گا۔''

اس بوڑھے شخص نے شہزادے کو سمجھایا۔

''شہزادے! اپنی جان نہ گنواؤ۔ شیروں نے اسے پھاڑ کھایا ہوگا۔ وہ اب تک کیسے زندہ رہ سکتی ہے۔ کیوں موت کے منہ میں جاتے ہو؟''

کچھ بھی ہو۔ میں اسے ضرور تلاش کروں گا۔

اس نے بوڑھے سے اس جنگل کا اتہ پتہ دریافت کیا اور بغیر کسی کے بتائے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنی دلہن کی تلاش میں چل نکلا۔

شہزادہ منزلوں پر منزلیں طے کرتا ہوا اپنے سفر پر جا رہا تھا کہ راستے میں اسے ایک چوہا ملا۔ اس نے اسے روک کر پوچھا۔

''اے شہزادے! تم ان خوفناک جنگلوں میں کہاں جا رہے ہو؟''

شہزادے نے چوہے کو ساری بات بتائی کہ کس طرح اس کے باپ اور بھائیوں نے اس سے دھوکا کیا اور اس کی دلہن شیروں کے حوالے کر دی۔ پھر وہ بولا۔

''اب میں اپنی دلہن کی تلاش میں جا رہا ہوں۔''

اس پر چوہا کہنے لگا۔

''اگر تم اجازت دو تو میں بھی تمہارے ساتھ چلوں؟''

شہزادے نے پہلے تو دل میں سوچا' بھلا یہ چوہا میری کیا مدد کرے گا؟ لیکن پھر اس نے اسے اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دے دی اور چوہا بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔ اس طرح اب ایک کی بجائے وہ دونوں جنگلوں میں سفر کر رہے تھے۔ ابھی وہ چند کوس ہی چلے ہوں گے کہ ایک جگہ انہیں ایک بندر ملا۔ بندر نے ان سے پوچھا۔

''اے شہزادے! تم چوہے کو ساتھ لیے کہاں جا رہے ہو؟''

شہزادے نے اسے پوری بات بتائی اور پھر کہا۔

''اب میں اپنی دلہن کی تلاش میں جا رہا ہوں۔''

بندر نے یہ سنا تو بولا۔

''اگر تم اجازت دو تو میں بھی تمہارے ساتھ چلوں؟''

شہزادہ دل میں سوچنے لگا۔ بندر میری کیا مدد کر سکے گا؟ مگر پھر اسے خیال آیا' اگر چوہے کو ساتھ لے لیا ہے تو بندر کو لے جانے میں کیا حرج ہے؟ اور کچھ نہیں تو ساتھ ہی ہرے گا لہٰذا اس نے بندر کو بھی اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ اب وہ تینوں سفر پر جا رہے تھے۔

وہ تینوں ایک جنگل میں سے گزر رہے تھے کہ انہوں نے دیکھا' شیروں کی ایک کچھار میں شہزادی رسیوں سے بندھی بیٹھی تھی۔ اس کے دونوں پاؤں میں ایک رسی بندی ہوئی تھی اور وہ غم زدہ بیٹھی تھی۔ اس سے چند قدم کے فاصلے پر ایک بوڑھی شیرنی لیٹی ہوئی تھی جو پہرہ دے رہی تھی۔ وہ شیرنی آنکھوں سے اندھی تھی اور اس نے اپنے پنجوں میں دو رسیاں پکڑ رکھی تھیں۔ ایک رسی کا دوسرا سرا شہزادی کے پاؤں میں بندھا ہوا تھا تاکہ اگر وہ کہیں بھاگنے کی کوشش کرے تو اسے فوراً پتہ چل جائے اور دوسری رسی کا دوسرا سرا ایک بہت بڑے شیر کے پنجوں میں تھا جو وہاں سے تھوڑی دور لیٹا گہری نیند سو رہا تھا۔ یہ اس لیے تھا کہ اگر اندھی شیرنی کو کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہو تو وہ اسے کھینچ دے تاکہ بڑا شیر فوراً اس کی مدد کو آ سکے۔ ان تینوں نے جب دور سے یہ منظر دیکھا تو بندر نے شہزادے سے کہا۔

''گھوڑا یہیں چھوڑ دو۔ ہم پیدل آگے جائیں گے۔''

شہزادے نے گھوڑا وہیں ایک درخت سے باندھ دیا اور وہ تینوں دبے پاؤں اس کچھار کے قریب پہنچ گئے جہاں شہزادی بندھی ہوئی بیٹھی تھی۔ بندر نے کچھار سے چند قدم دور ہی شہزادے کو رک جانے کے لیے کہا اور خود چوہے کو ساتھ لے کر ہولے ہولے آگے بڑھا۔ پھر اس نے چوہے کے کان میں کہا۔

''اب تم آگے جاؤ اور چپکے سے وہ رسی دانتوں سے کتر کر توڑ دو جس سے شیرنی اور شہزادی بندھی ہوئی ہے۔''

یہ سنتے ہی چوہا آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور پھر چند ہی لمحوں میں اس نے اپنے تیز دانتوں سے کتر کر اسے توڑ دیا۔ ادھر شہزادی نے بھی انہیں دیکھ لیا تھا کہ وہ اسے رہائی دلانے آئے ہیں۔ اس لیے وہ انہیں غور سے دیکھ رہی تھی تاکہ اشارہ پاتے ہی ان کی ہدایات پر عمل شروع کر دے۔ جب رسی کا سرا ٹوٹ گیا تو بندر نے اشارے سے شہزادی کو سمجھایا کہ وہ اپنے پاؤں میں بندھی ہوئی رسی کھولنے کی کوشش کرے۔ اس کے ساتھ ہی بندر نے شہزادے کو بھی اشارہ کیا کہ وہ دبے پاؤں آگے بڑھ کر رسی کھولنے میں شہزادی کی مدد کرے۔ یہ سب ہدایات دینے کے بعد بندر خود بخود اپنی دم سے کچھار میں جھاڑو دینے لگا جس سے لیٹی ہوئی اندھی شیرنی یہ سمجھی کہ شہزادی کچھار کی صفائی کر رہی ہے۔ چنانچہ وہ خاموش بڑے اطمینان سے لیٹی رہی۔ جب شہزادی کی رسیاں کھل گئیں تو شہزادے اسے ساتھ لے کر دبے پاؤں اس جگہ آ گیا جہاں گھوڑا بندھا ہوا تھا۔ بندر نے شہزادے سے کہا۔

''جلدی کرو اور شہزادی کے لے کر روانہ ہو جاؤ۔''

اس کے بعد اس نے چوہے سے بھی کہا۔

''تم بھی ان کے ساتھ چلو۔ جلدی کرو کہیں شیر بیدار نہ ہو جائے۔''

جب اس نے دیکھا کہ شہزادی، شہزادہ اور چوہا خاصے دور چلے گئے ہیں تو وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ پھر وہ دھیرے دھیرے اندھی شیرنی کے پاس گیا اور اس نے اسے دو تین دھکے دیئے جس سے اندھی شیرنی ہڑ بڑا کر اچھل پڑی۔ اس کا اچھلنا تھا کہ رسی کھینچنے کی وجہ سے تھوڑے فاصلے پر سویا ہوا بڑا شیر گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ بندر تو اتنی دیر میں چھلانگیں لگاتا ہوا کہیں کا کہیں جا چکا تھا۔ ادھر شیر اندھی شیرنی کی مدد کے لیے بھاگتا ہوا آیا اور پوچھنے لگا۔

''کیا بات ہے؟ کیا ہوا؟''

اتنے میں اس نے دیکھا تو شہزادی غائب تھی۔ یہ دیکھ کر وہ غصّے میں بپھر گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر اندھی شیرنی کو خوب مارا۔ وہ اندھی شیرنی اس شیر کی ماں بھی تھی جسے اس نے شہزادی کی نگرانی پر مقرر کر رکھا تھا۔ مگر اب جب اس نے دیکھا کہ محض اس کی غفلت سے شہزادی ہاتھوں سے نکل گئی ہے تو وہ پنجوں سے اس کی پٹائی کر کے شہزادی کے تعاقب میں بھاگا۔ وہ گولی کی سی تیزی سے بھاگا جا رہا تھا کہ راستے میں اس نے دیکھا، بندر مٹی کے ایک ڈھیر کے پاس اداس اور غمگین بیٹھا تھا۔ شیر نے رک کر پوچھا۔

''اے بندر! یہ کیا ہے؟ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟''

بندر نے بڑے اداس لہجے میں جواب دیا۔

''ابھی ابھی ایک شیر نے اپنی بوڑھی اور اندھی ماں کو اس قدر مارا ہے کہ وہ ہلاک ہو گئی ہے۔ میں اس بیچاری کو دفن کرنے کا انتظام کر رہا ہوں۔''

شیر نے بندر کی بات سنی تو اسے فوراً خیال آیا، ابھی ابھی بوڑھی اور اندھی ماں کو تو میں نے ہی مارا ہے۔ اسے اپنے کیے پر بڑا افسوس ہوا۔ بہت پچھتایا کہ میرا مقصد ماں کو جان سے مار ڈالنا تو نہیں تھا۔ وہ افسوس اور پریشانی میں الٹے پاؤں اپنی کچھار کی طرف بھاگا تاکہ ماں کو دیکھے۔ وہ تو ادھر بھاگا اور ادھر شہزادے اور شہزادی کو بھاگنے کے لیے مزید وقت مل گیا۔ شیر کو واپس جاتے دیکھ کر خود بندر بھی شہزادے شہزادی کے پیچھے بھاگا تاکہ ان سے جا ملے۔ اسے خطرہ تھا کہ ابھی تک وہ شیر کی زد سے باہر نہیں نکلے۔

شیر جب غصّے اور افسوس میں بھاگتا ہوا اپنی کچھار میں پہنچا تو اس نے دیکھا، اس کی اندھی ماں زندہ تھی۔ وہ سٹپٹا سا گیا۔ اس نے غصّے میں آگے بڑھ کر اپنی ماں کو اٹھایا اور کچھار سے باہر پھینک دیا۔ کہنے لگا، یہ ساری پریشانی محض اسی کی وجہ سے ہو رہی ہے اس کے بعد وہ پھر تیزی سے پلٹا اور شہزادی کے تعاقب میں بھاگنے لگا۔

ادھر شہزادے سے ملنے کے لیے بھاگتے ہوئے بندر نے جب دور سے دیکھا کہ شیر پھر

ان کے تعاقب میں آ رہا ہے اور ابھی شہزادہ اس کی زد سے باہر نہیں ہے تو پھر جلدی سے راستے میں ایک مٹی کا ڈھیر لگا کر اس طرح بیٹھ گیا جیسے کسی کی میت پر بین کر رہا ہو۔ جب شیر تیزی سے بھاگتا ہوا اس کے قریب پہنچا تو بندر روہانسا سا ہو کر مصنوعی آنسو بہانے لگا۔ شیر نے اسے روتے ہوئے دیکھا تو رک گیا اور پوچھنے لگا۔

''اے بندر! یہ تم کیوں رو رہے ہو؟''

بندر نے اسی طرح آنسو بہاتے ہوئے جواب دیا۔

''ابھی ابھی ایک شیر نے اپنی ماں کو اٹھا کر اس قدر زور سے کچھار کے باہر پھینکا ہے کہ وہ بے چاری زمین پر گرتے ہی مر گئی ہے۔''

پھر وہ بین کرتے ہوئے بولا۔ ''اب میں اس کے دفن کا انتظام کر رہا ہوں۔''

بندر کی بات سن کر شیر بہت گھبرایا۔ اس نے سوچا' ابھی ابھی تو میں نے ہی اپنی ماں کو کچھار سے باہر پھینکا ہے۔ وہ بیچاری میری غلطی سے مر گئی۔ اسے بہت افسوس ہوا کہ میری جلد بازی نے ماں کی جان لے لی۔ وہ افسوس کرتا ہوا اپنی ماں کے آخری دیدار کے لیے پھر الٹے پاؤں کچھار کی طرف بھاگا۔ شیر کے دوبارہ واپس جانے سے بندر کو بھاگنے کا وقت مل گیا اور وہ چھلانگیں لگاتا ہوا بہت جلد شہزادے سے جا ملا۔ اس نے شہزادے سے کہا۔ بے فکر رہو۔ اب شیر ہم تک نہیں پہنچ سکتا۔ ہم بہت دور آ چکے ہیں۔

اس طرح وہ چاروں محض بندر کی چالاکی اور عقلمندی سے بچ گئے۔ شہزادے کو اس کی شہزادی بھی مل گئی اور اس نے یہ بھی آزما لیا کہ جانور انسانوں سے زیادہ وفادار اور دوست ہوتے ہیں۔ راستے میں جہاں سے بندر ساتھ ہوا تھا وہاں پہنچ کر وہ رخصت ہو گیا اور جہاں سے چوہا ملا تھا، وہاں جا کر اس نے رخصت طلب کی۔ اور پھر شہزادہ دونوں کو رخصت کر کے خود شہزادی کو لے کر ہنسی خوشی واپس آ گیا۔

.....o.....

# مچھلی کی ہنسی

کسی جگہ دریا کے کنارے ایک مچھیرن رہتی تھی۔ اس کا ایک ہی بیٹا تھا۔ وہ دونوں جوں توں کر کے اپنی زندگی گزار رہے تھے۔ بیٹا ہر روز دریا میں سے مچھلیاں پکڑ لاتا اور مچھیرن انہیں شہر جا کر فروخت کر آتی۔ اس طرح جو چار پیسے مل جاتے ان سے روکھی سوکھی کھا کر ان کی زندگی بسر ہو رہی تھی۔ ایک روز کیا ہوا کہ حسب معمول لڑکا مچھلیاں پکڑ کے لایا اور بوڑھی مچھیرن انہیں بیچنے کے لیے شہر گئی۔ وہ بادشاہ کے محل کے قریب سے گزر رہی تھی کہ اتفاق سے ملکہ کی اس پر نظر پڑ گئی۔ اس نے اپنی ایک کنیز سے کہا۔

''اس مچھیرن کو بلا کر لاؤ۔ آج میں خود مچھلیاں خریدوں گی۔''

کنیز اسی وقت گئی اور مچھیرن کو محل میں لے آئی۔ ملکہ اس سے بولی۔

''مائی! مجھے مچھلیاں دکھاؤ۔ میں خریدنا چاہتی ہوں۔''

مچھیرن نے سر پر اٹھایا ہوا ٹوکرا اتار کر نیچے رکھا اور مچھلیاں دکھانے لگی۔ اتنے میں ایک بڑی سی مچھلی ٹوکرے کی تہہ میں سے اچھلی اور اچھل کر زمین پر جا گری۔ مچھیرن اسے اٹھا کر دوبارہ ٹوکرے میں رکھنے لگی تھی کہ ملکہ نے پوچھا۔

''یہ مچھلی نر ہے یا مادہ؟''

بوڑھی مچھیرن ابھی جواب بھی نہ دینے پائی تھی کہ ملکہ نے پھر کہا۔

''میں ہمیشہ مادہ مچھلیاں خریدنا پسند کرتی ہوں۔''

اس کا اتنا کہنا تھا کہ وہ مچھلی زور زور سے ہنسنے لگی۔ مچھیرن نے جواب دیا۔

''حضور! یہ مچھلی نر ہے۔''

مچھیرن تو چلی گئی مگر ملکہ کو بہت غصہ آیا کہ ایک مچھلی اور مجھ پر اس طرح ہنسے؟ اس نے میرا مذاق اڑایا ہے۔ وہ تلملاتی ہوئی اپنے محل کے اندر آئی اور غصّے میں پلنگ پر لیٹ گئی۔ شام کو جب بادشاہ اپنے سلطنت کے کاموں سے فارغ ہو کر محل میں آیا تو اس نے دیکھا' ملکہ اداس پلنگ پر پڑی ہے۔ وہ سوچنے لگا' شاید کسی نے اسے ناراض کر دیا ہے یا پھر اس کی طبیعت خراب ہے۔ چنانچہ اس نے قریب آ کر پوچھا۔

''ملکہ! کیا تم بیمار ہو؟''

ملکہ نے جواب دیا۔

''نہیں! میں بیمار نہیں۔''

بادشاہ پھر پوچھنے لگا۔

''کیا تم مجھ سے ناراض ہو؟''

ملکہ نے پھر لیٹے لیٹے جواب دیا۔

''نہیں! میں آپ سے ناراض نہیں۔''

اس پر بادشاہ کہنے لگا۔

''تو پھر مجھے بتاؤ کہ تمہیں ہوا کیا ہے؟ کیا کسی نے تمہیں ناراض کر دیا ہے؟''

بادشاہ کے اس سوال پر ملکہ نے اسے بتایا۔

''آج ایک مچھلی نے میری توہین کی ہے۔''

مچھلی نے توہین کی ہے؟

''بادشاہ کو بڑا تعجب ہوا کہ ایک مچھلی کسی کی کیسے توہین کر سکتی ہے؟''

''ہاں! مچھلی نے میری توہین کی ہے۔''

ملکہ نے اسے بتانا شروع کیا۔

''آج ایک مچھیرن مچھلیاں لے کر آئی تھی۔ جب وہ مچھلیاں دکھا رہی تھی تو ایک مچھلی

اچھل کر اس کی ٹوکری سے باہر آ گئی۔ میں نے مچھیرن سے اس مچھلی کے بارے میں پوچھا کہ یہ نر ہے یا مادہ؟ مچھیرن ابھی جواب بھی نہ دینے پائی تھی کہ گستاخ مچھلی مجھ پر ہنسنے لگی اور میرا مذاق اڑانے لگی۔''

ملکہ کی پوری بات سن کر بادشاہ اور بھی حیران ہوا۔ یہ انہونی بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ اس نے کہا:

''یقیناً تم نے کوئی خواب دیکھا ہوگا ورنہ مچھلی کیسے کسی کا مذاق اڑا سکتی ہے؟''

مگر ملکہ اپنی بات پر اڑی رہی۔ وہ کہنے لگی۔

''یہ خواب نہیں ہے۔ یہ واقعہ خود میرے ساتھ پیش آیا ہے۔ میں نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا ہے۔''

بادشاہ ابھی تک حیرت میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ ملکہ کی بات جھٹلا بھی نہیں سکتا تھا۔ اس نے کہا:

''بڑی عجیب بات ہے لیکن تم کہہ رہی ہو تو ٹھیک ہی ہوگا۔''

ملکہ نے منہ بسورتے ہوئے پھر کہا۔

''اگر اس مچھلی کے ہنسنے کی وجہ دریافت نہ کی گئی تو میں خودکشی کر لوں گی۔''

جواب میں بادشاہ بولا۔

''تم فکر نہ کرو۔ میں کل ہی اس مچھیرن کو بلا کر مچھلی کے ہنسنے کی وجہ دریافت کرتا ہوں۔ ایک مچھلی کی کیا مجال کہ وہ ملکہ کا مذاق اڑائے؟''

دوسرے روز جوں ہی بادشاہ دربار میں گیا اس نے حکم دیا کہ اسی وقت اس مچھیرن کو پیش کیا جائے جس نے کل محل میں ملکہ کو مچھلیاں دکھائی تھیں۔ حکم کی دیر تھی اسی وقت خادم گئے اور اس مچھیرن کو لا کر دربار میں پیش کر دیا۔ بادشاہ نے غصّے میں اسے دیکھا اور پوچھا۔

''اے مچھیرن! کیا تم نے ہی کل ملکہ کو مچھلیاں دکھائی تھیں؟''

مچھیرن ہاتھ جوڑ کر بولی۔

''جی ہاں حضور! میں نے ہی ملکہ عالیہ کو مچھلیاں دکھائی تھیں۔''

بادشاہ غضبناک ہوکر پوچھنے لگا۔

''تمہاری ایک مچھلی نے یہ پوچھنے پر کہ وہ نر ہے یا مادہ، ملکہ کا مذاق اڑایا؟ وہ اس پر ہنسنے لگی؟ کیا تم اس کی وجہ بتا سکتی ہو کہ وہ کیوں ہنسی تھی؟''

بیچاری بوڑھی مچھیرن بہت گھبرائی۔ بھلا اسے کیا معلوم کہ مچھلی کیوں ہنسی تھی؟ اس نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا۔

''حضور! مجھ غریب کو کیا معلوم؟''

یہ جواب سن کر بادشاہ اور بھی غصّے میں آ گیا اور اس نے کہا۔

''ہم تمہیں چھ ماہ کی مہلت دیتے ہیں۔ اگر تم نے ان چھ ماہ میں مچھلی کے ہنسنے کی وجہ نہ بتائی تو تمہیں زندہ کولہو پلوا دیا جائے گا۔''

بادشاہ کا حکم تھا۔ بُڑھیا بیچاری کیا کر سکتی تھی۔ اگر انکار کرتی تو جان جاتی تھی۔ مجبوراً چھ ماہ کی مہلت لے کر گھر آ گئی۔ گھر آ کر اس نے اپنے بیٹے کو ساری بات بتائی کہ اس طرح بادشاہ نے کہا ہے' اگر چھ مہینوں کی مدت میں مچھلی کے ہنسنے کی وجہ نہ بتائی گئی تو مجھے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ ماں کی پوری بات سننے کے بعد لڑکے نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''ماں! تم فکر نہ کرو۔ میں کسی دوسرے شہر جا کر کسی سے اس کی وجہ دریافت کرتا ہوں۔ ہوسکتا ہے تمہاری جان بچ جائے۔''

چنانچہ مچھیرن کا نوجوان بیٹا اپنی ماں سے رخصت ہوکر سفر پر روانہ ہوگیا۔ وہ شہروں شہروں گھومتا رہا اور مختلف لوگوں سے مچھلی کے ہنسنے کی وجہ معلوم کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ بڑے بڑے عقلمندوں کے پاس گیا، فقیروں اور جوگیوں سے دریافت کیا، جس نے کسی کا پتہ دیا اسی کے پاس پہنچا مگر اس کے سوال کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ ادھر چھ ماہ کی مہلت ختم ہو رہی تھی۔ وہ ڈر رہا تھا کہ اگر میں اس کی وجہ معلوم نہ کر سکا تو میری ماں کی موت یقینی ہے۔ مچھیرن کا بیٹا خود بھی بہت

ذہین تھا لیکن اس مشکل مسئلے کو حل کرنا اس کے بس کی بات نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ دیس بدیس مارا مارا پھر رہا تھا۔ اسی طرح گھومتا گھامتا وہ ایک روز کسی دوسرے شہر کی طرف جا رہا تھا کہ راستے میں اسے ایک جاٹ ملا جو اپنے گاؤں جا رہا تھا۔ اس کا گاؤں بھی اسی شہر کے راستے میں پڑتا تھا۔ نوجوان مچھیرے نے سوچا۔ چلو اکیلے سے دو بھلے۔ کچھ دور تک اس کا ساتھ ہی ہو جائے گا۔ بوڑھے جاٹ نے بھی سفر لمبا ہونے کی وجہ سے ایک نوجوان کا ساتھ غنیمت جانا۔ اور وہ دونوں اکٹھے سفر کرنے لگے۔ ان کا سفر خاصا طویل تھا اور وہ بڑی حد تک تھک بھی چکے تھے لیکن انہیں راستہ تو بہرصورت طے کرنا ہی تھا۔ چلتے چلتے نوجوان مچھیرا بوڑھے سے کہنے لگا۔

''کیا یہ اچھا نہیں ہوگا کہ ہم کچھ دور تک ایک دوسرے کو اٹھا کر لے چلیں؟''

بوڑھا اس کی بات سن کر دل میں سوچنے لگا، عجیب بیوقوف آدمی ہے۔ بھلا ہم دونوں ایک دوسرے کو اٹھا کر کیسے سفر کر سکتے ہیں؟ وہ دل ہی دل میں اس کی بیوقوفی پر ہنسا اور پھر یہ سوچ کر خاموش ہو رہا کہ بیوقوف ہے تو ہو، مجھے اس سے کیا لینا۔

وہ دونوں اپنے سفر پر چلے جا رہے تھے اور اس وقت ایک کھیت میں سے گزر رہے تھے جس کی فصل پک چکی تھی۔ نوجوان نے کھیت کی طرف دیکھتے ہوئے بوڑھے جاٹ سے پوچھا۔

''یہ کھیت کھا لیا گیا ہے یا ابھی نہیں؟''

اس کی یہ بات سن کر جاٹ اور بھی پریشان ہوا کہ یہ کس طرح کی باتیں کر رہا ہے۔ اب تو اسے واقعی اس کی بیوقوفی پر یقین ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے اسے ٹالنے کی غرض سے کہہ دیا۔

''مجھے نہیں معلوم!''

وہ دونوں پھر خاموش ہو گئے اور اپنی منزل کی طرف چلتے رہے۔ اب وہ ایک جنگل کے پاس پہنچ چکے تھے جو بہت گھنا تھا۔ لڑکے نے اپنی جیب سے ایک چاقو نکال کر بوڑھے جاٹ کو دیتے ہوئے کہا۔

''یہ چاقو لو اور اس کے بدلے میں دو گھوڑے لے آؤ۔ مگر چاقو واپس لانا نہ بھولنا۔ یہ

بہت قیمتی ہے۔''

بوڑھا سوچنے لگا۔ یا تو یہ نوجوان انتہائی بیوقوف ہے یا پھر مجھے بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ ایسی عجیب وغریب باتیں کر رہا ہے جن کا نہ کوئی سر ہے نہ پیر۔ یا پھر یہ کوئی سنکی ہے۔ اس نے چاقو واپس کرتے ہوئے کہا۔

''اپنا چاقو واپس لو۔ میں گھوڑے نہیں لا سکتا۔''

وہ پھر سفر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ بوڑھے جاٹ کا گاؤں قریب آ گیا۔ وہ گاؤں پہنچنے سے پہلے ایک چھوٹی سی بستی کے بازار میں سے ہوتے ہوئے ایک مسجد میں گئے۔ مگر وہاں کسی نے ان سے نہ دعا سلام کی اور نہ حال احوال پوچھا۔ انہوں نے مسجد میں جا کر ہاتھ منہ دھویا اور پھر جاٹ کے گاؤں کی طرف چل دیئے۔ یہ دیکھ کر نوجوان نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور بولا۔

''کتنا بڑا قبرستان ہے۔ چاروں طرف مردے ہی مردے نظر آ رہے ہیں۔''

جاٹ پھر سوچنے لگا ہو نہ ہو اس نوجوان کا دماغ خراب ہے۔ اتنی بڑی آبادی کو قبرستان کہہ رہا ہے۔ چاروں طرف لوگ گھوم رہے ہیں اور اسے مردے نظر آ رہے ہیں۔ کس قسم کے آدمی سے میرا سابقہ پڑ گیا ہے؟ لیکن پھر اس نے اپنے آپ سے کہا۔ چلو، جہاں اس کے ساتھ اتنا وقت گزار لیا ہے وہاں چند لمحے اور سہی۔ اب تو میرا گھر آنے والا ہے۔ ابھی وہ چند قدم ہی گئے ہوں گے کہ ایک چھوٹا سا قبرستان آیا جس میں کچھ لوگ قبروں کے اردگرد کھڑے فاتحہ پڑھ رہے تھے۔ قریب ہی تین چار آدمی ایک دیگ لیے بیٹھے تھے جو آنے جانے والوں کو نیاز کے چاول کھلا رہے تھے۔ انہوں نے بوڑھے جاٹ اور نوجوان مچھیرے کو بھی آواز دے کر اپنے پاس بلایا اور دونوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔ جب وہ دونوں سیر ہو کر وہاں سے آگے بڑھے تو نوجوان کہنے لگا۔

''کیسا اچھا اور رستا بستا شہر ہے؟''

اس کی بات سن کر بوڑھا جاٹ سوچنے لگا۔ اس شخص کے پاگل ہونے میں کوئی شک نہیں رہا۔ ابھی یہ بستی کو قبرستان کہہ رہا تھا اور اب قبرستان کو شہر بتا رہا ہے۔ اگر اور کچھ عرصہ اس کا

ساتھ رہا تو میں بھی پاگل ہو جاؤں گا۔ لیکن پھر اسے خیال آیا کہ اب تو وہ سامنے میرا گاؤں نظر آ رہا ہے، صرف ندی پار کرنے کی دیر ہے۔ چلو، کچھ دیر اسے اور برداشت کر لو۔ اتنے میں ندی آ گئی۔ بوڑھے جاٹ نے اپنے جوتے اتار کر ایک ہاتھ میں پکڑ لیے اور ندی پار کرنے لگا لیکن نوجوان مچھیرا پاؤں سے جوتے اتارے بغیر ہی پانی میں داخل ہو گیا اور ندی پار کر لی۔ یہ دیکھ کر جاٹ سٹپٹا گیا۔ وہ دل میں سوچنے لگا۔ ایسا بیوقوف شخص تو میں نے زندگی بھر نہیں دیکھا۔

پھر وہ اپنے آپ سے کہنا لگا۔ لچو بیوقوف ہے تو ہوتا رہے، مجھے کیا۔ میرا گھر تو آ ہی گیا ہے۔ جائے جہنم میں۔ اس نے راستہ بھر ایسی ایسی باتیں کی ہیں کہ کوئی پاگل بھی نہیں کرے گا۔ یہ سب کچھ سوچتا ہوا وہ اپنے گھر میں جانے لگا تو اسے خیال آیا۔ یہ بیوقوف ہے تو کیا ہے، اس نے اتنے طویل سفر میں میرا ساتھ دیا ہے۔ ابھی اسے نہ جانے اور کتنا سفر کرنا ہے اس لیے میرا یہ اخلاقی فرض ہے کہ اسے دو چار روز اپنے گھر میں ٹھہرنے کی دعوت دوں۔ چنانچہ وہ نوجوان سے کہنے لگا۔

''ابھی تمہیں معلوم نہیں کتنا سفر اور طے کرنا ہے۔ تم اگر چاہو تو دو چار روز میرے گھر میں ٹھہر جاؤ۔''

جواب میں نوجوان آہستہ سے بولا۔

''تمہاری دعوت کا شکریہ مگر پہلے مجھے معلوم کر لینے دو کہ تمہارے گھر کی کڑیاں بھی مضبوط ہیں یا نہیں؟''

بوڑھے جاٹ نے سوچا۔ یہ تو اسی طرح بیوقوفی اور پاگل پن کی باتیں کرتا رہے گا۔ اور وہ ہنستا ہوا اپنے گھر آ گیا۔ اس جاٹ کی ایک نوجوان بیٹی تھی جو بہت ذہین اور خوبصورت تھی۔ اس نے جب اپنے باپ کو اس طرح ہنستے ہوئے آتے دیکھا تو پوچھنے لگی۔

''بابا! تم اس قدر ہنس کیوں رہے ہو؟ کیا بات ہے؟''

جواب میں بوڑھا جاٹ اسی طرح ہنستے ہوئے بولا۔

کیا بتاؤں بیٹی؟ وہ کھیت کے پاس ایک نوجوان کھڑا ہے جو پورا راستہ میرے ساتھ آیا

ہے۔ وہ پورے سفر میں مجھ سے بیوقوفی کی عجیب وغریب باتیں کرتا رہا۔ اب جو میں نے اسے کہا کہ وہ دو چار دن ہمارے ہاں مہمان ٹھہرنا چاہے تو ہمارا گھر حاضر ہے۔ مگر وہ پہلے یہ جاننا چاہتا ہے کہ ہمارے گھر کی کڑیاں بھی مضبوط ہیں یا نہیں؟ اس کا کہنا ہے کہ جب تک وہ یہ معلوم نہ کر لے وہ ہمارے گھر میں نہیں آ سکتا۔

جاٹ کی لڑکی نے یہ بات سنی تو فوراً اس کا مطلب سمجھ گئی۔ اس نے جلدی سے اپنے باپ سے کہا۔

''بابا! یہ نوجوان بیوقوف نہیں ہے۔ تم نے غلط سمجھا ہے۔ دراصل اس جملے سے اس کا مقصد یہ معلوم کرنا ہے کہ تم اس کے ٹھہرنے کا بوجھ بھی اٹھا سکتے ہو یا نہیں؟''

جاٹ نے بیٹی کی بات سنی تو ذرا چونکا۔

''اچھا! یہ مقصد ہے اس کا؟''

اسے خیال آیا کہ اگر اس کے اس جملے کا یہ مقصد ہے تو پھر وہ جو کچھ راستہ میں کہتا آیا ہے، ان باتوں کا بھی کوئی نہ کوئی مطلب ضرور ہوگا۔ لہٰذا وہ اپنی بیٹی سے کہنے لگا۔

''جب ہم سفر کر رہے تھے تو وہ مجھ سے کہنے لگا۔ کیا یہ اچھا نہیں ہوگا کہ ہم کچھ دور تک ایک دوسرے کو اٹھا کر لے چلیں؟ سفر کرنے کا یہی ایک آسان طریقہ ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟''

جواب میں لڑکی اپنے باپ کو سمجھاتے ہوئے بولی۔

''اس کا مطلب یہ تھا کہ سفر کاٹنے کے لیے ہم میں سے کسی ایک کو کوئی کہانی سنانی چاہیے تاکہ سفر آسانی سے طے ہو جائے۔''

اچھا! اب میں سمجھا، یہ بات تھی۔

جاٹ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا، اور پھر بولا۔

''جب ہم ایک ایسے کھیت میں سے گزر رہے تھے جس کی فصل پک چکی تھی تو اس نے

مجھ سے کہا، یہ کھایا ہوا ہے یا نہیں؟ اس سے کیا مراد تھی؟''

لڑکی نے جاٹ کو بتایا۔

''بابا! اس کا مطلب تو بہت آسان تھا۔ دراصل وہ تم یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ جس کسان کا یہ کھیت ہے اس پر مہاجن کا قرض ہوگا یا نہیں؟ اگر وہ مقروض ہے تو ظاہر ہے پورا کھیت کھائے جانے کے برابر ہے۔''

اب تو بوڑھے جاٹ کو واقعی احساس ہوتا جا رہا تھا کہ جس نوجوان کو وہ راستہ بھر بیوقوف اور پاگل سمجھتا رہا، وہ پاگل نہیں بلکہ بہت عقلمند ہے۔ حقیقت یہ تھی کہ اب اسے اپنی نادانی پر افسوس ہو رہا تھا۔ اس نے بیٹی سے کہا۔

''جب ہم ایک جنگل میں سے گزر رہے تھے تو اس نے مجھے چاقو دے کر کہا، اس چاقو کے بدلے میں دو گھوڑے لے آؤ اور چاقو بھی واپس لیتے آنا۔ مجھے بتاؤ اس کا کیا مطلب تھا؟ لڑکی نے جواب دیا۔''

اس کا مطلب یہ تھا کہ چاقو لے کر جاؤ اور جنگل سے دو لاٹھیاں کاٹ کر لاؤ۔ حفاظت کے لیے دو لاٹھیاں دو گھوڑوں کے برابر ہیں۔ چاقو واپس لانے سے اس کی مراد یہ تھی کہ چاقو ضائع نہ کرنا، یہ پھر کام آئے گا۔

بوڑھا جاٹ اس کے کہے ہوئے جملوں کے مطلب جان جان کر حیران ہو رہا تھا۔ وہ پھر پوچھنے لگا۔

''اور جب ہم ایک بستی میں آئے تو وہ کہنے لگا۔ کتنا بڑا قبرستان ہے چاروں طرف مردے ہی مردے ہیں۔ اور جب ہم ایک قبرستان میں سے گزر رہے تھے تو کہنے لگا کیسا اچھا اور رستا بستا شہر ہے۔ اس سے اس کا کیا مطلب تھا؟''

لڑکی نے سوال کیا۔

''بستی میں آپ کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا تھا اور قبرستان میں کیا ہوا؟''

جواب میں بوڑھے جاٹ نے بتایا۔

''کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ بستی میں تو ہم سے کسی نے دعا سلام تک بھی نہیں کی البتہ جب ہم قبرستان کے قریب سے گزرے تو وہاں لوگوں نے ہمیں کھانا کھلایا۔''

لڑکی نوجوان کی باتوں کا مطلب سمجھ کر بولی۔

''جس بستی میں کسی سے کوئی دعا سلام بھی نہ کرے اور حال احوال بھی نہ پوچھے وہ قبرستان نہیں تو کیا ہے؟ اور جس قبرستان میں ایسے لوگ موجود ہیں جو مسافروں کو کھانا تک کھلائیں وہ شہر سے اچھا ہے۔ وہ تمہیں یہی بتانا چاہتا تھا۔''

جاٹ نوجوان کی عقلمندی پر حیران تھا اور ساتھ ہی ساتھ اپنی بیٹی کی دانائی کا بھی قائل ہو گیا تھا۔ اس نے کہا۔

''اچھا بیٹی! ایک بات اور بتا دو۔ جب ہم ندی پار کرنے لگے تو میں نے پاؤں سے جوتے اتار کر ہاتھ میں لے لیے اور نوجوان جوتے پہن کر ندی پار کرنے لگا۔ بھلا جوتا پہن کر بھی کوئی ندی پار کرتا ہے؟

لڑکی نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

''بابا! مجھے تو وہ نوجوان بہت زیادہ ذہین معلوم ہوتا ہے۔ میں خود سوچتی ہوں کہ ندی کے بہتے ہوئے پانی کی تہہ میں نوکیلے پتھر ہوتے ہیں جن پر ننگے پاؤں چلنے سے آدمی زخمی ہو سکتا ہے۔ اس لیے اگر وہ جوتے پہن کر ندی میں سے گذرا تھا تو یہ اس کی عقلمندی تھی۔''

اس کے بعد لڑکی بولی۔

''میں اس نوجوان سے ملنا چاہتی ہوں۔''

یہ سن کر جاٹ خوشی خوشی کہنے لگا۔

''لو! میں اسے ابھی بلا کر لاتا ہوں۔''

لیکن لڑکی نے اسے روک کر کہا۔

''بابا! وہ اس طرح گھر میں نہیں آئے گا۔ پہلے تم اس سے کہنا کہ ہمارے گھر کی کڑیاں بہت مضبوط ہیں۔ اور ہاں ابھی تم نہیں جاؤ۔ پہلے میں اسے چند تحفے بھیجوں گی۔''

لڑکی نے یہ کہہ کر جلدی سے اپنے ایک نوکر کو بلایا اور اسے ایک گھی سے بھرا ہوا برتن، بارہ چپاتیاں اور دودھ سے لبالب بھری ہوئی ایک مٹکی دے کر کہا۔

''جاؤ! اس مسافر کو یہ چیزیں دے آؤ۔ اس سے یہ بھی کہنا کہ چاند پورا ہے، سال میں بارہ مہینے ہوتے ہیں اور سمندر کا پانی کناروں سے باہر بہہ رہا ہے۔''

نوکر تمام چیزیں لے کر اس کھیت کی طرف روانہ ہو گیا جہاں نوجوان مچھیرا بیٹھا ہوا تھا۔ ابھی نوکر نے تھوڑا ہی راستہ طے کیا تھا کہ اسے اس کا چھوٹا بیٹا مل گیا۔ وہ اس وقت بھوکا تھا۔ نوکر نے سوچا' ایک مسافر اتنا کچھ کیسے کھا سکتا ہے؟ اگر اس میں سے کچھ بچے کو کھلا دوں تو اسے کیا پتہ چلے گا؟ چنانچہ اس نے خود بھی تھوڑا کھا لیا اور بیٹے کو بھی کھلا کر بھیج دیا اور باقی چیزیں نوجوان کے پاس لے گیا۔ اس نے نوجوان کو چیزیں دینے کے ساتھ ہی یہ بھی کہا۔

''تمہارے لیے یہ پیغام بھی ہے کہ چاند پورا ہے، سال میں بارہ مہینے ہوتے ہیں اور سمندر کا پانی کناروں سے باہر بہہ رہا ہے۔''

نوکر بھلا ان جملوں کا مطلب کیا سمجھ سکتا تھا؟ اس نے یہ پیغام بھی دے دیا اور چیزیں بھی۔ نوجوان نے جب چیزیں دیکھیں تو وہ ان سے کم تھیں جن کا پیغام دیا گیا تھا۔ اس نے نوکر سے چیزیں تو لے لیں لیکن اس کے ساتھ ہی کہا۔

''اپنی مالکن کو میرا سلام عرض کر کے کہنا۔ چاند نیا ہے۔ سال میں دس مہینے ہیں اور سمندر کا پانی بھی کناروں سے باہر نہیں بہہ رہا۔''

نوکر جیسے بے سوچے سمجھے جاٹ کی بیٹی کا پیغام لے آیا تھا' اسی طرح نوجوان مچھیرے کا پیغام بھی جا کر سنا دیا۔ لڑکی نے جوں ہی سنا، وہ سمجھ گئی کہ نوکر نے چیزیں کم کر پہنچائی ہیں۔ گھی بھی نکال [illegible] ٹیاں بھی کم کر دی ہیں اور دودھ بھی پی لیا ہے۔ یہ دیکھ کر اس نے نوکر کو تو نوکری سے [illegible] اور باپ سے کہا۔

''بابا! اب تم اس نوجوان کو گھر لے آؤ۔''

جب نوجوان ان کے گھر آ گیا تو بوڑھے جاٹ اور اس کی بیٹی نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ لڑکی تو اس کی ذہانت اور جوانی دیکھ کر بس اسی کی ہو گئی تھی۔ اس نے سوچا' اتنا ذہین نوجوان اس طرح پردیس کے سفر کرتا پھر رہا ہے یقیناً یہ کسی مصیبت میں گرفتار ہے۔ یہی سوچ کر اس نے نوجوان سے اس کے سفر کی وجہ دریافت کی اور جواب میں اس نے تمام حالات بیان کر دیئے وہ بھی یہ بات جان چکا تھا کہ یہ لڑکی ضرور مچھلی کی ہنسی کا مطلب بتا دے گی۔ اس نے اپنے سارے حالات بیان کرنے کے بعد بتایا۔

اب چھ ماہ کی مہلت میں چند ہی روز باقی ہیں۔ اگر مجھے مچھلی کے ہنسنے کی وجہ معلوم نہ ہو سکی تو میری ماں کی جان نہ بچ سکے گی۔ لڑکی نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''تم گھبراؤ نہیں۔ میں کل تمہارے ساتھ چلوں گی اور بادشاہ کو اس کی وجہ بتا دوں گی۔''

دوسرے روز نوجوان مچھیرا جاٹ کی لڑکی کو ساتھ لے کر اپنے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ دونوں منزلوں پر منزلیں طے کرتے ہوئے چند ہی روز میں بوڑھی مچھیرن کے پاس پہنچ گئے۔ وہ بے چاری بیٹے کے انتظار اور موت کے خوف سے بے حال ہو چکی تھی۔ اب انہیں دیکھا تو جیسے دوبارہ زندہ ہو گئی تھی۔ نوجوان نے اسے بتایا۔

''ماں! یہ لڑکی مچھلی کے ہنسنے کا مطلب بتائے گی۔''

جس وقت وہ یہاں پہنچے تھے، وہ دن بادشاہ کی مہلت کا آخری دن تھا اس لیے لڑکی جلدی سے کہنے لگی۔

''ماں! مجھے ابھی بادشاہ کے دربار میں لے چلو۔''

بوڑھی مچھیرن کی تو زندگی کا سوال تھا۔ وہ اسی وقت لڑکی کو دربار میں لے گئی۔ ادھر بادشاہ بھی اس کا منتظر تھا کیونکہ اسے معلوم تھا، آج مہلت کا آخری دن ہے۔ آج بڑھیا کی زندگی اور موت کا فیصلہ ہونا تھا۔ بڑھیا نے دربار میں پہنچ کر سلام عرض کیا۔

''حضور! میں نے مچھلی کے ہنسنے کی وجہ معلوم کر لی ہے۔''

تم نے وجہ معلوم کر لی ہے؟

بادشاہ کو تعجب ہوا کہ جس بات کا مطلب بڑے عقلمند نہ بتا سکے، وہ اسے کیسے معلوم ہو گئی؟

دربار میں بیٹھے امیر و وزیر بھی حیران تھے۔ آخر بادشاہ بولا۔

''ہمیں یہ بتاؤ' وہ مچھلی یہ پوچھنے پر کہ وہ نر ہے یا مادہ، ملکہ پر کیوں ہنسی؟''

پیشتر اس کے کہ بوڑھی مچھیرن کوئی جواب دیتی، جاٹ کی بیٹی جلدی سے آگے بڑھ کر بولی۔

''حضور! میں اسی کا مطلب بتانے کے لیے حاضر ہوئی ہوں۔''

بادشاہ نے اس کی طرف دیکھا کہ یہ کون لڑکی ہے؟ مگر وہ کہنے لگا۔

''اے لڑکی! تم ہی بتاؤ۔ ہم عرصہ سے اس کے لیے پریشان ہیں۔''

جواب میں لڑکی نے دست بستہ عرض کیا۔

''حضور! اگر پہلے اس کنیز کی جان بخشی کی جائے تو یہ عرض کرے؟''

بادشاہ بولا۔

''ہم تمہاری جان بخشی کا وعدہ کرتے ہیں۔''

جان بخشی کا قول لینے کے بعد لڑکی کہنے لگی۔

''حضور! آپ کی ملکہ نے یہ پوچھا تھا کہ مچھلی نر ہے یا مادہ۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا' میں ہمیشہ مادہ مچھلی خریدنا پسند کرتی ہوں۔ اس وقت مچھلی کو یہ معلوم تھا کہ ملکہ نے اپنے محل میں کنیزوں کے بھیس میں ایک ایسے نوجوان کو رکھا ہوا ہے جس سے وہ عشق کرتی ہے۔ اسی لیے اسے ملکہ کی بات پر ہنسی آ گئی تھی کہ ایک طرف تو اسے نر مچھلی پسند نہیں اور دوسری طرف ایک نر کو اپنے محل میں چھپا کر رکھا ہوا ہے؟

یہ بات سن کر بادشاہ ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ملکہ اسے اس طرح دھوکہ دے سکتی ہے۔ پھر بھی اسے شک تھا کہ یہ بات جھوٹ بھی ہو سکتی ہے۔ وہ بولا۔

''یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ ہم کیسے یقین کرلیں؟''

لڑکی نے اسی طرح دست بستہ عرض کیا۔

''اگر حضور کو اس میں شک ہے تو اس کا ابھی پتہ چل سکتا ہے۔''

وہ کیسے؟ ہمیں بتاؤ؟

بادشاہ نے بے تاب ہوکر پوچھا۔ اس پر لڑکی نے کہا۔

''آپ زمین میں ایک بڑا سا گڑھا کھدوائیں اور محل کی تمام کنیزوں کو بلوائیں۔ پھر سب سے کہیں کہ وہ باری باری گڑھا پھلانگیں۔ اس طرح مرد کا آسانی سے پتہ چل جائے گا۔''

بادشاہ نے اسی وقت گڑھا کھودنے کا حکم دیا اور جب گڑھا کھودا جا چکا تو محل کی تمام کنیزوں کو بلا کر ان سے کہا۔

''باری باری سب کنیزیں اس گڑھے پر سے کود یں؟''

تمام کنیزوں نے حکم کے مطابق گڑھا پھلانگنے کی کوشش کی مگر کوئی اس میں کامیاب نہ ہوسکی۔ صرف ایک کنیز پھلانگ سکی اور وہی کنیز کے رُوپ میں نوجوان تھا۔ یہ دیکھ کر بادشاہ نے اسی وقت جلادوں کو حکم دیا کہ:

''ملکہ کا سر قلم کر دیا جائے اور اس کے ساتھ ہی کنیز کے رُوپ میں محلوں میں رہنے والے نوجوان کو بھی قتل کر دیا جائے۔''

اس کے بعد بادشاہ نے جاٹ کی بیٹی کی ذہانت سے خوش ہوکر اسے اپنی بیٹی بنالیا۔ پھر چند ہی روز بعد اس کی شادی، بوڑھی مچھیرن کے بیٹے سے کر دی گئی اور انہیں رہنے کے لیے ایک عالیشان محل دے دیا گیا۔ جاٹ کی بیٹی نے اپنے باپ کو بھی اپنے پاس بلالیا اور نوجوان مچھیرا اپنی بوڑھی ماں کو محل میں لے آیا۔ اس طرح وہ سب ہنسی خوشی زندگی گزارنے لگے۔

.....o.....

## یہ کتاب نیشنل بک فاؤنڈیشن کی درج ذیل بک شاپس پر دستیاب ہے

- **اسلام آباد:** 6۔ماؤوا ایریا، تعلیمی چوک G-8/4، اسلام آباد فون: 051-9261125
- **راولپنڈی:** ریلوے بک سٹال: پلیٹ فارم نمبر 3، ریلوے سٹیشن، راولپنڈی کینٹ فون: 0333-5756891
- **لاہور:** 57-56۔شادمان کالونی، شادمان مارکیٹ، لاہور فون: 042-99203865 فیکس نمبر: 042-99203864
  - ٹریولرز بک کلب/شاپ: علامہ اقبال انٹرنیشنل ایئرپورٹ، لاہور فون: 042-37740961
  - ریلوے بک سٹال: پلیٹ فارم نمبر 2، ریلوے سٹیشن، لاہور فون: 0321-4376490
- **وزیر آباد:** ریلوے بک سٹال: پلیٹ فارم نمبر 3، ریلوے سٹیشن، وزیر آباد فون: 0331-6186996
- **واہ کینٹ:** این بی ایف بک شاپ، سنٹرل لائبریری عمارت واہ کینٹ (Premises) فون: 051-9314004
- **فیصل آباد:** شاپ نمبر 10، ہاشمی ہال شاپنگ سنٹر، زرعی یونیورسٹی، فیصل آباد فون: 041-2648179
- **ملتان:** شاپ نمبر 6-5-4، ایم۔ڈی۔اے روڈ، نزد آرٹ کونسل، ملتان فون: 061-9201281
  - ریلوے بک سٹال: پلیٹ فارم نمبر 3، ریلوے سٹیشن، ملتان کینٹ فون: 0301-7556886
- **پشاور:** پلاٹ نمبر 37-36، سیکٹر B-2، فیز 5، حیات آباد، پشاور فون 091-9217273 فیکس نمبر: 091-9217273
- **ایبٹ آباد:** فرسٹ فلور، پبلک لائبریری، جلال بابا آڈیٹوریم، ایبٹ آباد فون: 0992-9310291
- **ڈیرہ اسمٰعیل خان:** این بی ایف بک شاپ، گورنمنٹ اسلامیہ ہائر سیکنڈری سکول نمبر 2، سرکلر روڈ، ڈی آئی خان فون: 0336-7221016
- **کراچی:** لیاقت میموریل لائبریری، گراؤنڈ فلور، سٹیڈیم روڈ کراچی فون: 021-99230334 فیکس نمبر: 021-99231089
  - ٹریولرز بک کلب/شاپ: ڈومیسٹک ڈیپارچر لاؤنج، جناح انٹرنیشنل ایئرپورٹ، کراچی فون: 021-99248432
  - ریلوے بک سٹال: پلیٹ فارم نمبر 1، کینٹ ریلوے سٹیشن، کراچی فون: 0344-3102536
- **سکھر:** پبلک لائبریری، اولڈ سکھر فون: 071-9310892
- **روہڑی:** ریلوے بک سٹال: پلیٹ فارم نمبر 4-3، ریلوے سٹیشن، روہڑی فون: 0312-8526756
- **حیدر آباد:** این بی ایف بک شاپ، اولڈ کیمپس، گاڑی کھاتہ، حیدر آباد فون: 022-9200251 0347-3201467
- **لاڑکانہ:** این بی ایف بک شاپ، شہید محترمہ بے نظیر بھٹو میڈیکل یونیورسٹی، لاڑکانہ فون: 074-9410229
- **جیکب آباد:** این بی ایف بک شاپ، ریڈ کریسنٹ بلڈنگ، ڈی سی چوک، قائداعظم روڈ، جیکب آباد فون: 0722-650817
- **خیر پور:** این بی ایف بک شاپ، شاہ عبداللطیف یونیورسٹی، خیر پور فون: 0306-3230045
- **کوئٹہ:** مکان نمبر 9/9-3، ناتھا سنگھ سٹریٹ، کوئٹہ فون: 081-9201570 فیکس: 081-9201869


**نیشنل بک فاؤنڈیشن**

6۔ماؤوا ایریا، تعلیمی چوک G-8/4، پوسٹ بکس نمبر 1169، اسلام آباد

فون: 9261125، 051-2255572 فیکس نمبر: 051-2264283

ای میل: books@nbf.org.pk ویب سائٹ www.nbf.org.pk

لوک ادب اور لوک داستانیں اجتماعی ذہن کی نمائندہ ہونے کے ناتے دنیا بھر میں ایک خاص اہمیت کی حامل تصور کی جاتی ہیں کیوں کہ ان کے ذریعے نہ صرف کسی قوم، ملک اور معاشرے کی تہذیبی اقدار اور رسوم و رواج کا پتہ چلتا ہے بلکہ یہ اس علاقے کی ارتقائی ثقافتی تاریخ کی بھی عکاس ہوتی ہیں۔ اس کتاب میں پنجابی کی جو داستانیں پیش کی گئی ہیں ان میں پورا پنجاب سانس لیتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور یہ پورے پاکستان کے مشترکہ ورثے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ تمثیلی انداز کی ان کہانیوں کی ایک علامتی حیثیت بھی ہے جو سبق آموز اور حیات آمیز ہونے کے ساتھ ساتھ فکر انگیز بھی ہے اور ان میں سے ہر کہانی میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے مقابلتہً کمزور کردار کی جانب سے کوشش اور جدوجہد جاری رکھنے کا پہلو نمایاں نظر آتا ہے۔ پتہ نہیں یہ کہانیاں کس قدر قدیم ہیں مگر آج اکیسویں صدی میں بھی ان کی اہمیت و افادیت مسلمہ ہے۔

BOOKS GIVE US WINGS
NATIONAL BOOK FOUNDATION

Price: Rs.150/-